

۶

کتابخانه

۲۹۸۰ ه
فی - ت

تخليق الاول



٩٢٢. ٢

٢ في ٢

حفيظة الرحمن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ : مُحَمَّدًا وَنُصَلِّيَ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

پیش لفظ 17260

خدا تعالیٰ کی ہزاروں برکات نازل ہوئے اس بزرگوار پرچم کے
 علمی خزانے کے روشنی میں عاجز من نے یہ کتاب ترتیب دی۔ اس
 ناچیز سمجھ میں صاحبے لوگ فخر الاولین والاخرین حضرت محمد
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل و مدنیہ زندگی کے جدید منتخب
 پہلے واقعات انیسویں بزرگوں کے علمی خزانے ہیں
 ۱۔ ترتیب دیئے گئے ہیں۔ واقعات کے کسوٹی پر دیکھ انیسویں
 کے محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حاشیہ میں جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں
 وہ مطابقت کے بعد پیش کئے گئے ہیں :

اللہ تعالیٰ کے حضور سے بدعا ہوئے کہ وہ میری اس حقیر کو قبول فرمائے
 بہتوں کی رہنمائی کا موجب ہو اور میری بخشش کا واسطہ بنے۔ آمین
 طالبہ دعا

حفیظۃ الرحمٰن
 بیگم میر مبارک احمد تالپور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ * مُحَمَّدٌ نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

فہرست

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعاتِ عظیمہ	صفحہ نمبر
۱	۵۲ سال قبل ہجرت ۳۰ اپریل صبح بروز شنبہ	پہلی تخلیق	۱۱
۲	بچہ ۵ یوم	پہلی مرضہ	۱۲
۳	بچہ ۵ سال	پہلی جراث	۱۴
۴	۵۵، ۵۶، ۵۷ بچہ پانچ سال	پہلی بار فرشتوں کا نزول (شق العنقا)	۱۹
۵	۸ سال قبل ہجرت	پہلی دعا	۲۳
۶	۵۷ بچہ چھ سال، ۸ سال قبل ہجرت	پہلا غم	۲۳
۷	بچہ ۱۲ سال ۲ ماہ ۲۰ سال قبل ہجرت	پہلا سفر	۲۶
۸	بچہ ۱۵ سال ۸ ماہ	پہلا معاہدہ (حلف الفضول)	۲۸
۹	بچہ ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن (۴ سال قبل ہجرت)	سید ولد آدم کی پہلی بیوی	۳۱
۱۰	۵۷ بچہ ۳ سال ۱۸ سال قبل ہجرت	پہلا خطاب	۳۵
۱۱		پہلا سبک فیصلہ	۳۸
۱۲		پہلا دوست	۴۰
۱۳	۶۵ بچہ ۳ سال ۱۸ سال قبل ہجرت	پہلی عبادت گاہ	۴۳
۱۴	" "	عبادتِ ابراہیمی	۴۵

انتساب

اپنے آبا جاضے سید حافظ عبدالرحمن مرحوم کے نام جوئے کے
عشق و مول نے مجھے یہ کتاب لکھنے کا شوق دیا :

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ	صفحہ نمبر
		بعد از نبوت	
۱۵	۳۱ سالہ بعمر ۳۰ سال ایک دن	پہلی وحی	۴۷
	۱۲ سال قبل ہجرت - ربیع الاول		۴۹
۱۶	" " " "	پہلے تصدیق کرنے والا شخص	۵۲
۱۷	۳۱ سالہ سہ شنبہ ربیع الاول	پہلا مسلمان مرد (۳۱ سالہ تا ۳۲ سالہ)	۵۵
۱۸	۳۱ سالہ سہ شنبہ ۱۱ ربیع الاول	پہلا مسلمان بچہ	۶۲
	۱۳ سال قبل ہجرت		
۱۹		پہلا مسلمان خادم	۷۰
۲۰		پہلی پیشکش و اعلائیہ تبلیغ	۷۲
۲۱	۳۱ سالہ نبوی	پہلا دار القبلہ	۷۴
۲۲	بعمر ۳۳ سال ۳۱ سالہ نبوی	عبداللہ بن مسعود پہلی جبری تلاوت	۷۷
۲۳	۳۱ سالہ بعمر ۴۴ سال ۴ ماہ ۳۱ سالہ نبوی	پہلا ہاجرہ جوڑا	۸۱
	۷ سال قبل ہجرت		
۲۴	" " " "	پہلا مسلمان چچا	۸۶
۲۵	۳۱ سالہ نبوی	پہلی شہید عورت	۹۰
۲۶	۳۱ سالہ نبوی بمذکر منگل	سوشل بائیکاٹ	۹۴
	بعمر ۴۶ سال ۴۶ سالہ ۲۳ دن		
۲۷	۳۱ سالہ نبوی ۳ سال قبل ہجرت	سفر طائف	۹۸
۲۸	۳۱ سالہ بعمر ۴۹ سال ۴۶ سالہ ۲۳ دن	پہلی باکرہ اتم المؤمنین نکاح	۱۰۲
	۳۱ سالہ نبوی ۳ سال قبل ہجرت	حضرت عائشہ صدیقہ کبریٰ	
۲۹	۳۱ سالہ بعمر ۵۰ سال ۳۱ سالہ نبوی	پہلی فرض شدہ عبادت	۱۰۶
	۴ سال قبل ہجرت		

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ
۳۰	۳۱ سالہ بعمر ۵۰ سال ۳۱ سالہ نبوی	پہلا مبلغ اسلام
	۲ سال قبل ہجرت	
۳۱	" " " "	پہلا مسلمان شاعر
۳۲	۳۱ سالہ بعمر ۵۱ سال ۵۱ سالہ	پہلی بیعت
	۱ سال قبل ہجرت	
۳۳	۳۱ سالہ بعمر ۵۲ سال ۱۱ ماہ	ہجرت نبوی
	ربیع الاول شب جمعہ المبارک	
۳۴	۳۱ سالہ بعمر ۵۲ سال ۱۱ ماہ	غلبہ
	۲۳ دن -	
۳۵	" " " "	پہلی مسجد
۳۶	" " " "	پہلی نماز جمعہ
۳۷	بعمر ۵۳ سال ۴ دن ۳۱ سالہ ہجری	پہلا خطبہ
۳۸	۳۱ سالہ تا ۳۲ سالہ بعمر ۵۳ سال ۴ ماہ	دارالقیام
۳۹	" " " "	اسلامی شہر
۴۰	۳۱ سالہ بعمر ۵۳ سال ایک ماہ ربیع الاول	مسجد نبوی (پہلی درگاہ)
۴۱	۳۱ سالہ بعمر ۵۳ سال ۱۴ ماہ یکم ہجری	پہلا ٹوڈن
۴۲	۳۱ سالہ بعمر ۵۳ سال ۲ ماہ یکم ہجری	پہلی مواخات
۴۳	" " " "	پہلا معاہدہ
۴۴	" " " "	پہلی بار اجازت جہاد
۴۵	۳۱ سالہ بعمر ۵۴ سال ۵ ماہ ۷ دن	رخ کعبہ کی پہلی نماز
	(۳۱ سالہ ہجری)	
۴۶	" " " "	پہلا حکم روزہ

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ	صفحہ نمبر
۴۷	۶۲۲ء جنوری بعمر ۵ سال ۶ ماہ	جنگ بدر	۱۶۰
۴۸	بمطابق ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری		۱۶۵
۴۹	" " "	یہودیوں میں پہلا مسلمان	۱۶۸
۵۰	۶۲۲ء ۲ ہجری	پہلا واقف زندگی شہید	۱۷۱
۵۱	۶۲۲ء ۲ ہجری	جنت البقیع کا پہلا مدفون	۱۷۵
۵۲	۶۲۲ء - بمطابق ۲ ہجری	غلاموں کی آزادی کا پہلا حکم	۱۷۹
۵۳	" " "	ہجرت کے بعد پہلا پیر	۱۸۳
۵۴	" " "	پہلا مقتول	۱۸۵
۵۵	۶۲۵ء بعمر ۵ سال ۳ ہجری	حکم زکوٰۃ	۱۸۹
۵۶	۶۲۶ء بعمر ۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری	نوحہ کی ممانعت	۱۹۲
۵۷	" " " " " "	شراب کی حرمت	۱۹۵
۵۸	" " " " " "	ندیم کی پہلی مہاجر عورت سے نکاح	۱۹۸
۵۹	" " " " " "	پہلا امین الامت	۲۰۲
۶۰	" " " " " "	صلوۃ الخوف	۲۰۴
۶۱	۶۲۷ء بعمر ۷ سال ۸ ماہ شوال	نقل مکانی	۲۰۷
۶۲	۶۲۷ء بعمر ۷ سال ۵ شعبان ۵ ہجری	آسمانی نکاح	۲۱۱
۶۳	" " " " " "	پہلی عورت کی خدائی بیت (واقفہ انک)	۲۱۵
۶۴	" " " " " "	پہلا مرتد	۲۱۸
۶۵	۶۲۷ء بعمر ۷ سال ۷ ماہ	پہلا منافق	۲۲۲
	۸ ذیقعدہ ۵ ہجری	پہلی غمی مدبر	

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ	صفحہ نمبر
۲۲۸	بمطابق ۵ ہجری	خندق کا پہلا شہید	۲۲۸
۲۳۱	" " "	دشمن خدا شاعر	۲۳۱
۲۳۵	۶۲۸ء بمطابق ۶ ہجری	حضرت جویریہؓ پہلی امیر بیوی	۲۳۵
۲۳۸	۳ مارچ ۶۲۸ء بمطابق ۶ ہجری بعمر ۵۸ سال ۷ ماہ ۲۳ دن	پہلی صلح (حدیبیہ)	۲۳۸
۲۴۲	۶۲۸ء اواخر ۶ ہجری	بادشاہوں کے نام خطوط	۲۴۲
۲۴۵	۶۲۸ء - یکم محرم شدہ ہجری	تصدیق کرنے والا بادشاہ	۲۴۵
۲۴۹	۶۳۲ء - بعمر ۶ سال ۸ ماہ ۱۷ دن	پہلا و آخری حج	۲۴۹
	(شدہ ہجری)	طائر خطہ مظفر (۱۷)	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿نَحْمَدُكَ يَا رَبَّنَا عَلَى رِسْوَلِهِ الْكَرِيمِ﴾

حوالہ خدا کے فضل و رحمت کے ساتھ

تخلیق الاولیٰ

یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ تمام کائنات کو جس نے پیدا کیا ہے وہ ہمارا رب ہے۔ محبت۔ رُبُوبیت۔ پیار۔ رحم۔ احسان۔ انصاف اور انعام یہ تمام صفات اعلیٰ اور جامع طور پر صرف اور صرف ہمارے خالق میں ہی پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ لیکن "اَحَد" ہونے کے باوجود اس نے اپنی صفات کے منظر دنیا میں پیدا کئے ہیں۔ اور اپنی ایک تخلیق کو ایسی صفات عطا کیں کہ وہ رب العالمین کا پروردگار بنی اور رحمۃً لِلْعَالَمِیْنَ کہلانے لگی۔ وہ تخلیق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جو شہدہ ۱۲ ربیع الاول بمطابق ۳۰ اپریل بروز پیر بوقت صبح آمنہ مقدسہ کے گھر پیدا ہو کر مکہ کی پاک زمین سے علیٰ وجہ التفصیل طلوع ہوئے۔ جب خدائے تعالیٰ نے اپنا فیور چاہا۔ تو اپنی ذات کا عکس طور پر ایک نمونہ فریش خاندان کے ایک معزز گھرانے کو عطا کر دیا۔ یہ دنیا کا نجات دہندہ جب پیدا ہوا تو باپ حضرت عبداللہ بن عبد المطلب فوت ہو چکے تھے۔ دادا نے آپ کا نام محمد رکھا۔ یہ نام الہامی تو نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد المطلب کے دل پر تصرف فرما کر آپ کو القاء کیا تھا۔ چنانچہ ہی نام رکھا گیا۔ جو پیشگوئیوں میں موجود تھا۔

حضرت آمنہ جبکہ وہ خاندان کی بے وقت وفات پر گریہ و زاری اور آہ و بکا کرتی تھی تھیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ جیسے تمام عالم میں گھپ اندھیرا ہے۔ نہ تھک کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے نہ کچھ نظر آتا ہے۔ یکایک ان کے سینے سے ایک چمکتا ہوا

نور نکلا۔ جو پھیلتا پھیلتا ہر جگہ چھا گیا۔ آپ کی طبیعت پر اس خواب کا بھی اثر تھا۔ دوسرے
دادا کی خواہش تھی کہ تعریف و توصیف میں میرے بیٹے کا کوئی ثانی نہ ہو۔ اور میرا
دنیا بھر کی ستائش کا مستحق ہو اور ہر قسم کی بھلائی اس میں پائی جائے۔ دنیا بھر میں کسی اور
کی خواہش اتنی عذگی سے پوری نہیں ہوئی ہوگی جیسی کہ حضرت عبدالملک کی آرزو تھی
لائی۔ آج تک جبکہ سو برس آپ کی وفات پر گزر چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ایک
دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس میں آپ کی تعریف دنیا کے کسی نہ کسی کو نہ ہوئی ہو۔
عرش پر خدا، فرشتے پر انسان۔ آسمان پر فرشتے اور زمین پر جن دانس براہ
وہب انسان ہیں۔

میں کوئی سو درج اتنی آب و تاب سے نہیں چکا جتنا کہ آمنہ کا نور اور کوئی دستر
آنا وسیع و عریض نہیں پھیلا جتنا کہ محمدی ماٹھ۔ غرض کسی ہادی، کسی رسول اور کسی
کی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی کہ احمدی مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی ہو
ہے اور ہوتی رہے گی۔

مؤرخین نے اس تخلیق الاول کی پیدائش کے متعلق ایسے واقعات رکھے ہیں۔
معجزہ کا رنگ رکھتے تھے۔ مثلاً کسریٰ کے محل میں سخت زلزلہ آیا۔ یہاں تک کہ اس
چودہ لنگے سے ٹوٹ گئے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جو صدیوں سے برابر روشن چلا
تھا۔ دفعتاً بجھ گیا۔ اور چشمہ سادہ۔ بکلمت خشک ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سچ یہ ہے کہ۔ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم۔ شوکت روم۔ چین کے قصر باد
فلک بوس گر پڑے۔ آتش کدہ نہیں بلکہ تحیم و شہر آتشکدہ کفر اور آذر کدہ گمراہی
ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ شیرازہ جمہوریت بجھ گیا اور نصر
کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھوٹ گئے۔

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لُحی تھا۔ اس کا اہل نام ربیع بن حارث
عمرو بن لُحی نے چند بت شایموں سے مل کر کعبہ میں قائم کر دیئے۔ اور کعبہ چونکہ عرب
مركز تھا۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کعبہ کے حج پر آنے والا ہر شخص خاص و عام بت

لے۔ شبلی حصہ اول ص ۱۲۸

عادی ہو گیا۔

مؤرخین کے مطابق آپ کی پیدائش کے وقت تین سو ساٹھ بت کعبہ میں موجود تھے
یا قریب ہیمنوں کے لحاظ سے ہر دن کے لئے ایک علیحدہ بت تھا۔ اور عرب کا چہرہ
شرک میں مبتلا تھا۔ شرک کی نوبت یہ آچکی تھی کہ قریب تھا کہ آسمان پھٹ کر گر جائے
زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پیارا ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر جائیں۔ جیسے کہ
تعالیٰ سورہ مریم میں فرماتا ہے کہ:-

تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ تَخَذُ
الْجِبَالُ حُدُودًا ۝

(مریم: ۹۱)

چونکہ شرک بت پرستی صفات الہیہ اور فطرت صحیحہ کے خلاف ہے اس لئے
آسمان جوش سے پھٹ جائے گا اور زمین کا سینہ اندرونی جوش سے
چاک ہو جائے گا۔

ایسے وقت میں خدا تعالیٰ خاموش نہیں رہتا بلکہ اس کی صفت رحمانیت جوش
آتی ہے اور جس طرح ظاہری عالم میں بغیر مانگے کے اس نے ہزاروں ہزار نعمتیں
اگر دی ہیں۔ اسی طرح روحانی عالم کی نعماء سے نوازتا رہتا ہے اور کسی نجات دہندہ
پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ شرک کی جڑھٹ جائے۔

اب یہ ایک سچی آتنا بڑھ گیا کہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقدس گھر پر حملہ کر دیا تو ٹھیک
ان دن بعد خداوند عالم نے اس شرک کی بیج کٹی کرنے اور توحید کو پھیلانے کے لئے
پس یہ منظر اتم الوہیت شہ ۵ میں بردن سیر ۱۲ ربیع الاول ان پید اکرمہ شخصیتوں

کے لئے آیا جن کو کفار نے خدا بنا چھوڑا تھا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ۔



پہلی مضمون

حضرت حلیمہ سعدیہؓ سلامتی کے تہذیب کی پہلی رضاعت کا شرف اگرچہ ثور سے حاصل ہے جنہوں نے آپ کو چند دن دودھ پلایا تھا۔

اور حضرت حمزہؓ بھی آپ کی اس رضاعت میں شامل تھے۔ دونوں چچا بھتیجے ایک ہی وقت ایک ہی عورت ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی کا دودھ پیتے تھے۔ اس لئے وہ آپ کے چچا بھی اور رضائی بھائی بھی تھے۔ ثویبہ کے بعد تقریباً آٹھ یوم کے بعد ۲۸/۲۹ اپریل کو آپ کی مستقل رضاعت کی ذمہ داری حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ وہ وجود ہے جس کو قیامت تک نسلیں یاد رکھیں گی۔ جن کی گوہر حارث سے کہا۔ بیکار سے بیگار بھلی آمنہ کا بچہ ہی کیوں نہ لے آؤں؟ شفقت میں آپ نے پانچ برس بسر کئے تھے۔

مکہ کے شرفاء میں یہ دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلاتی تھیں بلکہ عام طور پر بچوں کو شہر سے باہر بدوی لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جنگل کی کھلی فضا میں بچے تندرست و توانا ہو جاتے تھے۔ اندھا بھی چونکہ بدوی لوگ عمدہ اور صاف بولتے تھے اس لئے بچے فصاحت و تندرست

زبان کے بھی ماہر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے اندر کے گاؤں کی عورتیں ایک خاص موسم میں مکہ میں جمع ہو جاتی تھیں۔ تاکہ امیروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس سال بھی کچھ عورتیں مکہ میں آئیں جن میں ایک دائی حلیمہ بھی تھی۔ حلیمہ کا خاندان غریب تھا۔ وہ قبیلہ بنو سعد کی ایک خاتون تھیں۔ اور کسی بچہ کی تلاش میں مکہ آئی تھیں۔ امیر گھروں میں وہ گئیں لیکن انہوں نے اپنے بچے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ یہ سمجھ کر کہ یہ غریب عورت ہے بچے کو اچھی طرح پال نہیں سکتی۔ حلیمہ

سارا دن مکہ کے گھروں میں پھرتی رہیں۔ اتفاق سے کوئی بچہ ان کو دیکھ نہیں آیا۔ ادھر قصود کا نساں پیارے آقا کی ماں بی بی آمنہ اپنے گھر کسی بچہ کی دایہ کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن کسی دایہ نے جھانکنا تک پسند نہ کیا۔ اس خیال سے کہ بیوہ کے بچے کا بدلہ کون دے گا۔

جب حلیمہ سارا دن مکہ کے ہر گھر سے دھتکاری گئی تو اس نے خیال کیا کہ اگر میں بچے کے دایہ کی تو بدنام ہو جاؤں گی۔ چونکہ عرب میں یتیم بچہ منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے وہ ایک یتیم بچے کو لے جانے میں خوش متعی ہی نہیں۔ ادھر آمنہ کے جب سنا کہ دیہات سے عورتیں آئی ہوئی ہیں۔ لیکن میرا بچہ دکل کا شہنشاہ، ہم غریب گھر میں ہی ہے تو آہ کھینچ کر رہ گئی۔ لیکن یہ آہ کام کر گئی۔ حلیمہ نے اپنے گھر کو ہر حارث سے کہا۔ بیکار سے بیگار بھلی آمنہ کا بچہ ہی کیوں نہ لے آؤں؟ رشت کی رضامندی پر حلیمہ دائی یتیم کو لینے آگئی۔ لیکن وہ کیا جانے کہ قیمت سے بچہ نہیں بنی نوع انسان کا سردار اور اقلیم روحانیت کا تاجدار مل رہا ہے۔ لہذا تو بچہ نہیں فوراً اپنے گھر لے جا رہی ہے۔

پس ساری دایوں کا رد کردہ بچہ اس دایہ نے لیا ہے جسے سب مکہ والوں نے رد کر دیا تھا۔ اور اس طرح وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ جو صحف سابقہ میں آپ کی تھی جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ پس حلیمہ نے بچہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ لولای لما خلقت الافلاک۔ تو موجودات کی علت غائی ہے اور سب سے پہلا نور ہے جو پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس نور کی برکت سے تمام چیزیں وجود میں آئیں اور اس میں ہر چیز کی بقا ہے۔

پانچ سال تک اپنے سایہ میں رکھا۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ حلیمہؓ کا نام شیماء تھا۔ اُن کو پیار سے محمدؐ سے بہت پیار تھا۔ وہی کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔

ہر چھٹے مہینے حضرت آمنہؓ کو بچہ دکھا آتی تھیں اور واپس لے آتی تھیں۔ اس ننھے کے دم کرم سے اُس کا گھر خیر و برکت سے موم پر لگایا تھا۔ دو برس کے دونوں میاں بیوی گھرائے کر لیا کریں۔ کیونکہ وہ بچہ بوجہ دستور وہ نہیں رکھتے۔ نہ واپس دے آنے کو طبیعت چاہتی تھی۔ صرف محبت و انس کی وجہ سے بہت حاصل ہے۔ یہ کہ دونوں انبیاء کو کفالت ماں سے نہیں ملی۔ بلکہ حضرت نہیں بلکہ اس رحمت و برکت کی وجہ سے جو اس گھر کے درو دیار سے ٹپکتی تھی۔ آپؐ پر درش پاکر بڑے ہو رہے تھے۔ کہ اچانک مکہ میں کچھ بیماریاں پھیل گئیں جن کی بناء پر حضرت آمنہؓ نے یہی پسند فرمایا کہ حلیمہؓ بچہ کو چند سال اور قبیلہ بولسا ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے ان کی بہن نے کوشش کے لڑکے بڑکیوں میں ہی کھیلنے رہنے دے۔ کیونکہ اس قبیلہ کی زبان خاص پر فصیح اور صاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اُمّی بھی تھے لیکن فصاحت و بلاغت میں آپؐ لاثانی تھے۔ حلیمہؓ سے رسولؐ پاک کو بہت انس تھا۔ آپؐ ہمیشہ انہیں توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ماں کا درجہ عطا کرتے تھے۔ جب ایک دفعہ آیت حلیمہؓ کو آتے دیکھا تو اپنی چادر کندھوں سے اتار کر نیچے بچھادی۔ اور اس پر حلیمہؓ سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ کا نبی احسان مند وجود تھا۔ وہ پانچ برسوں کا بدلہ جو بحیثیت مہار کے حلیمہؓ نے گزارا تھا۔ کسی احسان سے اتارے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ غزوہ حنین میں حلیمہؓ کی قوم کے افراد قید ہوئے۔ مجبور ہو کر حلیمہؓ کے بچوں کے پاس گئے۔ کہ جاؤ "محمد" رسول خدا کے ساتھ اور شام کو بکریاں واپس لے کر آجاتے تھے۔

اپنی قوم کی سفارش کر دے۔ محمدؐ رسول اللہ دیر تک انتظار کرتے رہے تھے۔ آخر آپؐ نے مجبور ہو کر فوجیوں میں مال غنیمت تقسیم کر دیا۔ صرف غلام دیئے۔ کہ حلیمہؓ کی ایک بچی آپؐ کے پاس سفارش لے کر آ گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا "میں نے تمہارا بہت انتظار کیا آخر تنگ آ کر مال تقسیم کر دیا۔ اب تم خود ہی پسند کر لو۔" یہی وہی ہے کہ آپؐ نے قوم سے مشورہ کر کے صاحبزادی تھیں جن کا نام شیماء تھا۔ اُن کو پیار سے محمدؐ سے بہت پیار تھا۔ وہی کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔

پانچ سال تک اپنے سایہ میں رکھا۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ حلیمہؓ کا نام شیماء تھا۔ اُن کو پیار سے محمدؐ سے بہت پیار تھا۔ وہی کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔

ہر چھٹے مہینے حضرت آمنہؓ کو بچہ دکھا آتی تھیں اور واپس لے آتی تھیں۔ اس ننھے کے دم کرم سے اُس کا گھر خیر و برکت سے موم پر لگایا تھا۔ دو برس کے دونوں میاں بیوی گھرائے کر لیا کریں۔ کیونکہ وہ بچہ بوجہ دستور وہ نہیں رکھتے۔ نہ واپس دے آنے کو طبیعت چاہتی تھی۔ صرف محبت و انس کی وجہ سے بہت حاصل ہے۔ یہ کہ دونوں انبیاء کو کفالت ماں سے نہیں ملی۔ بلکہ حضرت نہیں بلکہ اس رحمت و برکت کی وجہ سے جو اس گھر کے درو دیار سے ٹپکتی تھی۔ آپؐ پر درش پاکر بڑے ہو رہے تھے۔ کہ اچانک مکہ میں کچھ بیماریاں پھیل گئیں جن کی بناء پر حضرت آمنہؓ نے یہی پسند فرمایا کہ حلیمہؓ بچہ کو چند سال اور قبیلہ بولسا ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے ان کی بہن نے کوشش کے لڑکے بڑکیوں میں ہی کھیلنے رہنے دے۔ کیونکہ اس قبیلہ کی زبان خاص پر فصیح اور صاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اُمّی بھی تھے لیکن فصاحت و بلاغت میں آپؐ لاثانی تھے۔ حلیمہؓ سے رسولؐ پاک کو بہت انس تھا۔ آپؐ ہمیشہ انہیں توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ماں کا درجہ عطا کرتے تھے۔ جب ایک دفعہ آیت حلیمہؓ کو آتے دیکھا تو اپنی چادر کندھوں سے اتار کر نیچے بچھادی۔ اور اس پر حلیمہؓ سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ کا نبی احسان مند وجود تھا۔ وہ پانچ برسوں کا بدلہ جو بحیثیت مہار کے حلیمہؓ نے گزارا تھا۔ کسی احسان سے اتارے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ غزوہ حنین میں حلیمہؓ کی قوم کے افراد قید ہوئے۔ مجبور ہو کر حلیمہؓ کے بچوں کے پاس گئے۔ کہ جاؤ "محمد" رسول خدا کے ساتھ اور شام کو بکریاں واپس لے کر آجاتے تھے۔

آپؐ کی پہلی جرات

قبیلہ ہوازن میں حلیمہؓ سعدیہ کے گاؤں میں ہی جب محمدؐ معلم پانچ سال کے ہوئے تو ایک عجیب غریب واقعہ پیش آیا جس میں آپؐ نے عظیم جرات و دلیری کا ثبوت دیا۔ آپؐ دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں جایا کرتے تھے۔ صبح کو جاتے اور شام کو بکریاں واپس لے کر آجاتے تھے۔

ایک دن جب معمول گاؤں کے بچے جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ ڈاکو آن پڑے۔ جن کی خونناک شکلیں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر تمام بچے بدحواسی کے عالم میں گاؤں کی طرف بھاگے۔ صرف ایک بچہ ایسا تھا۔ جو نہ ڈرا اور نہ بھاگا۔ وہ بچہ ہمارا پیارا رسولؐ تھا۔

لشیر سے اس چھوٹے بچے کی موجودگی کا کیا خیال کرتے انہوں نے بکریاں اور چیلنے لگے۔ لیکن ننھا بچہ آگے بڑھا اور کہا کہ یہ بکریاں گاؤں والوں نے ہمارے بھیجی ہیں۔ تم پہلے گاؤں والوں سے اجازت لے لو۔ پھر ہمیں ساتھ لے جاؤ گاؤں کو ننھے کی بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آئی اور چل پڑے۔ وہ بچہ اچھے پریشان نہیں ہوا۔ بلکہ پھرتی سے آگے بڑھا۔ اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ کو بچے کی جرأت دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ انہوں نے کہا "ہٹ جاؤ اور ہمیں بکریاں جانے دو۔" بچے نے ننھے کندھوں پر بزرگ سر کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی نہیں"۔ مجھے مار ڈالو۔ اور بکریاں لے جانا۔ جب تک میں زندہ ہوں انکی کروں گا۔

ڈاکو بولا: بے شک سردار قریش کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ننھے میں تمہاری دبیری کی قدر کرتا ہوں۔ تمہاری خاطر تمہاری بکریاں چھوڑے جاتا سارا عرب تم پر فخر کرے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ ننھے نے جواب دیا "محمد"۔ ڈاکو بے ساختہ بولا محمد بے شک محمد عجیب اور کتنا پیارا نام ہے۔ ننھے سلام تم پر سلام۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

شق الصدر
سینے کا چیرنا

پہلے بار فرشتوں کا نزول

چونکہ آمنہ کالال مقصود کائنات تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں تخلیق کائنات سے پہلے اُس کا تصور تھا۔ اُس وقت بھی وہ "نور" موجود تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھا۔ لہذا فوری تھا کہ اس کی عظمت و رفعت میں بھی کیتائی ہوتی۔ دوسرے صفات الہیہ کے انعکاس کے لئے ایک نہایت صاف و شفاف اور وسیع آئینہ کی ضرورت تھی۔ چونکہ آپ مسک اعلیٰ و اتم۔ افضل و اصفیٰ تھے اس لئے خداوند عالم نے آپ کے سینہ کو اپنے نور سے مسح و معطر کرنے کے لئے آپ پر فرشتہ ابتدائی عمر میں ہی نازل فرما دیا۔ فرشتہ نے سینہ کو چاک کر کے اُس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے بھر دیا۔

ہوا یوں کہ آپ ابھی پانچ برس کے ہی تھے کہ ایک دن حلیمہ کے ملاں سے بھی بچوں کے ساتھ جنگل میں ٹھیلنے کے لئے گئے۔ کوئی بڑا آدمی پاس نہیں تھا۔ کھیل کے دوران اچانک دو سفید پوش آدمی نمودار ہوئے ان کی صورتیں بہت نورانی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی آپ کو پکڑ کر لٹا دیا۔ اور ایک تیز خنجر سے آپ کا سینہ چاک کر دیا۔ اور دل میں کسی چیز کی تلاش کر کے باہر پھینک دیا۔ اور دل کو باہر نکال کر ایک طشت میں رکھ کر نہایت شفاف پانی سے دھو دیا۔ دھوتے دھوتے جب دل چمک اٹھا تو اُسے سینہ کے اندر رکھ کر پھر جوڑ دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر بچے خوفزدہ ہو گئے اور بھاگ کر حلیمہ اور عمارت کو اطلاع دی۔ حلیمہ کے بچے عبد اللہ نے چونکہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے کانپ کانپ کر نڈھال ہو گیا۔ یہ واقعہ عبد اللہ کی زبانی سنتے ہی دونوں میاں بیوی بھاگے ہوئے آئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ ننھا محمد اکمل کھڑا ہے۔ حلیمہ نے بھاگ کر معصوم بچے کو سینہ سے

لگایا۔ اور پیشانی چوم کر ساری کیفیت دریافت کی۔ بیٹے نے سارا ماجرا من و عن بیان
اور کہا کہ وہ کوئی چیز میرے سینے میں سے تلاش کر رہے تھے۔ نہ تھا کیا جانے کہ وہ
اسے نہایت اعلیٰ درجہ کا صیقل شدہ آئینہ بنانے کے لئے نور کے پانی سے دھو
رہے تھے۔ چنانچہ حلیہ نے خیال کیا کہ نہ تو یہاں خون گرا دیکھائی دیتا ہے۔ نہ پانی اور
نہ کسی کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ ہونہ ہو یہ کسی جتن یا بھوت کا سایہ ہے۔
وہ آپ کو اپنے خیمہ میں لے گئیں۔ اور فوراً باہم مشورہ کیا کہ بچہ کو اس کی ماں
کے پاس چھوڑ آنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی کو ممتہ دیکھانے کے قابل نہ ہیں۔ اور
یہ جنات کا سایہ ہمارے لئے دائمی بے عزتی کا موجب بن جائے۔ گو آپ کی
جدائی ہم پر شاق ہے۔ لیکن اگر بچہ ضائع ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ وہ دہلتے ہوئے
دل اور کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ حضرت آمنہ کے پاس گئیں۔ اور تمام واقعہ
سنا کر کہا کہ شاید یہ جنات کا سایہ ہے جو رونما ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت آمنہ
مُسکرائیں اور فرمانے لگیں۔ ایسا خیال نہ کرو۔ میرا بچہ ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ
بڑی شان والا ہوگا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور
میرے بدن سے نکلا ہے جسکی شام کے محل روشن ہو گئے۔ اس لئے یہ
ما فوق العادت باتیں بھی اسی کی کڑی ہیں۔ اور امید ہے کہ میرا بچہ ہرگز ہرگز ضائع
نہیں ہوگا۔ اور نہ یہ واقعہ پریشانی کا موجب ہو سکتا ہے۔

سو یہ ہمارے آقا کا پہلا کشف تھا جو آپ نے پانچ برس کی عمر میں دیکھا
اور جو ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ دوسرے بچوں کو بھی نظر آگیا۔ حدیث شریف میں آتا
ہے کہ "بعض اوقات کشف اتنا اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کہ ارد گرد کے لوگوں کو بھی وہ
تفہیم کچھ نظر آجاتا ہے"۔ لہ

سو یہ کشف جسے شوق الصدق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ایسا ہی بلند درجہ
کا کشف تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجتہ البالغین لکھتے ہیں:-
"لیکن سینہ پاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت

انوار ملکیت کا رُوح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعکہ کا بچھ
جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے۔ اس کے قبول کیلئے طبیعت
کا آمادہ ہونا کشف ہے۔

پس شاہ دینی کا سینہ کھول دیا جانا ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس سے یہ
مُراد نہیں کہ خالی خالی سینہ دھو کر بند کر دیا۔ بلکہ اسکی یہی مقصود تھا۔ کہ آپ
کے سینہ سے وہ علم و عرفان کے چشے پھوٹیں گے اور ایسا ملکہ اور اک بخشا
جائے گا کہ آپ کا سینہ بمنزلہ زرخیز زمین کے ہو جائے گا۔ اور اس واقعہ
کی طرف "اَلَمْ تَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" میں اشارہ ہے۔ پس رسول
خدا کا سینہ بچپن میں ہی نیکوں کے لئے کھل گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ
اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور ساری
قوم سے آپ نے راستبازی کا خطاب لے لیا تھا۔ چونکہ آپ کا دل پہلے ہی پاک
تھا۔ اس کو دھونے سے یہ مقصود نہیں تھا کہ دل پر کوئی سیاہی یا آلائش تھی جو
صاف کرنی تھی۔ بلکہ اس کے یہ معنی تھے کہ نئی قابلیتیں اور نئی وسعتیں آپ
کے اندر پیدا کر دی گئیں۔ اور آپ میں اس قدر قوت برداشت پیدا ہو گئی
کہ دشمنوں سے سخت مقلبے اور سخت مظالم پر بھی آپ کے پائے استقلال
میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ سو یہ معجزات شوق الصدق کے ہی تھے۔ جو کئی اور
مدنی زندگی میں صبح و شام ظاہر ہوتے رہے +

قحط سالی میں بارش
کیلئے بعر نوسال

آپ کے پہلے دُعا

چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں بت پرستی اور شرک اپنے عروج پر تھا۔ اور خدا تعالیٰ مشرکین کو ان کے گناہوں کی سزائیں آسمانی اور زمینی آفات دے کر جھنجھوڑا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی قحط سالی اور کبھی بے مقصد جنگ و جدال اہل عرب کو بےزار کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی تقریباً ۴۹-۵۸ء میں عرب میں شدید قحط پڑا اور مکہ کی حالت ابرہہ کی حالت سے بھی زیادہ ترسناک ہو گئی۔ لوگ بارش کے قطرہ قطرہ کے لئے ترسنے لگے اور سخت پریشان و مضطرب ہو گئے۔

ان پریشان کن حالات میں حضرت ابوطالب کے دل میں اپنے ننھے بھتیجے کی بزرگی و معصومیت کا خیال آیا۔ کیونکہ آپ کی عادتیں بچپن ہی سے ایسی اعلیٰ و پاکیزہ تھیں کہ تمام عرب و اقارب آپ پر جان دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ابولہب جو بعد میں آپ کا بدترین دشمن ثابت ہوا۔ آپ کی ولادت پر اتنا خوش ہوا تھا کہ اُس نے اپنی اس لونڈی کو ہی آزاد کر دیا جو ولادت کی خوشخبری لے کر آئی تھی۔ اور حضرت ابوطالب کو تو اپنے مرحوم بھائی کی یاد کا کچھ حد سے زیادہ ہی عزیز تھی۔ وہ اپنے بیٹوں سے زیادہ آپ کی نگہداشت کرتے۔ ان کے دل میں اپنے بھتیجے کی پاکیزگی کا سکہ تو بیٹھا ہی ہوا تھا۔ جب مصائب کے وقت خدا نے ذوالجلال کو پکارنے کا وقت آیا تو محمدؐ یاد آگیا۔ بھتیجے کو بلایا اور کہا "میاں پانی کے بغیر ہم بے حد مضطرب ہیں۔ تمہارا دل معصوم اور زبان پاک ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری زندگی بڑی عجیب ہے۔ شہر والوں کو ساتھ لے چلو اور جنگل میں جا کر پانی کے لئے خدا تعالیٰ سے دُعا مانگو۔

بھتیجے نے کہا چچا! میں کیا اور میری دُعا کیا۔ یہ کام تو بڑے بزرگوں کا ہے میں تو

بچہ ہی ہوں۔ ہاں آپ کے حکم کی تعمیل سے مجھے انکار نہیں۔ چلیے! میں دُعا کرتا ہوں۔ آپ کا دل خلق خدا کے لئے بے چین پہلے ہی رہا کرتا تھا۔ آپ دُعا سے نجات پانے کی پہلی ہی پیشکش قبول کر لی اور فرمایا:-
"کیا عجیب اللہ تعالیٰ مجھ کمزور کی دُعا سن لے اور قحط دور ہو جائے۔"
چنانچہ آپ کی دُعا سے قحط سالی دور ہوئی اور اہل مکہ کے دلوں میں آپ کی عظمت بڑھ گئی۔

وفات حضرت آمنہ
۵۸ سال بظاہر ۵۸

پہلا غم

ننھے محمدؐ ابھی چھ سال کے ہی تھے کہ والدہ محترمہ کی وفات ہو گئی۔ آپ کو ابتدائی عمر میں ہی یہ پہلا غم پہنچا۔ جب آپ مکہ میں نہ تھے بلکہ اپنے ننہال اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کے ساتھ مدینہ گئے ہوئے تھے۔ چونکہ حضرت آمنہ کو مرحوم شوہر کا غم اتنا ہرا تھا کہ معصوم بیٹے کی پیدائش کے باوجود دور نہ ہو سکا۔ بلکہ جب بھی یتیم بچے پر نظر پڑتی تو طبیعت بے چین ہو کر مرحوم خاوند کی یاد سنانے لگتی۔ چنانچہ وہ اپنے تخت جگر کو جبکہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی ساتھ لے کر مدینہ چلی گئیں۔ تاکہ قبر کی زیارت کر آئیں۔ جو کہ مدینہ منورہ میں نابذہ کے مقام پر تھی۔ وہ ہر روز شوہر کے مزار پر جاتیں اور دیر تک وہاں بیٹھی رہتی تھیں۔ وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں انہوں نے تقریباً ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران میں محمدؐ صلعم نے تیراکی بھی سیکھ لی۔ آپ بعد میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے وہ زمانہ یاد ہے۔ جب بنی نجار کی گڑھی کے سامنے ہم کھلا کرتے تھے۔ گڑھی پر کوئی چڑیا آکر بیٹھتی تو اُسے اُڑانا ہمارا محبوب مشغلہ ہوتا تھا۔ ہم عمر لوگوں میں انسیدہ نام کی ایک لڑکی بھی شریک

رہا کرتی تھی۔ آپ اس تالاب کا بھی ذکر فرماتے تھے جس میں تیرا کی سبھی تھی۔ چنانچہ ایک کے قیام کے بعد واپسی پر ایک قافلہ کی معیت میں مکہ کی طرف چل پڑیں۔ لیکن جب قافلہ ابواء کے مقام پر پہنچا تو دفعۃً حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں۔ بیماری اس شدت کی آئی کہ زندگی کی آس تک جاتی رہی۔ آخر وہ وقت آگیا کہ اپنے خدا سے جا ملیں۔ آخری وقت میں انہوں نے مسرت سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو غم کی تصویر بنے کھڑا تھا۔ ماں نے اشارہ سے پاس بلایا تو بھاگ کر چھاتی سے جا چٹا۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے اور بیٹا بھی بے قابو ہو گیا۔ اور اُسی آن معصوم لال کو تنہا چھوڑ کر پردیس میں ہی داغ مفارقت دے گئیں اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئیں۔ یہ وہ پہلا صدمہ تھا جو آپ کو بہت چھوٹی عمر میں پہنچا۔ لیکن بعد میں جبکہ آپ نو برس کے تھے کہ دادا حضرت عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے تو چچا کی کفالت نصیب ہوئی۔ یہی وہ حالات تھے جو آقائے دو جہاں کو پیش آئے اور آپ کے دل کو اتنا حلیم اور نرم بنا گئے کہ آپ کسی کی وفات پر آنسوؤں کی عقیدت ضرور پیش فرماتے تھے۔ آپ کو یہ صدمہ اتنی چھوٹی عمر میں پہنچا کہ آپ بے پرسان حال ہو گئے۔ دوسرے جو حالات پیش آئے وہ یقیناً دل انداز مناظر پیش کرتے ہیں۔ کس طرح آپ ایک ماں کا ہمارا لے کر مکتے سے رخصت ہوتے ہیں۔ ماں کے سو اکوئی خونی قربت دار میلوں تک نظر نہیں آتا۔ ابواء کا جنگل ہے۔ ایسے میں چھ سال کی جان اپنی ماں کی نقش پر حیران و پریشان کھڑی ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور کسی مددگار کی انتظار کے بغیر یتیم لال ماں کو بھی الوداع کہہ رہا ہے۔ موت یہ کب سوچتی ہے کہ اس لڑکے کو حق صحراء میں غریب الوطن لال پر کیا نذر سے گی۔ موت جس جس بادشاہوں کی بھی کبھی رعایت نہیں کی۔ چھ سال کے بچے سے اس کا آخری سہارا چھین کر حسرتوں اور امنگوں کے صحراء میں چھوڑ گئی۔ پس یہ صدمہ حضور پر نور کو یتیم کی پوری پوری حالت میں پہنچا گیا تھا۔ اور آپ کی طبیعت پرستقل اور گہرا اثر ڈال گیا تھا۔ بے شک یہ ٹھیک ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی آپ رحمۃ للعالمین تھے مگر بظاہر اسباب کا بھی کچھ دخل تھا۔ اور

ان ظاہری اسباب کی بناء پر آپ کی طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ غرباء کے لئے محبت و ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو حسن اخلاق کا کسبہ بنایا تھا۔ لیکن مصیبت زدوں کے لئے غیر معمولی شفقت آپ کا امتیازی خلق تھا۔ چنانچہ زمانہ نبوت میں حضرت جعفر بن ابی طالب جب شہید ہوئے تو آپ بنفس نفیس خود حضرت جعفرؓ کے کھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو سلام کیا۔ اور کچھ بتائے بغیر بچوں کو شفقت اور پیار کرنے لگے۔ بچے کھیل رہے تھے ان کی خوشی محفوظ رکھتے ہوئے یہ غمزہ خبر زبان پر نہ لائے آپ پریم آنکھوں سے سب حال خود کہہ دیا اور حضرت جعفرؓ کی زوجہ بھانپ گئی اور پوچھنے پر آپ نے رقت بھری آواز میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر دی۔

پس بادشاہوں کا بادشاہ اس آسمان کے نیچے بے داروں کی سی زندگی بسر کرتا رہا۔ اگرچہ حضرت ابوطالب نے بچپن سے لے کر جوانی تک آپ کی نگہداشت نہایت دیانت اور خوبی سے کی۔ تاہم آپ کی زندگی میں یتیم کا تاثر تا دیر باقی رہا یتیم اور بیوہ کے لئے آپ کے دل میں ہم اور رحم پیدا ہوتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں آپ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بصرہ کے مقام پر درختوں سے
اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا

پہلا معجزہ - پہلا سفر

آپ کی عمر بارہ برس دو ماہ تھی۔ جبکہ مطابق تشریع آپ کا پہلا معجزہ بھوری آیا۔ (معجزہ کا لفظ نہ تو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی حدیث میں کہیں ملتا ہے) یہ ایک لفظ ہے جو نشاناتِ الہیہ کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایک طاقت کا اظہار کرتا ہے۔

معجزات کی کئی قسمیں ہیں۔ کچھ ہدایت دینے کے لئے اور لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور کچھ معجزے تقویتِ ایمان کے لئے ہوتے ہیں۔ ان میں رنج و غم کا پہلو پایا جاتا ہے۔

حضور کا پہلا معجزہ بھی بصری کے مقام پر درختوں اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا ایک خارقِ عادت معجزہ تھا۔ جو ہدایت دینے اور تقویتِ ایمان کے لئے تھا۔ ایک دفعہ رسولِ خدا کی انگلیوں کے درمیان سوراخوں سے پانی پھوٹ کر نکلا اور ایک ٹوٹا پانی کا بہت سے لوگوں کی ضروریات کے لئے پورا ہو گیا۔

مختور اس کا کھانا تھا جو بہت سے لوگوں نے کھایا۔ تو یہ اپنی اپنی جگہ معجزات ہیں۔ اور تائیدِ الہی کی مثالیں ہیں۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا۔ آپ محبت کے مقام پر فائز تھے۔ لہذا جب پہلا معجزہ رونما ہوا تو آپ ایک معصوم بچہ تھے۔ لیکن کی اس عمر میں آپ کے چچا ابوطالب بغرض تجارت شام کی طرف جا رہے تھے۔ آپ کا یہ پہلا سفر تھا۔

چونکہ قریش کا پیشہ تجارت تھا۔ اس لئے وہ ہر سال بغرض تجارت شام، فلسطین، مصر اور عراق قافلوں کی صورت میں جاتے تھے۔ تجارت میں اُدن اور

کھالیں ہوتی تھیں۔ سونا۔ چاندی تو ان کے لئے نہایت کم یا ب جنس تھا۔ تاہم ایک دوسرے کو ٹوٹ لینا وہ اپنا قومی حق تصور کرتے تھے۔ چونکہ قریش شروع سے ہی قابلِ عقلم خیال کئے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے۔ اس لئے تجارت میں بھی انہیں کچھ ہولتیں میسر تھیں۔ اگرچہ آپ کے چچا ابوطالب آپ کو ساتھ لے جانے کے لئے راضی نہ تھے۔ تاہم تنہا چھوڑ کر جانے سے بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ چنانچہ آپ روانگی کے وقت ابوطالب سے پیٹ گئے۔ اور آنسوؤں سے جانے کی خواہش ظاہر کی چونکہ ابوطالب کو آپ کی دل شکنی گوارا نہ تھی اس لئے آپ کو ساتھ لے لیا۔ اُدن پر آگے بھٹا کر روانہ ہو گئے۔

جب بصری پہنچے تو ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ بصری میں ایک خانقاہ تھی۔ جس کا راہب ایک عیسائی تھا۔ جب یہ قافلہ حضور کے بابرکت وجود کے ساتھ خانقاہ کے پاس پہنچا تو عیسائی راہب بجز جس کا اصل نام جرجیس تھا نے دیکھا کہ درخت اور تمام پتھر سجدہ میں گر گئے ہیں۔ اس نے جھٹ قیافہ لگایا کہ اس قافلہ میں وہ نبی ضرور موجود ہے۔ جس کی آمد کی خبر پہلے نوشتوں نے دے رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی دُور بین نگاہ سے آپ کو پہچان لیا۔ اور کہا "کہ یہ سید المرسلین ہے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جب قدر درخت اور پتھر تم سب سجدے کے لئے جھک گئے۔ حضرت ابوطالب کو سجدہ ریزی کی اطلاع دی گئی۔ اور نصیحتاً بھی آگاہ کیا۔ کہ ایک دقت آئے گا۔ آپ نبوت کا دعویٰ کریں گے اور دنیا آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے گی خصوصاً اہل کتاب۔ پس ایسے دقت میں آپ سے درخواست ہے۔ اہل کتاب کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔

بجز نے آگے بڑھ کر مطابق پیشگوئی جسمِ اہمیر یہ وہ نشان بھی دیکھا۔ یعنی آپ کی پشت مبارک پر دونوں شانوں کے درمیان جُبرِ نبوت۔ پختہ یقین کے ساتھ وہ مؤدب ہوا۔ اور کہا کہ سید المرسلین کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔

پہلا معاہدہ

حلف الفضولؓ

بعرہ ۵ سال ۸ ماہ جولائی ۵۸۶ھ

عرب قوم جن کا طرہ امتیاز ہی جنگ ہوا کرتا تھا۔ بات بات پر لڑنے مارنے پر آمادہ ہو جایا کرتے تھے۔ بڑی بڑی قسیمیں کھاتے اور قصاص کے بغیر سچے نہ پلٹتے تھے جنگجو قوم خنداں غیر مذہب بھی تھی۔ یہ وہی قوم ہے جسکی بچے ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیتے تھے اور بھیڑیے کا دودھ پی کر پلتے تھے جن میں ابن حجاج کی شخصیت نمایاں ہے۔ چنانچہ ایسی قوم جب کبھی قصاص کا موقع ملتا تو خون کے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھاتے کہ لڑکر مر جائیں گے مگر سچے نہ ہئیں گے۔ ایسی خصلتوں کی وجہ سے عرب کے لوگ سال کے بیشتر مہینے جنگ و جدال میں ہی گزارتے۔ جب مستقل جنگ و جدال نے ہزاروں کا صفایا کر دیا اور چاروں طرف موت دھاڑنے لگی تو کچھ صحیح الدماغ لوگ ان تباہیوں کے اسباب اور ردک تھام پر غور کرنے لگے۔ بنی قیس کو رمانی پڑی۔ اور انہوں نے قصاص سے دست بردار ہو کر خون بہا پر اکتفا کر لیا۔ اور صلح کر لی۔ یہی ابن پسندی کا پہلا قدم تھا۔ بعض اشخاص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ باہم مل کر یہ عہد کیا جاوے کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ اور ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور قوی کو ضعیف پر ہاتھ اٹھانے سے باز رکھیں گے۔ چنانچہ کچھ ذی اثر اور صاحب اقتدار لوگ اتفاق سے جن کے نام فضل سے شروع ہوتے ہیں، آگے بڑھے اور ایک انجمن بنائی۔ جسکے مبروں نے قسیمیں کھائیں اور ظلم کے خلاف ایک مستقل تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک کے محرکوں کے نام درج ذیل ہیں:-

فضیل بن حارث۔ فضل بن دواعہ۔ مفضل بن فضالہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تحریک چند نکات پر مشتمل تھی۔ اور وہ یہ ہیں:-
۱۔ وہ مظلوموں کی مدد کریں گے اور ان کے حق ان کو دلایں گے۔ جب تک کہ سمندر میں ایک قطرہ پانی کا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے تو وہ خود اپنے پاس سے مظلوم کا حق دیں گے۔

۲۔ ہمارے بھائیوں کیلئے جہاد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس حلف کو از سر نو تازہ کیا جاوے۔ چنانچہ ان کی تحریک پر عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر سب نے یہ قسم کھائی کہ مظلوموں کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ حضرت بنی کریم بھی اس موقع پر موجود تھے اور شریک معاہدہ تھے۔

باقی افراد تو وقت کے ساتھ ساتھ اس معاہدہ سے بے نیاز ہو گئے۔ لیکن سردرکاشات ہمیشہ پہلے معاہدہ پر قائم رہے اور اس کی قطعی پاسداری فرمائی۔ ایک دفعہ صحابہ کرام نے دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”یہ تحریک جو مظلوموں کی امداد کے لئے تھی اور غریبوں کے حقوق کے لئے جاری کی گئی تھی۔ مجھے ایسی پیاری بھئی کہ اگر آج بھی کوئی شخص مجھے اس کی طرف بلائے تو میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔ گویا غریبوں کی امداد کے لئے دوسروں کی ماتحتی بھی آپ کو قبول تھی۔ ایک دفعہ بعد از نبوت کا واقعہ ہے کہ آپ کے سب سے زیادہ مخالفت ابو جہل نے (جس نے مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور جس کی روحانیت مردہ ہو چکی تھی) کسی سے قرضہ لے رکھا تھا۔ اور قرض خواہ کو تنگ کرتا تھا اور قرض کی ادائیگی سے صاف انکار کر چکا تھا۔ شریوں کو حضرت رسول خدا کو تنگ کرنے کے لئے بہانہ درکار تھا۔ اس شخص کو محمد رسول اللہ کے پاس حلف الفضول کے مطابق امداد لینے کے لئے روانہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ابو جہل کی خصوصی مخالفت کی بناء پر معاونت سے انکار کر دیں گے تو تحریک حلف الفضول کے خلاف جائیں گے۔ اور اگر ہمت کر کے ابو جہل کے گھر حق دلوانے جائیں گے اور وہ ذلیل کر کے گھر سے نکال دے گا تو قسم کا ایک اور موقع ہاتھ لگے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ

کے سچے نبی کی حفاظت پر خدا تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔ جو آپ کو ہر کس و ناکس بچاتے ہیں۔ اسی طرح جب ابو جہل کے خلاف شکایت لے کر وہ شخص آیا تو اسے مظلوم کا حق دلوانے کے لئے بلا تامل اس کے ساتھ چل دیئے۔ اور ابو جہل کے دروازے پر دستک دے دی۔ ابو جہل جب باہر آیا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ رسول خدا خود قرض خواہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آپ نے اس کو توجہ دلائی کہ: ”تم نے اس شخص کا حق دینا ہے۔ ادا کرو۔“

ابو جہل نے بلا چون و چرا اس کا حق دے دیا۔ اور جب شہر کے دوسرے رؤساء ابو جہل کو ملامت کی کہ بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ذلیل کرنے کے تم نے اس عورت قائم کر دی۔ تو ابو جہل نے کہا:۔

”خدا کی قسم اگر تم میری جگہ ہوتے تو یہی کرتے۔ میں نے دیکھا کہ محمد کے دائیں، بائیں دوست اڈٹ کھڑے ہیں۔ جو میری گردن مروڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں عبوراً بلا حیل و حجت حق دینے پر رضا مند ہو گیا۔“

طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ عبد اللہ بن جعدان کے معاہدہ کے وقت میں موجود تھا۔ اس کے معاوضہ میں بہت سے سرخ و زر کے ملنے کو بھی میں پسند نہ کروں گا۔ اگر اس معاہدہ کی رو سے اسلام میں بھی کوئی مجھے ہار تو اسے ضرور قبول کروں گا۔

پس اس طرح ہر معاملہ میں حلف الفضول کی تحریک پر آپ تاحیات عمل فرما رہے۔ پندرہ سال کی عمر میں غریب اور مظلوموں کی آواز پر لبیک کہنے والا وجودِ رحمتہ للعالمین ہے۔

سید ولدِ آدم کے پہلے بیوی

حضرت خدیجہ بنت ابی لہب

نبیلہ کی بیٹی حضرت خدیجہؓ وہ پہلی مسلمان عورت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کی اُمّ المؤمنین قرار دیا۔ ان کی نسل کو قیامت تک کے لئے مومن و معزز بنا دیا۔ وہ اتنی خوش نصیب عورت تھیں کہ جب خدا کے رسولؐ کے عقد میں آئیں تو ایک صاحب جمال مالدار بیوہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن جب ایک غریب نوجوان صادق و امین کی رفاقت میں رہیں تو انوار کا ایک مجسمہ بن گئیں۔ آپ کے چلتے ہوئے انوار سے جو غیر معمولی انعامات انہیں نصیب ہوئے ان میں سے ایک یہ شرف بھی ہے کہ سادات کی نسل آپ سے جاری ہو گئی۔

حضرت خدیجہؓ جن کا لقب طاہرہ تھا۔ قحطی بن کلاب کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے والد نبیلہ ضعیفی کے باعث جب محنت کے قابل نہ رہے اور تجارت کے بکھیر پڑوں سے گھبرا گئے تو تمام دنیا کے کاروبار حضرت خدیجہؓ کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے اور اس طرح حضرت خدیجہؓ بہت مشہور تاجرہ بن گئیں تھیں۔ ان کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ پہلے پہل یہ شریف النفس عرب کی تاجرہ اپنا مال رسول خدا کو بغرض تجارت دیتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ نفع انہیں ہوتا تھا۔ اگر کسی چیز میں نقص ہوتا تھا تو آپ خود ہی اس کو ظاہر کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ گاہک تلاش کر کے آپ سے ہی مال خریدتا، اسی طرح کی تجارت میں جب آپ کی غیر معمولی دیانتداری اور برکت سے بہت فائدہ ہوا۔ تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر خود ہی آپ کو نکاح کا پیغام پہنچا دیا۔

نفیسہ ایک قابل اعتماد لونڈی تھی۔ جو یہ پیغام لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ اور کہنے لگی۔ میان! شاہی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟۔ جتنی عمر آپ کی ہے اتنی عمر میں لوگ کتنی بچوں کے باپ ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "بات یہ ہے کہ میں غریب آدمی ہوں کون مجھے بیٹی دے گا۔"

نفیسہ نے سُن کر کہا۔ "میاں کسی دولت مند سے شادی کر لو۔" آپ نے ہنس کر فرمایا۔ مجھ غریب کو کوئی امیر اپنی بیٹی کیوں دے گا؟۔ نفیسہ نے جب اپنی مالک کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضرت خدیجہ کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے اپنے چچا کی رائے تک انتظار کرنے کو کہا۔ اور چچا کی اجازت کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

یہ تقریب مبارک حضور سے دو دنوں میں عمل میں آگئی۔ اور پانچ سو درہم مہر پر حضرت ابوطالب نے آپ کا نکاح پڑھا دیا۔ آپ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ چالیس کی تھیں۔ یہ شادی پاکیزگی اور طہارت کی بہترین مثال تھی۔ جو حسن نیت کے نتیجے میں انتہائی طور پر بابرکت ثابت ہوئی۔

پہلی مسلمان عورت حضرت خدیجہ نے اپنی ساری عمر اپنے عظیم المرتبت شوہر کی خدمت میں گزار دی۔ اور اس میں فخر محسوس کیا۔ کہ اپنا مال و جان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کر دیا جائے۔ ان کی قربانی بھی حقیقی تھی۔ اول جب بیاہ کر آئیں۔ تو اپنی دُوراندیشی سے اندازہ لگا لیا۔ کہ مال و متاع اپنے رفیق حیات کے قدروں میں دال دینے میں ہی سعادت مندی ہے۔ اس طرح انہیں قربانی کا موقع ملا۔ اور رسول خدا نے وہ تمام مال لے کر حاکمیتوں اور غرباء میں تقسیم کر دیا۔ اور تمام غلام آزاد کر دیئے۔

حضرت خدیجہ حق الیقین کے ساتھ اس حقیقت تک پہنچ گئیں کہ میرے شوہر گناہ سے اتنے دُور ہیں جیسے مشرق سے مغرب۔ چنانچہ ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ حضور کے سرِ درگرم زمانہ میں جان و مال سے ساتھ دیا۔ غارِ حرا میں حضور کو

کھانا آپ ہی پہنچایا کرتی تھیں۔ حلم و صبر کا پیکر تھیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور سے کہا۔ "خدیجہ برتن میں کچھ لارہی ہیں۔ ان کو خدا تعالیٰ کا اور میرا سلام پہنچا دیں۔"

تبَّحْنِ اللہ! یہ اُم فاطمہ نہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کا سلام آیا ہے۔ آپ نے نکاح کے پچیس برس بعد ارمضان المبارک سلمہ نبوی کی ہجرت سے تین سال قبل انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھیانوے سال تھی۔ نماز جنازہ چونکہ ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس لئے بغیر جنازہ دفن کر دی گئیں۔ محدثین حضور نے خود اتارا تھا۔

شعب ابی طالب میں متواتر تین سال کی سختیاں ان کی نحیف و نازک طبیعت برداشت نہ کر سکی اور مکہ کی متحول ترین عورت مصائب اور حرارت کے ان ایام میں صبر آزمائیاں سے گزرتے ہوئے اس حال کو پہنچ گئیں کہ چند دن بعد اپنی بیان خدا تعالیٰ کے سپرد کر دی۔ اور اپنے محبوب آقا کو تنہا چھوڑ گئیں۔ اس طرح ربیع صدف کے بعد یہ پیار و محبت۔ ایثار و قربانی کا پیوند خدا تعالیٰ کے حکم سے ٹوٹ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

خدا کے رسول کو حضرت خدیجہ سے بے حد پیار تھا۔ کہ وفات کے کئی سال بعد ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالا آپ سے ملنے آئیں۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ہالا کی آواز چونکہ اپنی بہن خدیجہ جیسی تھی۔ اس لئے آپ کے کان میں پڑے ہی آپ بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "آہ میرے خدایہ تو خدیجہ کی آواز معلوم ہوتی ہے۔"

سرور کائنات کے پیار کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضرت خدیجہ کا ذکر آتا آپ کی آنکھیں دُب دُبا جاتیں۔

جنگِ بدر میں جب رسول خدا کے داماد ابوالواس (جو ابھی مشرک تھے) قید ہو کر آئے تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے فدیہ کے طور پر اپنے گلے کا مارا تا کہ صحیح دیا۔ یہ وہ مار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو حمیز میں دیا تھا۔ خدا کے رسول

نے اس بار کو دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں۔ آپ کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔
 نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ اگر چاہو تو خدیجہؓ کی یادگار اس کی بیٹی کے پاس محفوظ رہنے دو۔
 صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس کے زیادہ ہمارے لئے کیا خوشی ہے کہ وہ
 واپس کر دیا جائے۔

حضرت ام المؤمنین خدیجہؓ کی قربانیوں کا اثر آپ کی طبیعت پر اتنا تھا کہ آپ
 کی نیکیوں کا ذکر اپنی دوسری بیویوں کے سامنے فرماتے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ
 فرماتی ہیں۔ "یا رسول اللہ! آپ اس بوڑھی عورت کا ذکر کرتے ہیں کہ مجھے رشک آ
 لگتا ہے" آپ نے فرمایا: عائشہ! اس نے مجھے اس وقت قبول کیا جب لوگوں نے
 مجھے ترک کر دیا تھا اور اس وقت سہارا دیا جب کوئی میرا پرسان حال نہ تھا۔
 اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک عظیم احسان ہے کہ ابراہیمؑ کے سوا جو حضرت ماریہؑ کے بطور
 سے پیدا ہوئے تھے۔ رسول خدا کی باقی اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی
 آپ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے چاروں بیٹیاں حضرت زینبؓ
 حضرت ام کلثومؓ حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں۔
 الغرض وہ آپ کی پہلی بیوی ام المؤمنین بہت غلیظہ تھیں۔ جن کے لئے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

"ہیں خدا کی قسم نہیں۔ مجھے اس بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اس
 وقت ایمان لائیں۔ جب سب کافر تھے۔ انہوں نے میری اس
 وقت تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا۔ اس نے اس وقت مال
 سے میری مدد کی جب..... اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس
 اولاد دی"۔

۱۔ سیر الخلیبہ جلد ۲ ص ۲۱۵ ۲۔ حیات رسالت مآب ص ۲۱۵

پہلا خطاب

صادقہ و امیرہ

هَذَا اَلْاَمِيْنُ رَضِيْنَا هَذَا اَمَحْمَدُ اَمِيْنُ۔ اَمِيْنُ

یہ وہ الفاظ تھے جو ایک بہادر جنگجو قوم نے چلا کر یک زبان ہو کر کہے۔ یہ وہ
 خطاب ہے جس سے اہل مکہ نے ایک غریب لوجوان مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کو نوازا۔ جبکہ وہ عمر کے اس حصہ میں تھا جس میں لوگ عموماً راستبازی اور صدق
 کو برائے نام ہی جانتے تھے۔ لیکن یہ لوجوان وہ تھا جسکی صداقتوں کو ماننا اور
 ان پر عمل کیا۔ صرف یہی نہیں کہ سچ ٹھیک ہے۔ بلکہ سچ بولا بھی۔ یہی نہیں کہ
 امانت اچھی بات ہے بلکہ اَمِيْن بن کر دکھایا بھی۔ ساری قوم نے اس شخص کو
 بلا شک و شبہ اَمِيْن قرار دیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اُس کی اصلی جگہ پر
 رکھنے کے متعلق قبائل قریش میں شدید اختلاف تھا۔ اور ہر ایک مرنے مارنے
 پر آمادہ تھا۔ اُسی اَمِيْن لوجوان کو جھگڑا نپٹانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب
 لوگوں نے اُسے آتے دیکھا تو بے ساختہ بولے۔ هَذَا اَمِيْنُ رَضِيْنَا هَذَا اَمَحْمَدُ
 اَمِيْنُ اَمِيْنُ۔ آپ نے تمام سرداران سے کہا کہ چادر کے کونے اٹھا کر
 حجر اسود کو اپنی جگہ پر لے جائیں۔ جب چادر دیوار کے اس مقام تک پہنچ گئی تو حجر
 بنو ہاشم نے اپنے دست مبارک سے پتھر کو اٹھایا اور اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پس حجر
 اسود کے متعلق حکم بن کر پہلا پبلک فیصلہ اس بات کی دلیل تھا کہ نبوت کی عمارت کے
 کونے کا پتھر آپ کے وجود سے اپنی جگہ پر قائم ہوگا۔ اور اس عظیم الشان فیصلے سے
 آپ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی تسلیم ہو گئی۔

اس مقدس انسان نے نہ کبھی جھوٹ بولا۔ نہ کبھی کوئی لغو کام کیا۔ اس کا معاملہ
 ہمیشہ کھرا ہوتا۔ جب آپ کسی سے سودا کرتے تو خوش اسلوبی سے اور جب کسی پر

ظلم ہوتا دیکھتے تو قن بن۔ جن سے مظلوموں کی مدد کرتے۔ جس کا حق ناحق چھینا گیا اس کا حق دلواتے۔ امانت و دیانت کا مکہ لوگوں کے دلوں پر بچپن سے ہی جم چکا تھا۔ لوگ آپ کو مقدس و بزرگ سچے تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو دعا کیلئے قوم نے استدعا کی تھی۔ آپ کا مقام سچائی میں اس قدر بلند تھا کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام حیدرِ یق رکھ دیا تھا۔ آپ کی صداقت کے متعلق ایک بدترین دشمن کی گواہی بھی موجود ہے۔ اہل مکہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حج کے موقع پر لوگ جمع ہوں گے تو عین ممکن ہے کہ آپ ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ اس طرح وہ آپ سے بدظن کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔ کسی نے کہا: "یہ شاعر ہے کسی نے کہا: "یہ مجنون ہے" لیکن ایک نے کہا کہ ہم کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان میں سے ایک مخالف نصر بن حارث بڑے جوش سے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا: مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، تمہارے درمیان جوان ہوا۔ اس کے اخلاص و تم سے اچھے تھے۔ وہ تم سب سے زیادہ راست باز تھا۔ وہ تم سب سے زیادہ امین تھا۔ مگر جب تم نے اس کی کنپٹیوں میں سفید بال دیکھے اور وہ تمہارے پاس وہ تعلیم لے کر آیا جس کا تم انکار کر رہے ہو تو تم نے کہہ دیا کہ وہ جھوٹا ہے "خدا کی قسم وہ ہرگز جھوٹا نہیں" یہ بھی گواہی جو نصر بن حارث نے آپ کی صداقت پر دی۔

پس وہ شخص اخلاقِ حسنہ کا منبع تھا۔ اپنے تجارت کے پیشہ میں بھی امتیازی طور پر سب پر عادی ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت غدیرؓ نے آپ کی امانت و دیانت سے متاثر ہو کر خود رشتہ کی فرمائش کی۔ آپ صداقت و امانت کے اتنے اعلیٰ مقام پر کھڑے تھے کہ آپ نے جب ایک دفعہ پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے نیچے ایک بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم یقین کر لو گے؟۔ سب نے کہا: ہاں ہم مان لیں گے۔ ایسی حالت میں آپ کی بات ماننے کے صاف معنی ہیں کہ وہ اپنی

آنکھوں کو جھوٹا خیال کرتے۔ حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی لشکر نہیں ہے۔ لیکن وہ سب اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھنے کے لئے تیار تھے۔ مگر دعویٰ بالمشاء آپ کو جھوٹا خیال کرنا ناممکن تھا۔ آپ نے فرمایا:۔
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُوًّا قَبْلَہٗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۙ
کہ میں نے تم میں ایک مہی عمر گزاری ہے۔ کیا اس وقت میری پاکی۔ میری نیکی۔ میری دیانت کے متعلق تمہیں کوئی شبہ ہوا؟

اور اب جب میں نے اپنی جوانی ایسی پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ تمہارے اندر گزاری ہے۔ تو کیا میں اب بوڑھا ہو کر خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولوں گا؟ کیا تم میں اتنی معمولی بات کے سمجھنے کی عقل نہیں۔

پس آپ صادق القول اور صادق العمل تھے۔ اور وہ خطاب جو قوم نے جوانی میں دیئے وہی حقیقی خطاب تھے۔ اور وہی آپ کی حقیقت تھی کیونکہ آپ تو اخلاقِ حسنہ کا منبع تھے۔ اور آپ کا سینہ تو بچپن میں ہی نیکیوں کے لئے کھل گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور ساری قوم سے راستبازی کا خطاب وصول کر چکے تھے۔

۲۵۹۲

پہلا سبک فیصلہ

حجر اسود کا نصب کرنا بعرہ سال

خانہ کعبہ کی عمارت بوجہ سیلاب بہت حد تک شکستہ ہو گئی تھی۔ اور کچھ حصہ قریب تھا کہ گر جائے۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ خانہ کعبہ کو سمار و تباہ ہونے سے بچانے کے لئے ضروری تعمیر و مرمت کر لینی چاہیے۔ لیکن کعبہ کو مقدس عمارت خیال کرتے ہوئے ڈھانے کے لئے تیار کوئی نہ تھا۔ اور سب کا عقیدہ تھا کہ جو بھی خانہ کعبہ کو ڈھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے اس فرسودہ عقیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی آگے بڑھ کر اس کام کو شروع نہیں کرتا تھا۔

حضرت خالد سیف اللہ کے والد ولید بن مغیرہ نے جو کہ قریش کے معزز سردار تھے آگے بڑھ کر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ چونکہ وہ بہت زیادہ بوڑھے تھے۔ ان کی رضا کارانہ دلیری دیکھ کر سب خوش ہوئے چنانچہ عمارت کو ڈھانے کا کام مکمل ہو گیا۔ تو قریش مکہ نے مل کر ساری عمارت نئی بنیادوں پر متوازی کی۔ تمام سرداران قریش اور معزز شہری اس کام کو مقدس خیال کرتے ہوئے اس کی تعمیر کی سعادت میں حصہ لیتے رہے۔ جب حجر اسود کو اپنی اصلی جگہ پر نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ اب ہر قبیلہ یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا کہ حجر اسود کو وہ نصب کرے۔ ہر سردار نے کہا کہ اس متبرک پتھر کو میں اس کی جگہ نصب کروں گا۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ یہ اعزاز مجھ سے چھین لے۔ پس پھر کیا تھا۔ ہر قبیلہ شیر کی طرح پھیر گیا۔ اور جہاں سرداران مکہ کے ہاتھ عمارتی پتھر پر تھے وہ ان کی آن میں تلوار بکھٹ ہو گئے۔ ہر قبیلہ بھول گیا کہ اس نے حلف الفضول پر دستخط کئے ہیں۔ اور اس غظیم معاہدہ میں شمولیت کوئی معنی نہ رکھتی

تھی۔ آج وہ جنگجو آزاد غیر مہذب قوم پھر فحل سے باہر آگئی۔ جو حلف الفضول نے ان پر رنگ چڑھا یا تھا پسپا لے میں خون بھر کر انگلیاں ڈبوئے کا منظر پیش کرنے لگی۔ اور نبیوں نے قسمیں کھائیں یا تو اپنا حق لیں گے یا ہمارا بچہ بچہ کٹ کر مر جائیگا۔ بنی عدی بن کعب بن لوی نے سب سے پہلے عہد کیا چنانچہ ان کا نام "نقطة الدم" بنی خون چاٹنے والا رکھ دیا گیا۔

قریب تھا کہ کعبہ کی بنیادیں لاشوں سے پٹ جاتیں اور دیواریں خون سے رنگیں ہو جاتیں۔ لیکن ابواثمہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص کل صبح سویرے خانہ کعبہ میں سکے پہلے داخل ہوگا وہی اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حقدار ہے۔ اور اس کا فیصلہ سب کو قبول کرنا پڑے گا۔ سب ہی اس تجویز پر متفق ہو گئے اور کل صبح کا یہ جینی سے انتظار کرنے لگے۔ تصرف الہی دیکھتے سب سے پہلا شخص جو خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ عبد المطلب سردار قریش کا پوتا اور ابوطالب کا بھتیجا امین و صادق محمدؐ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سب بے ساختہ بول اُٹھے۔ "یہ صادق ہے۔ یہ امین ہے۔" ہمیں اس کا فیصلہ منظور ہے۔ آپ کو آج ساری قوم نے بلا شک و شبہ امین قرار دیا اور منصف جان کر تمام باہمی اختلافات شاکر فیصلہ کے منتظر ہو گئے۔ ہذا الامینون و عیننا هذا امحمد۔۔۔۔۔ امینون امینون کہہ انہوں نے اپنا تمام تر حق اس نوجوان امین کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ مرد کامل آگے بڑھا اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ دیا کہ یہ چادر ہے تمام سرداران قریش چادر کے کونے پکڑ کر حجر اسود کو اپنی اصلی جگہ لے جائیں جہاں نصب کرنا ہے۔ جب تمام سردار اُسے دیوار کے اس مقام تک لے گئے جہاں نصب کرنا تھا۔ تو غیر بنو ہاشم نے اپنے دست مبارک سے پتھر اٹھایا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پس آج سب کو انصاف دیکر جنگ سے بچانے والے مدیق نے منصف اعلیٰ بن کر سب کو پہلا فیصلہ دیا۔ اور اسی پہلے فیصلے سے آپ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی مسلم ہو گئی۔

آپے کا پہلا دوست

حضرت ابو بکرؓ عبد اللہ بن حبشہ

بچپن سے لے کر جوانی تک ہم آپ کو دوست کے لحاظ سے دیکھتے ہیں تو آپ کا حال احباب جنت ہی مختصر ہے۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت تنہائی پسند تھی اور جلوہ کی بجائے خلوت کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ اگر کسی میں کمزوری ہوتی تھی تو اس کو عدلیگی کے ساتھ پردہ پوشی سے نصیحت فرماتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ خدا کے رسولؐ نے فرمایا:-

ایک دوست اور نیک مجلس نیز بد دوست اور بد مجلس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص مشک اٹھائے پھر رہا ہو۔ مشک اٹھانے والا اس کو کھائے گا تو بھی فائدہ اٹھائے گا۔ اور اگر رکھ چھوڑے تو بھی خوشبو حاصل کرے گا۔ جسک ہم مجلس بد ہوں گے اس کی مثال ایسے ہے جیسے بھٹی کی آگ میں پھونک مارتا۔ وہ اتنی ہی امید رکھ سکتا ہے کہ کوئی چنگاری اڑ کر اس کے کپڑوں کو جلا دے یا کوئلوں کی بدبو اس کا دماغ خراب کرے۔

مکروے سب راگ و رنگ کے دلدادہ تھے اور شاعری کو تو خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ گویا وہ ذی لیدر خیال کئے جاتے تھے۔ لوگ مشاعروں میں جانا فخر کی علامت خیال کیا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے اوقات شعر و سخن کی محفلوں میں گزارتے تھے۔ لیکن مقدس نوجوان بیت ان محفلوں سے بیزاری کا اظہار فرماتا تھا۔

یہ شغفوں سے ابدی نفرت آپ کو غار حرا میں لے گئی۔ تاہم انسانی زندگی میں کچھ دوست و احباب کی رفاقت ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نوجوان محمدؐ کا دوست اچھا اور پہلا حضرت ابو بکرؓ تھے۔ یعنی عبد اللہ بن قحاضہ جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے۔

دوسرے دوست حزن بن حکیم تھے جو حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ قریش کے بہت معزز انسان تھے۔ حرم کا منصب افادہ انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے۔ اور مخیر طبیعت کے مالک تھے۔ امیر معاویہ کے پاس دارالندوہ پہنچ کر ساری رقم خیرات کر دی۔

بچپن کا یہ پہلا دوست وہ پہلا آدمی ہے جو بغیر تشریح و تفصیل کے نبوت کی تصدیق کر کے صدیق کا لقب پا گیا۔ آپ نے بعثت کے بعد اپنے بچپن کے دوست کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے کچھ تشریح و وحی کرنا چاہی تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا: "کیا آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں؟ اس سوال کا جواب دیجئے اور کچھ نہ کہئے۔ جب آپ نے اثبات میں جواب دیا تو ابو بکرؓ نے کہا: "گواہ رہئے میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ یا رسول اللہ آپ تو دلیل دے کہ میرے ایمان کو کمزور کرنے لگے تھے۔

"آج حضرت ابو بکرؓ پہلے مسلمان مرد آپ کے زیر سایہ آگئے اور سلمہؓ طور پر مقدمہ اور سابق الامان قرار پائے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے یار غار بھی بنایا۔ نامساعد حالات نے جہاں بھی طول کھینچی حضرت ابو بکرؓ رسول خدا کے ساتھ سایہ کی طرح نظر آئے۔ صدیق دوست نے جب مالی قربانی کا وقت آیا تو سارا مال لاکر اپنے آقا کے حضور ڈھیر کر دیا۔ اور فخر سے گردن جھکا کر یہی کہا کہ میرے آقا! میرے گھر میں باقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا نام ہے جو میرے خاندان کے لئے کافی ہے۔"

جب جسمانی قربانی کی ضرورت پڑی تو سانپ جیسے موزی کے ڈسنے پر بھی حرکت نہ کی کہ میرا پیارا دوست بے آرام ہوگا۔ آپ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں شروع شروع میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ ایسے جلیل القدر اور عالی مرتبہ اصحابؓ بن گئے کہ چوٹی کے صحابہؓ انہیں شمار ہونے لگے۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ بن عفان جو بعد میں خلیفہ ثالثؓ ہوئے

عبدالرحمان بن عوف - سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن العوام یہ سب عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ جنہیں حضور نبی پاک نے اپنی زبان مبارک سے ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور آخر میں نہایت جامع اور مکمل عبارت پر اس باب کو ختم کرتے ہیں کہ:-
”حضرت ابو بکرؓ عارف کامل عاۃ حلیم اور فطرتاً رحیم تھے۔ خاکساری اور انکساری ان کا شیوہ تھا۔ عفو اور شفقت و رافت ان کا معمول تھا۔

اور آپؐ کی پیشانی سے نور ٹپکتا تھا۔ آپؐ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ان کی روح آپؐ کی روح سے متحد ہو چکی تھی اور ان پر انہی انوار کا نزول ہوتا تھا جو رسول پاکؐ کے شامل حال تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و فیوض عظیمہ ان پر محیط تھے۔ نعم قرآن اور محبت نبویؐ میں انہیں سب لوگوں سے ممتاز طور پر حصہ وافر ملا تھا۔ جب عشق حقیقی آپؐ کے رنگ و ریشہ میں اور ہر ذرہ وجود میں جاگزیں ہو گیا۔ اور اس کے انوار آپؐ کے افعال و اقوال، نشست و درخواست میں نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ تو آپؐ کو صدیق کا نام دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں صدق آپؐ کی فطرت میں داخل ہو گیا۔ اور حق تو یہ ہے کہ آپؐ کا دھجہ کتاب نبوت کا ایک اجمالی نسخہ تھا۔ اور آپؐ ارباب فضل و کمال کے پیشوا اور انبیاء کی پاک سرشت سے بہرہ یاب تھے۔“

20/10/91

پہلی عبادت گاہ

عنار حرا

چھٹی صدی عیسوی میں مکہ میں یہ حالت تھی کہ بت پرستی عروج پر تھی اور گرد و پیش سارے کا سارا کفر و شرک سے بھرا ہوا تھا۔ تین قومیں جو آباد تھیں وہ اپنی اپنی جگہ شرک و بت پرستی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ عیسائی تو خدا کا بیٹا ہی بنا چکے تھے۔ تین خدا بنا کر شرک کی زنجیروں میں جکڑے گئے تھے۔ یہودی بھی ”عزیر ابن اللہ“ کہہ کر شرک میں شام ہو چکے تھے۔ اور کفار مکہ نے تو خدا کے گھر کو بتوں سے بھر دیا ہوا تھا۔ آپؐ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ کوئی وحی نہ تھی اور کوئی شریعت نہ تھی۔ وید۔ تورات اور انجیل ان کے نزدیک کوئی الہامی کتاب نہ تھی۔

محمدؐ رسول خدا کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آپؐ کے پاکیزہ و مہلر قلب میں بدی کے مقابلہ کی اس قدر تڑپ دکھائی دیتی ہے کہ جس کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔ آپؐ بھی نبوت کے مقام پر فائز نہیں تھے کہ آپؐ کے دل میں دنیا کی بے چینی اور گناہ آلود زندگی سے شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ اور آپؐ نجات کے متلاشی رہنے لگے۔ آپؐ نے خطری جذبہ کے مطابق اس رستہ کی تلاش شروع کر دی۔

چونکہ توحید سے محبت اور شرک سے نفرت آپؐ کے اندر ہی موجود تھی اس لئے آپؐ نے لوگوں کی مجالس میں شرکت سے پرہیز شروع کر دیا۔ جو دن رات بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ آپؐ کسی تنہا جگہ شریف لے جائیں اور خداؐ سے واحد سے مدد طلب کریں۔ تاکہ اُس کی طرف سے ہدایت کے سامان پیدا ہوں۔ چنانچہ آپؐ فارحرا میں تشریف لے جاتے جو مکہ سے تین میل دور ہے۔

غارِ حرا وہ بابرکت غار ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس مقدس جگہ پر آپ کی فطرت کے پاک نور پر ایک نور نازل ہوا۔ جسکی آپ نہایت درجہ روشن اور نورانی علی نور ہو گئے۔ آپ کا وجود مبارک مجمع الانوار بن گیا۔ اس غار میں آقاؐ نے دو چہرہ اپنے پیدا کرنے والے خدائے یگانہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور سنتِ ابراہیمی علیہ السلام کو زندہ رکھتے۔ کئی کئی دن خدائی یاد میں صرف کر دیتے۔ روح کی ارتقائی منزلیں آپ نے اسی غار میں طے کیں۔ آپ کی ہمدرد و غمگسار بیوی بھی آپ کے پاس جاتی تھیں۔ چند ایام کا کھانا۔ ستویں کجوریں اور سوکھا گوشت لے جاتی تھیں۔ جس دن آپ کو رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اس دن حضرت خدیجہؓ آپ کے ساتھ نہ تھیں۔

آپ اتنا تو جانتے تھے کہ خدا ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہیے۔ لیکن خدا تک پہنچنے اور معرفت کے حصول کا رستہ کونسا ہے۔ یہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ بلکہ اس کی تلاش میں وہ ایک دکھی۔ بے چین دل لے کر تنہا کوہِ حرا پر چلے جاتے دیکھا جا کر صرف آپ سوچتے ہی نہیں رہتے تھے۔ بلکہ سنتِ ابراہیمی کے خدائے واحد و یکتا سے پکارتے تھے اسکی رہنمائی طلب کرتے تھے۔ پس وہ پیدا کرنے والا خالق حقیقی آپ کو یہاں غارِ حرا میں ایک دن مل گیا۔ خدا کا چہرہ دیکھتے ہوئے نبوت کی پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھا۔ اور آفتابِ ہدایت کی ضیاء باریوں سے منور ہو کر اس مقدس غار میں سے نکلے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آیا اور اتیم روحانیت کا تاج آپ کے حوالے کیا۔ یہ وہ تخت ہے جہاں روحانیت کا تاجدار پہلے دن بیٹھا تھا اور چالیس سال میں کئی سال ہمینے، تہفتے اور دن بیٹھا رہتا تھا۔ سبحان اللہ آج جب آپ غار میں تشریف لائے تو محمد بن عبد اللہ تھے۔ لیکن جب غار سے باہر نکلے مُحَمَّدٌ مَصْلُوفٌ صَلَّى اللہ علیہ وسلم یعنی مقصود کائنات تھے۔

پہلی عبادتِ ابراہیمی

ابراہیمی سنت کو زندہ رکھنا

رسول خدا پیدا تو ایک مشرک گھرانے میں ہی ہوئے تھے۔ اور پرورش بھی آپ نے ایک مشرک گھرانے میں ہی پائی تھی لیکن شرک سے بیزاری و نفرت آپ کے اندر موجود تھی۔ اس لئے توحید سے پیار اور شرک سے آپ کو قطعی نفرت تھی۔ آپ کی فطرت یہ کہتی تھی کہ اس کا رخا نہ عالم کو پیدا کرنے والا ایک خدا ضرور ہے۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی رازق ضرور ہے۔ کوئی مالک ضرور ہے اور کوئی خالق بھی ضرور ہے لیکن ہے کہاں یہ انہیں معلوم نہ تھا؟ اس کے لئے دھمال کا لکھا ذریعہ ہے؟ کس راستہ سے چل کر اس مالکِ ارض و سماء سے ملوں۔ اس تڑپ نے آپ کو بے چین و مضطرب کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے چچا زید بن عمروؓ جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی شرک چھوڑ دیا تھا جو اپنے آپ کو شرک کے خلاف ایک بڑے مقام پر سمجھتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے گفتگو کے بعد آپ نے فرمایا کہ اؤ کھانا کھالو۔ زید نے کہا ”میں مشرکوں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا کرتا۔“ یہ سنکر آپ نے فرمایا ”میں نے بھی شرک کبھی نہیں کیا۔ اور یہ بات پیدائشی طور پر آپ میں تھی۔ اور یہی تڑپ آپ کو خلوت کی دادی میں لے گئی۔ یہی تڑپ اور جستجو آپ کو کئی کئی دن بیدار اور بھوکا رکھتی تھی۔ آخر آپ نے غارِ حرا میں آنکھوں کے آنسوؤں سے اپنی قوم کی اخلاقی اور عائلی کوتاہیوں کو دھو ڈالا۔ بلکہ ساری دنیا کی تباہی و بربادی کا علاج تلاش کر لیا۔ گو عرب کی سر زمین میں اور بھی خدا تعالیٰ کے کچھ بندے تھے جو اپنے رب کی محبت میں اور اس کے پیار کے لئے تڑپ رہے تھے۔ وہ بھی آرزو رکھتے تھے۔ کہ ہمارا خدا ہم سے ملے۔ اس کا دھمال ہمیں میسر آجائے۔ اس کی محبت کی گود میں

جا بیٹھیں۔ اُس کی پیاری آواز ہمارے کانوں میں آئے۔ لیکن وہ بے بس تھے۔ کوئی راستہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ان میں تڑپ تو موجود تھی مگر تڑپ کا علاج مفقود تھا۔ لوگ جو اپنی اپنی جگہوں پر خدا کی رضا میں تھلا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی ابو بکر تھا۔ کوئی عمر تھا۔ کوئی عثمان تھا اور کوئی علی تھا۔ کوئی زید تھا اور کوئی طلحہ تھا۔ اور زبیر تھا۔ یہ سب لوگ خدا کی محبت میں گلے جا رہے تھے۔ ان کے دل بیاں اور ان کی آنکھیں گریاں تھیں۔ اس لئے کہ ان کا محبوب انہیں مل جائے لیکن خدا تعالیٰ نے جو ہیرا چننا تھا وہ چنی لیا۔ مگر میں عیسائی بھی موجود تھے۔ یہودی بھی موجود تھے۔ اور یہ دونوں قومیں وہ ہیں جو کسے پاس خدا کا کلام تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ تھی۔ اور محمد رسول خدا کی یہ حالت تھی کہ آپ کے پاس خدا کا کلام نہ تھا۔ لیکن خدا کے عشق میں گھلے جا رہے تھے۔ جب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ میرا بندہ میرے قریب ہونا چاہتا ہے۔ مگر اسے قرب و وصال کے راستوں کا علم نہیں تو خدا تعالیٰ نے آپ پر شریعت نازل فرمادی۔ اور اس طرح وہ تمام راستے آپ پر منکشف ہو گئے جو وصال خدا کے تھے۔ اور اس طرح شریعت رکھنے والا وجود خاتم النبیین بن گیا۔ اور اکملت لکم دینکم۔۔۔۔۔ ہر خدا کے شریعت آپ پر ختم کر دی۔ اور قیامت تک بند کر دی۔

اَقْدَأُ وَدَبَّكَ الْاَكْرَمُ کہہ کر فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ اور خدا تعالیٰ کا حق اسے دلاؤ۔ دنیا نے اللہ تعالیٰ کی شان کو نہیں پہچانا۔ اس نے خدا کا حق بتوں کو دے دیا۔ کچھ انسانوں کو۔ اب تیرا یہ کام ہے کہ تو دنیا پر خدا کے اکرام ہونے کی شان کو ظاہر کرے۔ تا آستانہ الوہیت سے بھولی بھٹکی مخلوق پھر اس کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور اس کی شان تسلیم ہونے لگے۔ امین یارب العالمین

بعد از نبوت

پہلی وحی

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ط
پہلے اور سچے بولی یہ ہیں جن کے ذریعے خالق و مخلوق کا تعلق آپس میں قائم ہوا۔
اور انہی آیات کے ذریعہ انسانی پیدائش کا مقصد پورا ہوا۔ اور انسان کو اللہ تعالیٰ کا
قرب حاصل ہوا۔ اور انہی آیات کے ذریعہ وہ قیامت تک ہدایت پاتی رہے گی۔
جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لیلة القدر میں مقصود کائنات پر نازل ہوئی
تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں جو
وحی نازل ہوئی وہ روایا و صادقہ کی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے
وہ ایسے واضح رنگ میں پوری ہو جاتی جیسے فجر طلوع ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسول
خدا کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ آپ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ رسول
خدا کو خلوت میں عبادت کرنے سے زیادہ کوئی چیز سیاری نہ تھی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں
جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ بے چین و بے قرار دل دنیا کی گناہ آلود
زندگی سے نالاں کئی کئی راتیں اور کئی کئی ہفتے غار حرا میں عبادت میں گزار دیتا کہ شاید
دنیا کے لئے نجات حاصل ہو جائے۔

اس غار میں ایک دن آپ عبادت الہی میں مشغول تھے کہ یکایک بجلی کی مانند
ایک تیز روشنی نے آنکھوں کو چمکھایا۔ وہ شاہ کوہین جہنمی نے اپنے پیار سے وجود
کو اور اس کی تمام طاقتوں اور کمالات کو خدا کے سپرد کر دیا ہوا تھا۔ ایک غیر مانوس
ہستی کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان نورانی پیکر

زمین و آسمان کے درمیان نور کے تخت پر ممکن ہے۔ اس نورانی ہستی کے بغیر اس کے کوئی تحریر پیش کرے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اِقْدَا۔ اِقْدَا یعنی پڑھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھ نہیں سکتا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اس نے مجھے پکڑا اور بھیجنے شروع کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اس نے مجھے بھیجتا تھا بھیجتا کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہو گئی۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ۔ میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے تیسری بار مجھے بھیجتا اور یہاں تک کہ میری طاقت ختم ہو گئی اور اس نے کہا اِقْدَا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔۔۔۔۔ عِلْمَ الْاِنْسَانِ مَا لَمْ يَقْلَمْ۔

پس پہلے دن ہی پہلی وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت کا اعلان کر دیا۔ اگر
میں وہ تمام مفہوم آگیا جو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ میں بیان کیا گیا ہے۔

”یعنی اٹھادعا اعلان کر دے کہ میں اس خدائے واحد کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جس کا علم مجھے حاصل ہے اور جو صحیح اور سچا علم ہے۔ میں اُس کے نام پر تہنیں اُس کی واحدانیت پر ایمان لانے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر تم میری بات کو نہیں مانو گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور مجرم و گنہگار قرار پاؤ گے۔ کیونکہ میں اُس کا رسول ہوں اور اس کے نام پر کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں اس تعلیم کو چھپا کر نہ رکھوں بلکہ دنیا میں پھیلاؤں اور ہر فرد کے کان تک اس کی آواز کو پہنچاؤں“

درحقیقت رب ایک ایسی ذات ہے جس کو شرک بھی جانتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی اس کے متعلق ایمان رکھتے ہیں۔ مگر وہ سب اپنے رب کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے۔ مثلاً مشرکین یہ کہتے تھے کہ لات و منات اپنے اندر خدائی طاقتیں رکھتے ہیں۔ عیسائی تو عیسائی کو خدا کا بیٹا ہی قرار دے کر بیٹھ گئے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے غارِ حرا کی عبادت سوز و گداز، تڑپ اور اضطراب کے جواب میں شرک کو رد کرتے ہوئے حقیقی رب کا چہرہ دکھا دیا۔ اور فرمایا کہ بیشک وہ خدا جسکی حقیقت کو تو نے سمجھا ہے خالقِ حقیقی ہے۔

پس پہلی وحی رحمت ہے جسک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور پہلی نعمت ہے جس انہیں حصہ عطا فرمایا۔ یہ آیات قرآن کریم کے لئے بمنزلہ بیج اور گھٹی کے ہیں۔ ان کی عظمت اہمیت کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ یہ آسمانی فرشتہ جسے روح القدس بھی کہتے ہیں۔ یہ آیات پڑھنا اور آپ سرور کائنات صحت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں ساتھ ساتھ پڑھتے ہے۔ فرشتہ غائب ہو گیا۔ مگر رسول خدا کا دلی تڑپ رہا تھا۔ واللہ اعلم۔ یہ کیا معاملہ ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے اور حضرت عیسیٰؑ فرمایا۔ ذَلُّوْنِیْ ذَلُّوْنِیْ (مجھ پر کھڑا دل دو) حضرت خدیجہؓ اپنے محبوب خاوند کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا ئیں اور عجلدی سے اپنے جسم سے چادر اتار کر آپ کو اڑھادی اور

آپ لیٹ گئے۔ جب ذرا قدرے سکون ہوا تو آپ نے سارا واقعہ سنایا۔ اور فرمایا۔ "لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي" یعنی میں اپنے نفس کے متعلق ڈرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اتنا عظیم کام میں سرانجام دے سکوں گا یا نہیں؟ حضرت خدیجہؓ بولیں میرے محترم! نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم خدا آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ آپ متردد نہ ہوں خدا تعالیٰ آپ کو سوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صادق القولی ہیں اور لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں۔ آپ ہمان نواز ہیں اور حق کی باتوں میں لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں۔ وہ قطعی مطمئن تھیں کیونکہ وہ حضور کے حامد و مددگار تھے اور دل میں خوش ہوا کرتی تھیں کہ خدا نے کیسا بلنظیر انسان پیدا کیا ہے۔ جو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر جہاں انسان ہو میں بلکہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی و رقبہ بن نوحؑ کے پاس لے گئیں۔

درقربن نوافل نے جب ساری کیفیت سنی تو کہا کہ یہ وہی نائوس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتر تھا۔ اور اس طرح انہوں نے نبوت کی تصدیق کر دی۔
درحقیقت ان پہلی آیات مبارکہ میں ہی خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ ہی تمام نبیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے والے ہیں۔ اور روحانی نکتہ نگاہ سے آپ کے اندر ایسی کامل وقف رکھی گئی ہیں جو اس سے پہلے نہ کسی نبی کو ملی تھیں اور نہ ملیں گی۔

پہلا تصدیق کرنیوالا شخص

درقہ بنی نوفل

درقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ جو شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر خدا پر ہو چکا تھا۔ بظاہر اسے عیسائیت میں ہی شرک سے دوری نظر آئی۔ کیونکہ عیسائی اہل کتاب کو وہ الہامی کتاب کی طرف مائل نہیں تھے۔ اور ایک خدا کے سوا تثلیث کے قائل ہو چکے تھے۔ تاہم وہ بت پرست نہیں تھے۔ ایسی صورت میں جہاں بھی روشنی نظر سے ملتی تھی اس کی تلاش وہیں سے شروع کر دیتیں۔ گو کہ راستہ بعض اوقات غلط اختیار کر لیتیں۔ کچھ ایسا ہی حال درقہ بن نوفل کا تھا۔ وہ صحیف انبیاء سے بخوبی واقف تھا۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ بت پرستی اور عناصر پرستی کی اندھیر راتوں سے تنگ آکر آفتاب ہدایت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس نے خوب غفلت سے بیدار ہو کر جو دیکھا۔ تو پتھر کے بت محض لاشے تھے جن میں وہ گم ہوا تھا۔ وہ بیزار ہو کر اور عیسائیت کا پرچار بھی شروع کر دیا۔

ادھر غار حرا میں جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور سوز و گداز میں رہتے تو ان کے متلاشی کو خالق حقیقی کا سراغ مل گیا۔ اور رسالت بھاری فمرداری خداوند عالم خالق حقیقی نے آپ کے کندھوں پر ڈال دی۔ ذمہ کے خوف سے آپ کا وجود کانپنے لگا۔ آپ گھر تشریف لے گئے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے کچھ توقف کے بعد سارا واقعہ بیان فرمایا۔ سننے کے بعد انہوں نے آپ کو تسلی دی۔ اور کہا کہ

”اے عظیم الشان اوصاف رکھنے والے مرد کامل! خدا تجھے ضائع نہیں کرے گا۔“

اور مزید تسلی و تسفی کے لئے وہ اپنے چچا زاد بھائی درقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تاکہ

وہ اپنے علم کی روشنی میں کچھ حقیقت حال سے آگاہ کرے۔ درقہ بن نوفل سے حضرت خدیجہؓ کا خطاب ہو کر کہنے لگیں کہ بھائی! آج تمہارے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔ ذرا اسی کو تفصیلی طور پر آگاہی کرو۔ درقہ بن نوفل بہت ہنرمند و ذکا کا مالک تھا۔ اس نے رسول خداؐ سرور کائنات سے سارا واقعہ سنانے کو کہا۔

”آپ نے فرمایا کہ آج جبکہ میں غار حرا میں بیٹھا خدا کی یاد میں غوطہ میں نے ایک عظیم الشان نورانی وجود دیکھا۔ جو آسمان و زمین کے درمیان معلق تھا۔ ابھی میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نیچے اترا اور زمین مرتبہ مجھے اپنے سینے سے بھینچ کر کہنے لگا۔ کہ ”پڑھ جس کا میں نے بار بار یہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ لیکن اس نے پھر کہا کہ ”پڑھ اس خدا کا نام لے کر جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا ہے۔“..... بعد ازاں وہ گم ہو گیا۔“

تو بوڑھے فاضل نے بھانپ لیا۔ کہ یہ فرشتہ وہی ہے جو موسیٰؑ پر ظاہر ہوا تھا۔ اور کہنے لگا ”محمدؐ تم اس زمانہ کے زیادہ خوش نصیب انسان ہو۔ میں تمہیں نبوت و رسالت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ جو نورانی پیکر تمہیں دکھائی دیا ہے وہی ناموس اکبر ہے۔ اور جو کلمات اس فرشتے نے تمہیں سکھائے ہیں۔ خدا کی قسم وہ خدا کے مژدے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ اے میرے بھتیجے! کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تم کو تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکال دے گی۔ تو میں اس مصیبت میں ضرور تمہارا مدد کرتا۔ گو بظاہر حالات پر امید نہیں ہیں۔ کیونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں۔ بصارت جواب دے چکی ہے۔ شاید چھ مہینے برس میں مر جاؤں۔“

سید ولد آدمؐ نے حیران ہو کر پوچھا ”او مخدجی! خدا کی میری قوم مجھے نکال دے گی؟“ میں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ سارے مکہ میں ایک بھی ایسا نہیں

جو میرا مخالف و دشمن ہو پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میری قوم ایسا کیوں کر ہو
درقہ بن نوفل ازمانہ شناس انسان مسکرایا اور کہنے لگا: "ابھی یہ بات تمہاری
میں نہیں آئے گی۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ جب کسی انسان نے ایسی بات کہی جیسی تم
رہے ہو۔ تو ان کی قوم نے ضرور اسکی دشمنی مول لی۔ اور سخت سے سخت تکلیف
دیں اور بالآخر اسے اور اس کے ماننے والوں کو وطن سے نکال دیا۔ اچھا خدا
خدا تعالیٰ تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے"

پس درقہ کا تصدیق شدہ انکشاف رسالت حضرت رسول کریم اور حضرت
خدیجہ کے لئے مبارکباد اور پریشانی کے دو دھارے تھے۔ جو ایک ساتھ
کے دل میں چلے گئے۔ ذمہ داری کی نگر و پریشانی نے آپ کو غمگین کر دیا۔ کیونکہ
درقہ بن نوفل علم دوست اور زمانہ شناس انسان تھا۔ گو کہ وہ نابینا تھا مگر وہ
بصارت ضرور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ کی ہجرت کیلئے عمل میں آئی
عیسیٰ علیہ السلام کو مہاجر ہونا پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام مہاجر بنی تھے۔ حضرت
نوح علیہ السلام ہجرت پر مجبور کئے گئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو وطن
دھکیل کر سمندر کی موجوں کی نذر کر دیا گیا تھا۔ الغرض ہر نبی کی زندگی اس کے
سامنے تھی۔ ان کے مصائب و قربانیاں بھی اس کے علم میں تھیں۔ اس لئے ہر
نے رسول خدا محمد کی ذات پر نور کا نزول سنا تو اسے الہی پیغام کی عظمت سے
آپ کے لئے مصائب و تکالیف کا اندازہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ جتنا بڑا عظیم پیغام
اتنا ہی بڑا مصائب کا پہاڑ تھا۔ جو ایسے لاثانی وجود کے لئے مفید تھا۔

پس درقہ بن نوفل ہی پہلا شخص تھا جس نے پہلی وحی سے رسالت کا پیمانہ
پڑھ لیا۔ اور آپ کو خوشخبری دی۔ کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور مقصود
کائنات ہیں :

پہلا مسلمان مرد

حضرت ابوبکر صدیقؓ
رضی اللہ عنہ تا ۶۳۲ھ

خود ایک غار میں رہ کر خلق خدا کے لئے روشنی تلاش کرنے والی عظیم ہستی جب
نور ایمان لے کر مخلوق کی طرف آئی تو سب پہلا مرد جس نے اس روشنی کو اپنے دامن
میں سمیٹا وہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت ابوبکر ممتاز قبیلہ بنی تمیم کے ایک امیر و کبیر
گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اصلی نام عبداللہ تھا اور کنیت ابوبکر لقب
عتیق تھا۔ عمر کے لحاظ سے وہ رسول خدا سے ایک سال چھوٹے تھے۔ نیک
طینت و پاک سیر کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا شرف ان کو
حاصل ہو گیا تھا۔ حضور کی بعثت سے پہلے ہی یہ وجود ان اشخاص میں کھڑا تھا
جو شرک سے نفرت کرتے تھے۔ جن میں پیدائشی طور پر یہی تقویٰ موجود تھی۔
وہ بھی آرزو مند تھے کہ ہمارا خدا ہم سے مل جائے۔ ہمیں بھی اُس کا وصال
میسر آ جائے۔ لیکن وہ سب بے بس تھے۔ کوئی راستہ ان کو نظر نہیں آتا
تھا۔ اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنے کی خواہش تو ان میں موجود تھی۔ لیکن اس خواہش
کا علاج انہیں معلوم نہ تھا۔ اس خواہش کی تڑپ رکھنے والوں میں کوئی حضرت
ابوبکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ اور کوئی عبیدہؓ تھا۔ کوئی علیؓ تھا اور کوئی طلحہؓ و زبیرؓ تھا۔
اور کوئی زیدؓ و بلالؓ تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی تڑپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے نواز
لیا۔ اور جب وہ ایک دن مکہ کے ایک رئیس کے گھرانے میں بیٹھے ہوئے
تھے کہ ایک لونڈی نے آکر کہا کہ محمدؐ کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایک نئی اور اجنبی
سی بات کہتے ہیں۔ محمدؐ کی بیوی اپنے رشتہ داروں کو یوں بتا رہی تھی۔ "میرے شوہر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ وہ لونڈی پر بھارت سمجھ میٹھی اور ازراہ حیرت حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھاگی بھاگی آئی اور استغفار کیا کہ اے ابوبکرؓ تمہارے دوست کا کیا ماجرا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ حضرت رسولؐ خدا کی طبیعت سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اس لئے سیدھے وہاں سے اٹھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر آ دستک دی۔ خدا کے سچے رسولؐ نے دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا کیا آپؐ نے کوئی دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ چونکہ کمتر رس تھے فوراً چاہا کہ دلیل دے کہ ایک لطیف پیرایہ میں اپنی بات بیان فرمائیں تا آنکہ سننے والے شخص کو اجنبیت معلوم نہ ہو آپؐ چاہتے تھے کہ کہیں دوست شک میں الجھ نہ جائے۔ مگر دوست چونکہ صدیق تھا تصدیق کرنے کے لئے ہی آیا تھا۔ بیقراری سے کہا میرے سچے دوست خدا کے لئے مجھے دلیل نہ دیں۔ میرا امتحان نہ لیں بلکہ فقط یہ فرمائیں کہ آپؐ نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور شرک مٹانے کا حکم دیا ہے۔ اس روئے زمین پر پہلے مسلمان مرد خدا تعالیٰ کی پہلی وحی پر ایمان لانے والے اور ایک سے دو کرنے والے نے با آواز بلند پکار کر کہا:-

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“
آج خدا کے واحد و لا شریک کو ماننے والے ایک سے دو ہو گئے۔

موتی تو دونوں ایک ہی صدف کے تھے۔ مگر مقام خدا تعالیٰ کی جناب میں الگ الگ تھا۔ اگر ایک دنیا کا نجات دہندہ تھا تو دوسرا آپؐ کا پکا دست راست تھا۔ حقیقت میں جو کام رسولؐ خدا کے سپرد تھا وہ اتنا مشکل تھا کہ اکیلا شخص اٹھانے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ ساری دنیا کی اصلاح کرنا۔ ساری دنیا کو اسلام میں داخل کرنا اور ساری دنیا کے عیوب کا قلع قمع کرنا۔ یہ سب اتنے دشوار کام تھے کہ خدا تعالیٰ نے دنیوی اسباب میں سے ایک راستباز دوست عظیم مشیر۔

جانشان متبع اور سچا غمخوار بھی ساتھ ساتھ ہی عطا فرمادیا۔ جب غار حرا میں سے آپؐ اکیلے نور ایمان لے کر باہر تشریف لائے تو جو سایہ ایک مسلمان مرد کا زمین پر پڑا وہ سایہ بڑھ کر ایک سچی مونس و غمخوار محبوب رفیقہ حیات تک جا پہنچا۔ پھر وہ سایہ قربانی و ایثار کی تھوڑے آگے بڑھا اور اتنا لمبا ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ تک جا پہنچا۔ اور اس طرح وہ سایہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج ہمیں بھی اسی سایہ نے اپنے دامن میں جگہ دی۔ الحمد للہ۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت ابوبکرؓ سے بہت زیادہ محبت تھی آپؐ ہمیشہ ان کی دوستی اور قربت کو پسند فرماتے تھے۔ اور آپؐ محبت الہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو بیچ خیال کرتے تھے۔ وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا:- ”میں خدا تعالیٰ کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا دوست ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا دوست بنا لیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔

صحابہ کرامؓ نے ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا تھا یا رسول اللہ! آپؐ کو دنیا میں سب سے زیادہ کس سے پیار ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ عائشہؓ سے۔ صحابہ کرامؓ نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مردوں میں سے۔ تو جواب دیا۔ ابُو حَکَمَ یعنی ان کے باپ سے۔ سبحان اللہ! کیسی بے پایاں محبت نصیب تھی حضرت ابوبکرؓ کو کہ اس سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ بہادر بھی بہت تھے۔ انہوں نے ہمیشہ کھٹن گھڑی میں اپنے محبوب دوست کا پہرہ دیا اور ہمیشہ ایک دلیر اور جری کی طرح مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت حضرت ابراہیمؑ سے ملتی جلتی تھی اور سوز و گداز کا مادہ آپؓ میں بہت تھا۔ آپؓ اکثر و بیشتر تلاوت قرآن مجید خوش الحانی اور سوز سے کیا کرتے تھے۔ جب صبح اُٹھتے تو جہری تلاوت نہایت رقت سے کرتے جبکہ

آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے۔ عورتیں اور بچے اس نظارہ کو دیکھتے تو اکبر ہو جاتے اور بہت توجہ اور انہماک سے سنتے کہ ابوبکرؓ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ایک طرف وہ حضرت ابوبکرؓ کی گریہ و زاری اور آنسوؤں کو دیکھتے اور دوسری طرف اس پاک قرآنِ تعلیم پر غور کرتے تو بے اختیار ان کے دل و زبان کہہ اٹھتے کہ سبحان اللہ کیسا ارفع کلام ہے اور یہ تاثر روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔ نازک طبائع تو قرآن مجید کے سوز سے ہی متاثر ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا انداز تلاوت اپنے اندر ایک سوز ایک عشق اور ایک نرم ترنم رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ والے خائف ہو گئے کہ ہماری عورتیں اور بچے حضرت ابوبکرؓ کے قرآن کی تلاوت سے مائل بہ اسلام ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت میں اغنیاء اور سیری بھی جس حد تک تھی اس کی مثال ہی تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام باقی رکھ آتا تھا۔ باقی تمام مال و متاع لاکر اپنے آقاؐ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے مال سے بڑھ کر میں نے کسی کے مال سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آپؐ نے خلافت پر قدم رکھتے ہی دستور اساسی نواد کو دیا۔ اور جمہوریت کی ایسی بنیادیں بنیاد ڈالی جو قیامت تک ان کو زندہ رکھے گی۔ ان کی راہ میں کئی سیاسی الجھنیں آئیں بھی۔ مثلاً فتنہ ارتداد، زکوٰۃ کی وصولی کا انکار مگر آپؐ نے ہر مقام پر بے خوف سپاہی۔ تجربہ کار اور واقع راہ قیادت کا ثبوت دیا پس حضرت ابوبکرؓ وہ پہلا ستون تھے جو اسلام کی حجت کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے جب اپنے پیارے محبوبؐ کو غار حرا میں ایک ذمہ داری سونپی تو وہ محبوبؐ اس ذمہ داری کے بوجھ سے بے سکت ہو گئے۔ کیونکہ جو کام فرشتے نہ کر سکے۔ وہ ایک کمزور اکیلے شخص کے کندھوں پر ڈالا جا رہا تھا۔ جس کی ذمہ داری سے آپؐ کی کمر جھک گئی۔ اس کٹھن گھڑی میں بیوی نے یہ کہہ کر ایک سہارا دیا کہ کَلَّا وَاللّٰہ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضائع ہرگز نہیں کرے گا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک پہلا مردانہ ہاتھ جو دنیوی سہارے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ تھا۔

اس نے اس بوجھ کو اٹھانے میں مدد دی۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکیلے کندھوں پر ڈالا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَوَضَعْنَا عَنکَ وَزْرَکَ یعنی ہم نے تیرا بوجھ اٹھالیا۔ اور تجھے ایک ہی دن پانچ روحانی دوست عطا کر دیئے۔ جن میں سے ایک ایک شخص اپنی اپنی جگہ جاں نثار اور فدائی تھا۔ ان روحانی پنجتن رفیقوں میں سے پہلا رفیق آپؐ کا یہ بچپن کا دوست بے نفس ابوبکرؓ تھا جس نے تیرے بوجھ کے نیچے اپنے کندھے دے دیئے۔ اور ہر مقام پر روحانی، جسمانی اور مالی قربانی دیکر یکجان ڈوقالب بن گیا۔

بچے فدائی نے غارِ ثور میں جگہ صاف کر کے استراحت کی درخواست کی تو عرض کیا کہ اے میرے تونس و غمخوار محبوبؐ دوست آپؐ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرمالیں میرا وجود آپؐ کے لئے جاگ کر پہرہ دے گا۔ اور تکیہ کے طور پر اپنی گود پیش کی۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کی ٹانگوں پر سر رکھ کر سو گئے۔ تو ایک سوراخ میں سے سانپ نکلا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں ڈس گیا۔ بے نفس ابوبکرؓ نے اپنے وجود کو پٹنے نہیں دیا۔ کہ کہیں محبوبؐ خدا بے آرام نہ ہو جائے۔ لیکن شدت درد سے آنکھوں سے جب آنسو نکل کر بے خبری میں رسولؐ مقبول کے رخسار مبارک پر جا کرے۔ گرم گرم آنسوؤں کا گرنا تھا کہ آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اسلام کا سچا پیوت رورہا ہے۔ وجہ پوچھنے پر پتہ چلا کہ شدت درد نے آنکھوں سے آنسو بہا کہ رسولؐ خدا کو بے آرام کر دیا ہے۔ تو جذبہ محبت و ایثار اور فدائیت آپؐ کو نصیب ہو گیا۔ جب آپؐ خدا کا پیغام لے کر خلق خدا کی طرف مڑے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بالکل ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت حضرت ابوبکرؓ کی صورت میں نمودار نہ ہوتی تو ہم مٹ چکے تھے۔ کیونکہ آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد چند نفوس ایسے تھے جو بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ اور شدت غم سے مہوش ہو گئے تھے۔ کچھ تو شدت جذبات سے مغلوب اس حد تک ہو گئے تھے کہ مارنے

پہلا مسلمان بچہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی سے نوازا تو وہ دن پیر کا تھا۔ اور اگلے ہی روز منگل کے دن دس گیارہ برس کا ایک معصوم بچہ اپنے بابا دادا کے مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر آپ کے پیلوں پر چڑھ اٹھا۔ گویا اگلے ہی روز "صبغة اللہ" کے مطابق وہ رنگ ایک دن سالہ بچہ پر چڑھ گیا۔ اور وہ اس رنگ سے رنگین ہو کر تربیت رسول میں رہ کر جب جوان ہوا تو "شیر خدا" کہلایا۔ خوش نصیب وہ بچہ اس ہاشمی خاتون کا تھا جو سب سے پہلے اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ جن کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔ گویا بچے اور ماں میں یہ ایک مطابقت تھی کہ بیٹا اطفال میں سے پہلا مسلمان بچہ تھا۔ اور ماں ہاشمی خاتون میں پہلی ہاشمی خاتون تھیں۔ وہ بچہ حضرت علی بن ابی طالب سے تھے۔ جن کی کنیت ابوتراب تھی اور وہ انہیں بہت پسند تھے۔ کیونکہ ان کے محبوب آفاقی عطا کردہ تھے۔

وعدہ کو وفا کرنے والا علی بن پچپن سے ہی اپنے اقوال کو نبھاتا تھا۔ کیونکہ وہ قول و فعل کا سچا تھا۔ ایک دن گیارہ برس کی عمر میں اس نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ بے شک میں عمر میں چھوٹا ہوں۔ میری آنکھیں بیماری کی وجہ سے دکھتی ہیں۔ میری ٹانگیں ڈبلی پتی ہیں۔ مگر میں آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں آپ کے کام میں مدد کرتا رہوں گا۔

یہ الفاظ پتھر پر لکیر تھے۔ عہد رسالت میں وہ جوان سایہ کی طرح ساتھ رہا۔ ہر حکم پر لبیک کہا۔ جنگ میں ساتھ دیا۔ صلح میں پیش پیش رہا۔ سہ ہجری سے میکہ

سہ ہجری تک یہ سیف اللہ جب بھی میدان جنگ گئے فتح کی نوید ہی لائے۔ ہجرت کے موقع پر بھی جب خدا تعالیٰ نے غلبہ کی گھڑی آپ کے مقدر میں شروع کر دی تھی۔ تو آپ حضرت علیؓ کو ہی اپنی چارپائی پر سونے کا حکم دے کر مکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر رخصت ہو گئے تھے۔ امانتیں ان کے سپرد کیں کہ مانگوں کو پہنچا کر مدینہ پہنچ جائیں۔ بہادر رہی کے پیکر حضرت علیؓ اس نازک گھڑی میں جبکہ دشمن گھات میں بیٹھا ہے شجاعت سے ساری رات اس بستر پر لیٹے رہے۔ اور کافر یہ خیال کرتے رہے کہ رسول خداؐ سو رہے ہیں۔ لیکن جب صبح ہوئی تو ابن عبد اللہ کی جگہ ابن ابی طالب کو پا کر غصہ سے لال پیلے ہو گئے اور ان کو زود کو ب بھی کیا۔

اسی طرح جنگ تبوک کے موقع پر انہیں رسول خدا کی نیابت حاصل ہوئی جنگ تبوک میں زبردست تیاری کے بعد جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کرام اور دس ہزار گھوڑوں کی قیادت کرتے ہوئے روانہ ہوئے تو اپنا نائب حضرت علیؓ کو مقرر فرما گئے تھے۔ حضرت علیؓ کو پیچھے رہنے کا صدمہ تھا۔ ان کی اداسی دیکھ کر اور منافقین کی باتیں سن کر آپ نے فرمایا: "علیؓ غم نہ کرو۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام سفر پر جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ قائم مقام بنا جاتے تھے۔ اسی طرح میں تمہیں قائم مقام بنائے جا رہا ہوں۔" آپ سر تسلیم خم کر کے خاموش ہو گئے۔ کیونکہ سفر و حضر صلح و جنگ میں اپنے محبوب آقا سرور کائنات کی تعمیل حکم ہی آپ کی شان و عظمت کی دلیل تھی۔ اسی طرح مواخات کے موقع پر حضرت علیؓ بارگاہ رسالت میں بحیثیت گریبان عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ آپ نے تمام صحابہ میں مواخات و برداری قائم کر دی ہے۔ لیکن میرا کسی سے بھائی چارہ کا رشتہ نہیں جوڑا۔ تو ارشاد ہوا۔ اے علیؓ! دنیا و آخرت میں تم میرے بھائی ہو۔ بس دنیا و آخرت میں شاہ کونین کا بھائی علم و فضل میں بھی ملتا تھا۔ وہ علم ولایت کا سردار تھا۔ جیسے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔"

آپ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو کہ بڑے عالم و فاضل تھے خود معترف ہیں کہ:-

"میرے اور علیؓ کے علم میں نسبت وہی ہے جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے"

آپؐ حافظ قرآن تھے۔ اور ہر آیت کی وجہ نزول مقام نزول کا انہیں مکمل علم ام الکتاب کے علم کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ہر فاتحہ کی ایسی تفسیر رکھ سکتا ہوں جو ستر اونیسویں پر بھی نہ آئے۔ پانچ صد جیسا ہی حدیث ایسی ہیں جو آپؐ کی وساطت سے ہمارے پاس پہنچی ہیں۔ علم نحو کی ابتداء آپؐ نے ہی کی۔ کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں قرآن مجید غلط نہ پڑھا جایا کرے۔

حضور سرور کائنات کی خدمت میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپؐ شامل ہیں۔ اور اسی طرح بہادری و شجاعت میں تو آپؐ کی نظیر تاریخ اسلام نہ حال ہی میں نہیں کر سکی۔ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی دقیق و مشکل درپیش نہ ہو تو علم اسلام علیؓ کا ہی نعرہ بلند کرتے ہیں کہ وہ جذبہ و حرارت پیدا ہو جائے جو خدا تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عطا کی تھی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جنگ خیبر میں حضرت علیؓ نے اپنی پشت پر درود خیبر اٹھایا تھا۔ آپؐ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کے فضیل غیر قوت عطاء ہوئی تھی۔ وگرنہ وہ بچپن میں دہلی پتلی ٹانگوں والا کمزور و ناتواں تھے۔ جنگ خیبر کے ایام میں حضور نبی کریمؐ کو درد شقیقہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ کو جنگ پر میدان میں بھیجتے رہے۔ اور آخر میں محمد بن مسلمہؓ سے فرمایا: "میں کسی شخص کے ہاتھ میں اسلامی علم دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھے۔" اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس کو محبوب رکھتے ہیں وہ پیچھے نہ ہٹے گا۔ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس ہم کو سر فرمائے گا۔ اور فتح عطا فرمائے گا۔ اور تیرے ہاتھ کے قاتل کا بھی بدلہ لینے کا موقع خدا فرمائے گا۔ انشاء اللہ! چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صبح آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا۔ وہ سخت آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دعا فرمائی جو خدا تعالیٰ نے قبول فرماتے ہوئے صحت عطا کی۔ آپؐ نے فرمایا: "اے میرے خدا! علیؓ کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا! آمین۔"

رسولؐ خدا کو ان سے بہت محبت تھی اور یہ عالم تھا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ پاکؐ نے فرمایا:-

"جس نے علیؓ سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے

علیؓ کو گالیاں دیں تو گویا اُس نے مجھے گالیاں دیں"

سبحان اللہ کیسی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔ کہ اس احترام کی بناء پر رسول کریمؐ نے اپنی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی شادی آپؐ سے کر دی۔ شادی کے متعلق یہ بیان ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثبت اظہار فرمایا تو حضرت فاطمہؓ رو دیں۔ حضور ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "اے فاطمہؓ کس لئے روتی ہے؟ واللہ میں نے تمہارا ایسے شخص سے عقد کیا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ میں سے زیادہ عالم ہے اور سب سے زیادہ سنجیدہ و دُور بار ہے۔ اور سب سے پہلے اسلام لانے والا ہے۔ چنانچہ یہ شادی مبارک شوال سنہ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ دونوں میاں بیوی کو حضورؐ نے مسجد میں اقامت کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان تو آپؐ کے متعلق یہاں تک ہے کہ "علیؓ کو دیکھنا بھی ایک عبادت ہے" واللہ اعلم بالصواب۔ یہ بے شک قطعی ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ میں اٹھارہ صفات ایسی تھیں جو باقی کسی صحابی میں اکٹھی دیکھا نہ تھیں۔

سرور کائنات محبوب دو عالم کے لئے ایک دن مکر کی گلیوں نے اپنا دامن سمیٹ کر تنگ کر لیا تھا۔ لیکن آج وہی بستی مکر کو اپنے شاہ کے لئے نہ صرف براہ تھی بلکہ اپنے مصنوعی خدا نکال نکال باہر پھینک رہی تھی۔ آپؐ بت توڑے جا رہے تھے۔ جو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ ایک بہت بڑا بت جو تانبے کا بنا ہوا تھا اور

اُونچائی پر رکھا ہوا تھا۔ حضورؐ کی پھڑکی کی دسترس سے باہر نکل گیا۔ اس مقام پر حضورؐ کی محبت و عشق دیکھنے کے اس کے شریک کو سمار کرنے کا جذبہ اس حد تک کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو جو قدر سے قرب جسم والے تھے اپنے کندھوں پر کھڑا کر لیا اور بت کرانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے آنکھ جھپکتے میں سلاح مار کر وہ بت پاش پاش کر دیا۔ پس آج وہی ذوالفقار دس ہزار قدوسیوں کی معیت میں مہاجرین کا بھندہ اٹھائے بغیر کسی لڑائی کے اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ میں داخل ہوا۔ اور یومِ بُت شکن منایا۔ لاریب رسالت کے تلے پل کر جو ان ہونے والا وجود ہر قدم پر غلبہ کی خبر لایا۔ اور فتح و نصرت کی کلید اس کے ہاتھ رہی جس طرف تیس سال تک اس نے رخ کیا کامیابی نے قدم چوم لئے کیونکہ وہ ایک مرد کامل کی دعائیں ساتھ لے کر چلتا تھا۔

وہ ایک زاہد و عابد انسان تھے کیونکہ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو ایک عابد خدا ترن۔ خدا شناس و رحمت کے مجسمے کو اپنے معبود حقیقی کے حضور جھکتے ہوئے ہی دیکھا تھا وہ دن سینکڑوں بار اِنَّاكَ نَعْبُدُ وَرَايَاكَ نَسْتَعِيْثُ کہنے والے بابرکت وجود کے زیر تربیت تھا۔ اور جانتے تھے کہ میری عبادت۔ نماز۔ روزہ صرف اور صرف معبود حقیقی خالق کائنات کے لئے ہی ہے۔ پس اُس خدا نے انہیں اتنا بڑا مرتبہ عطا کیا کہ خلیفۃ الرسولؐ (صلعم) کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور یہ سب کرم اللہ وجہہ کے تقویٰ و طہارت کی بدولت تھا۔ لیکن خلافت کے بعد آپؐ کے مخالفین کی فہرست کچھ اتنی طویل ہوئی کہ عہد خلافت ہی عجیب کشمکش میں گزرا۔ مخالفت کا ماحول جب پیدا ہو جائے تو عموماً یہ تمیز اٹھ جاتی ہے کہ انسان اگے بڑھ رہا ہے یا پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہی کچھ اس خلیفۃ الرسولؐ کے عہد میں ہوا۔ ایک بے لگام بغاوت اور نہ ختم ہونے والے فتنے نے سر اٹھایا۔ اور اس طرح اپنے پرانے کی پہچان جاتی رہی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی اسی چیز کا نتیجہ تھی کہ لوگ یہ بھول گئے تھے کہ وحدتِ ملی کیا چیز ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر باغی مکان کی کچھلی دیوار پھانڈ کر گھر

میں داخل ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ بنو ہاشم ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آجائیں چنانچہ باغی اپنی اسکیم میں کامیاب ہوئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ خود حضرت علیؑ کو اس حادثہ سے بہت دکھ ہوا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسنؑ اور حسینؑ کو تھپڑ رسید کئے کہ ”جبے بحیثیت خدام و محافظ دروازے پر کھڑے ہو تو باغیوں نے اندر داخل ہونے کی جرات کیسے کی؟ لیکن شہادت حضرت عثمانؓ الغنیؓ اور خلافت حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کچھ ایسے موقع پر رونما ہوئی کہ معاللاً سنبھالے نہ جاسکے۔ کیونکہ شہادت کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اطلاع پاتے ہی کچھ تو مدینہ میں آکر داخل بیعت ہو گئے اور کچھ اٹلے پاؤں مکہ واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ امن و امانیت کا حرم ہے۔ مگر ان میں کچھ ناموز بستیاں بھی تھیں مثلاً حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ جو حج سے واپس آ رہی تھیں۔ لیکن مدینہ داخل نہیں ہوئی تھیں بلکہ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹ گئی تھیں۔ الغرض تاریخ اسلام جن مؤثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہے وہ کچھ سازگار ماحول حسیا کرنے میں عداوت نہ ہوئیں۔ اور اس طرح حضرت علیؑ خلیفۃ الرابع کے مخالفین ایک سے دو اور دو سے چار ہوتے چلے گئے۔ ادھر حضرت علیؑ بھی حتی پر رہنے کے بعد جھگڑنے کے قائل نہ تھے۔ وہ چال چلنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی باتوں کو لگی لپٹی ڈھکی چھپی رکھتے تھے۔ بلکہ مخالفین کو شکست فاش دینے کے بعد بھی ساتھیوں سے یہ فرما دیا کہ خبردار! دشمنوں میں سے کسی کو قیدی نہ بنانا۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کسی کا مال نہ چھیننا۔ یہ تھا ایک رحمت کا نمونہ جو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ سرورِ کونین کے سایہ تلے پرورش پا کر طفل سے خادم اور خادم سے انصار اللہ بننے والا وجود شفقت و رحمت کا مجسمہ نہ ہوتا۔ ایک شخص نے جرات کر کے پوچھ ہی لیا کہ یا امیر المؤمنین! جب آپؑ نے انہیں قیدی بنانے اور ان کا مال لینے سے منع فرما دیا ہے تو پھر ان لوگوں سے ہمارا الزام کس طرح جاؤ

۶۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ موحیدین کلمہ گو کو نہ قیدی بنایا جاسکتا ہے نہ ان کے مال سے کسی قسم کی غنیمت حاصل کی جاسکتی ہے۔ البتہ وہ سرکشی کریں تو ان سے لڑنا جائز ہے۔ اس لئے ان باتوں کو جن کی تہہ کا ہمیں علم و پتہ نہیں چھوڑ دو۔ اور جو کچھ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس پر کاربند رہو۔ کیونکہ وہ جذبات کو حق و انصاف پر غالب نہ آنے دیتے تھے۔ حرص و اذہم بھی آپ کے پاس نہ پھٹکتی تھی۔ لیکن ایک سیاستدان کو جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کے ہاں موجود نہ تھے۔ سیاست نام ہے جھوٹ اور فریب کا اور کامیاب سیاستدان وہی ہو سکتا ہے جو ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے مخالف کو زیر کر سکے۔ لیکن حضرت علیؓ تو ایک خلیفہ تھے مگر مد مقابل ایک سیاستدان تھا۔ کیونکہ آپؓ تو دینی مصلح تھے۔ دنیا کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتے تھے۔ بندوں کی خوشنودی کیلئے نہیں۔ عدی بن حاتم نے کیسی بہترین تصویر امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کی تھی۔ ”علیؓ کا فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہے۔ حکمت ان کے پہلوؤں سے اور علم کلام ان کے چاروں اطراف سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے۔ دنیا اور اس کی خوشنمائی سے انہیں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں انہیں سکون ملتا ہے۔ وہ بے انتہا افسوس ہانے والے بے حد غور و فکر کرنے والے آدمی تھے۔ تنہائی میں اپنے نفس کا مقابلہ کرتے تھے۔ سادہ لباس اور روکھی سوکھی رہتی کے دلدادہ تھے۔ اپنے لئے کوئی اعزاز پسند نہیں کرتے تھے۔ لوگوں سے ملتے ہیں تو عام آدمی کی طرح ملتے ہیں۔ اہل دین کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ مساکین سے محبت کرتے ہیں۔“

پس اپنے نفس کا سختی سے محاسبہ کرنے والا اپنے کارندوں کا بھی قہور ا بہت محاسبہ ضرور کرے گا۔ حتیٰ کہ اپنے پیچھے سے بھائی عبداللہ بن عباسؓ کی ناراضگی سے بے پردہ ہو کر حق کی بات پر ڈٹے رہے۔ حتیٰ کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی حمایت سے بھی یکسر محروم ہو گئے۔ اور دھبی دل سے فرمایا۔

”نہ میں دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کروں گا۔ نہ اپنے معاملات میں کسی بے راہ روی کا روادار ہوں گا۔“

حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو برتاؤ رکھنے کی بہت کوشش کی گئی۔ لیکن حضرت علیؓ نے فریب کاری اور جھگڑائی کو مذہب میں بالکل داخل نہ ہونے دیا۔ آپؓ کے بہت اقوال و ذرائع مقبول خواص و عام ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔

”توفیق الہی بہترین راہبر ہے۔ خوش اخلاقی بہترین دوست ہے عقل و شعور بہترین ساتھی ہے۔ ادب بہترین میراث ہے اور اندوہ و غم دراصل تکبر سے بھی زیادہ بدتر ہے۔“

گناہوں کے متعلق ایسا دفعہ فرمایا کہ۔

”گناہوں کی دینی سزا یہ ہے کہ عبادت میں معیشت میں تنگی پیدا ہو جائے۔ لذت میں کمی آجائے۔ اور حلال کی خواہش اس شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کی کمائی چھوڑ دینے کی کھل کوشش کرتا ہے۔ آپؓ نے حضرت حسنؓ کو آخری سالوں میں بھی یہ نصیحت فرمائی کہ۔

۔۔۔ سب سے زیادہ دولت عقلندی ہے۔

۔۔۔ سب سے زیادہ افلاس محتاجی۔ یہ توفیق و حماقت ہے۔

۔۔۔ سب سے زیادہ بزرگی خوش اخلاقی و نیک کرداری ہے۔

الغرض آپؓ ان دس اشخاص میں سے ہیں جنہیں رسول خداؐ نے زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور عشرہ مبشرہ کہلاتے تھے۔

پہلا خادم

حضرت زید بن حارثہ

حضرت زید بن حارثہ ایک آزاد میسائی خاندان کے لڑکے تھے۔ لیکن کسی ٹوٹا مار کے نتیجے میں غلام بنائے گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے کلیم بن حرام تجارت کی غرض سے کہیں باہر گئے تو زید کو خرید لائے۔ چار سو درہم میں خرید لیا تو یہ بچہ زید بن حارثہ بہت پسندیدہ عادات کا مالک تھا۔ کلیم بن حرام بھی اسے پیار کرتے تھے کیونکہ وہ ایک معصوم صورت اور پیاری سیرت رکھتا تھا۔ انہیں اس عظیم المرتبت بھوپھی سے بھی عقیدت تھی۔ اس لئے وہ بچہ حضرت خدیجہ کے پاس بطور نذرانہ پیش کر دیا۔ بھوپھی جان نے بچے کو مہذب و شائستہ پا کر اپنے واجب الاحترام شوہر کی نذر کر دیا۔ چونکہ حضرت خدیجہ بہت زیادہ امیر و ثروتمند تھیں اور بقول مؤرخین جتنی دولت بکری کی اس امیر عورت کے پاس تھی اتنی کسی عورت کے پاس نہ تھی۔ لیکن شادی کے بعد حساس مزاج خدیجہ نے بھانپ لیا تھا کہ میرے شوہر کی عظمت اسی میں ہے کہ میں ساری دولت آپ کے قدموں پر نشان کر دوں۔ تا آنکہ وہ کسی آن بھی کمتری کا شکار نہ ہوں۔ مگر غنی نفس شوہر نے اس ساری دولت کو غریب اور یتیموں میں تقسیم کر کے اس کے جائز استعمال کا راستہ دنیا کو دکھا دیا۔ اس طرح تمام غلام آزاد کر دیئے گئے جن میں زید بن حارثہ بھی تھے۔

زید بن حارثہ کو ان کی پیاری عادات کی وجہ سے آپ نے باپ سے بڑھ کر پیار دیا۔ یہاں تک کہ وہ زید بن محمد کہلانے لگے۔ مگر ہجرت کے بعد جب خداوند عالم کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں تو زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ جب زید بن حارثہ نے سنا کہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ادعوہم

لا بآدھم۔ بیٹوں کو باپوں کے نام سے پکارو۔ تو وہ خاموش ہو گئے اور زید بن حارثہ کہلانے لگے۔

زید بن حارثہ وہ پہلا خادم ہے جو مسلمان ہوا اور رسول خدا کے سچے مذاہب میں شامل ہو گیا۔ انہیں یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ فتح جنگ بدر کی خوشخبری لے کر وہ سب پہلے آدمی تھے جو مدینہ پہنچے۔ گویا وہ فتح کے پہلے قاصد تھے۔ عبداللہ بن رواحہ مدینہ کے بلند حصہ کی طرف گئے۔ جبکہ زید بن حارثہ نشیبی علاقہ کی طرف گئے تھے۔

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ہمیں یہ خوشخبری اس وقت ملی جبکہ ہم حضرت رسول خدا کی صاحبزادی رقیہ پر جو حضرت عثمان بن عفان کی زوجیت میں تھیں مٹی برابر کر رہے تھے (انہیں دفن کر رہے تھے)۔ ہمیں خبر ملی کہ زید بن حارثہ آتے ہیں۔ تو میں ان کے پاس پہنچا وہ مسجد میں کھڑے تھے۔ اور لوگوں نے انہیں گھیرا ہوا تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل بن ہشام وغیرہ ماسے گئے ہیں کہا انا جان کیا یہ صحیح ہے۔ انہوں نے کہا۔ دافند بالکل صحیح ہے۔

زید بن حارثہ کا پیار رسول خدا کے ساتھ عشق کی حد تک تھا۔ کون ہے جو اپنے دیرینہ بھڑے ہوئے ماں باپ کے سامنے صاف صاف دو لفظوں میں انکار کر دے۔ "کہ میں آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا"۔ آپ میرے لئے میرے چچا اور باپ سے بڑھ کر ہیں۔ زید کے باپ نے غصہ سے کہا کہ تو غلامی کو حریت پر ترجیح دیتا ہے۔ زید نے کہا جو محبت میں نے یہاں دیکھی ہے اس پر میں ترجیح کسی کو نہیں دے سکتا۔ آپ نے جب زید کا یہ جواب سنا تو خازن کعبہ کے پاس زید کو لے جا کر تباہ و برباد فرمایا۔

"اے لوگو گواہ رہو کہ آج سے میں زید کو آزاد کرتا ہوں۔ اور اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ یہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا"

زید کے چمانے جب یہ نظارہ دیکھا تو خوشی سے زید کو چھوڑ گئے۔

حضرت زید بن حارثہ وہ خوش نصیب باپ ہیں جن کے بیٹے اسماء بن زید کو رسول خدا نے جنگ کاسبہ سالہ مقرر فرمایا تھا۔ اور آپ کا وہی سلوک اور وہی پیار اسماء سے تھا جو زید بن حارثہ سے ہوا کرتا تھا۔ حضرت زید کی شرف بزرگی و عظمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ حضور نبی کریم کے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت زید کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ۛ

پہلی پیشکش

قریش مکہ کے وفد کے حفری
(بعد از نبوت)

ابن اسحاق نے کہا کہ اسلام جب مکہ کے اندر قریش کے قبیلوں میں پھیلنے لگا تو ظالم قریش خود ہی اپنے جو رو جہا پر سبقت لینے لگے۔ اور خصوصاً بے یار و مددگار غریبوں کے لئے تو سخت مصائب کے دن شروع ہو گئے۔ جس پر ان کا بس چلتا قید کر لیتے اور جیسے تکلیفیں دے سکتے تکلیفیں دیتے اور درجہ دیتے۔ لیکن خدا کا سچا رسول ان مخالفتوں سے بے نیاز توحید کا پیغام سنانے میں موت کو بھی قبول کرنے کو تیار تھا۔ پھر اور کیا چیز تھی جو آپ کو اعلیٰ کلمۃ اللہ سے روک سکتی تھی۔ شریف الطبع لوگ تو بار غلبت اسلام کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن مکہ کے سرداران رؤساء کی سختیاں بھی جب کار آمد ثابت نہ ہوئیں۔ تو وہ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابوطالب کے پاس پہنچے۔ اس وفد میں ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ۔ ثنیہ بن ربیعہ۔ الاسفیان۔ الخضر بن حارث۔ ابوالخیر بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل بن ہشام۔ عبداللہ بن امیہ۔ العاص بن وائل وغیرہ وغیرہ شامل تھے ۛ

وفد نے ولید بن مغیرہ کو گفتگو پر آمادہ کیا۔ وہ یوں گویا ہوا۔ کہ اے محمد! آپ نے جو بات اپنی قوم پر دھائی ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو برا کہا۔ دین پر عیب لگائے عقل مندوں کو احمق قرار دیا اور ہمارے معبودوں کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔ اگر یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ:

۱۔ کچھ مال چاہتے ہو تو ہم اپنے مال میں سے اتنا جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب میں سے زیادہ امیر آدمی بن جاؤ گے۔

۲۔ اور اگر اس لئے کرتے ہو کہ اعلیٰ مرتبہ ہمیں مل جائے تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لیتے ہیں۔

۳۔ اور اگر اس کے ذریعہ تم حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔
۴۔ اور اگر یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہو کہ کوئی خوبصورت شادی چاہتے ہو تو واللہ ہم عرب کی حسین ترین دوشیزہ سے تمہارا بیاہ کر دیں گے۔

جب وہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو آپ نے فرمایا:

”اے چچا! اگر آپ کو اپنی کمزوری کا خیال ہے تو آپ بے شک مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر میں احکام الہی پہنچانے سے کبھی نہ رکن کا۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔“

پھر آپ نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیے۔ جو تم کہتے ہو۔ جو کچھ میں لانا چاہتا ہوں وہ اس لئے نہیں کہ اسکی معاوضہ میں تم سے مال حاصل کروں۔ نہ اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہوں۔ نہ حکومت کا خواہاں ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیامبر بنا کر بھیجا ہے۔ مجھ پر ایک کتاب اتاری ہے۔ مجھے حکم فرمایا ہے کہ تمہارے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہو جاؤں۔ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اور تم سے خیر خواہانہ بات کہہ دی۔ اگر تم نے وہ باتیں

مان لیں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ تو دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے خوش نصیبی ہے۔ اور اگر تم نے مجھ پر لوٹا دیں تو میں حکم الہی تک صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔

عتبہ کے چہرے کا رنگ یہ ایمان اور اخلاص سے بھرا ہوا جواب سن کر زرد ہو گیا۔ اور ابوطالب نے سمجھ لیا کہ گو مجھے ایمان لانے کی توفیق نہیں ملی لیکن اس ایمان کا نظارہ دیکھنے کی توفیق ملنا ہی سب دولتوں سے بڑھ کر دولت ہے۔ پس انہوں نے ان پتھروں کے لاشوں میں تبدیل ہوتے نظر آتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے کہا۔ ”اے میرے بھتیجے! جا اور اپنا فرض ادا کر تا رہ قوم اگر مجھے چھوڑنا چاہتی ہے تو بے شک چھوڑ دے۔ میں نہیں نہیں چھوڑ سکتا۔“

یہ تھی پہلی پیشکش جو کفار مکہ نے ابوطالب کے سامنے حضرت رسول خدا کے سامنے پیش کی۔ اور وہ کسی بھی صورت میں کسی مقام پر کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ عبادت کی آزادی بھی حاصل نہ رہی۔ ان حالات میں آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ بڑے بڑے لاپرواہ اور اُدبے سے اُدبے خوک کو ہر پشتہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔ لہ

پہلا دار التبلیغ یا اسلامی دار

دارالارتم ۲۴ ربیعہ

اس نے مجھے دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا ہے۔ میں اسی کے نام پر اپنے دعویٰ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔

یہ اعلان تھا جو سب سے پہلے اقربا کو آپ نے سنایا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ لائق لوگوں تک بھی پہنچ گیا جو بھی آپ کو صادق و امین کہتے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا پیغام واحدانیت تھا۔ جو ان کے عقائد کو باطل قرار دیتا تھا۔ اب تو انہیں اس اعلان کے بعد اپنے جان کے عقائد کو باطل قرار دیتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے عقائد کی حفاظت کرتے اور اپنے باپ دادا کے مذہب و رواج کو بگڑنے سے روکتے۔ چنانچہ مخالفت کے تمام سامان مہیا کر دیئے گئے اور آپ پر مشکلات و مصائب کے دروازے کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنی مرضی سے

آپ عبادت کی آزادی بھی حاصل نہ رہی۔ ان حالات میں آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو کی طرف بلانے کے لئے ایک محفوظ مقام ہونا چاہیے۔ جہاں بلا روک ٹوک ہم عبادت کر سکیں۔ اپنی تبلیغ کر سکیں اور اظہار رائے کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے ایک ایسے مکان کی ضرورت تھی جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ کوہ صفا کے دامن میں ارقم بن ارقم مخزومی کا مکان تجویز کیا گیا۔ اور آپ اس میں مقیم ہو گئے۔ تمام مسلمان یہیں جمع ہوتے نماز پڑھتے۔ ملاشایان حق بھی یہیں آتے اور گفتگوں دین کی باتیں سنتے رہتے۔ پس

پہلا قرآنی مدرسہ تھا جو سید الانبیاء کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا اپنے ایسے ہی نبوت کے چوتھے سال سے لے کر چھٹے سال تک اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔ اور ایسے نامور اساتذہ پیدا کئے۔ جو کسی ظاہری

راشد با شمس ربک فرما کر جو ذمہ داری خداوندی عالم نے آپ کو سپرد کی آپ نے اسے گلے لگا لیا۔ اور اپنے آپ کو کھولی کر خدائے واحد لا شریک کی طرف سے اسی مختصر عمارت میں ایمان لانے والوں کو ساقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ آپ اُٹھے اور اعلان کیا کہ اے سردارانِ مکہ! تمہارے دربار کے حقیقت نہیں رکھتے۔ بلکہ سچا رتبہ یہی ہے جسے تمہیں پیدا کیا۔ اور اعتقادات باطل ہیں اور ربوبیت کی شان کے خلاف ہیں وہ وحدہ لا شریک ہے۔

دوسرے مبلغ اسلام حضرت زید بن خطاب تھے۔ جو حضرت عمر کے بڑے بھائی

قرآن مجید کی پہلی جہی تلاوت

عبداللہ بن مسعود - سگہ نبویؐ

نوحیٰ نے کہا ہے کہ مجھ سے ابو یحییٰ نے روایت کی کہ عبداللہ بن مسعود پہلے شخص ہے جس نے رسول خدا کے بعد مکہ میں بندہ آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ ایک دن رسول خدا کے پاس سے صحابہ کرام آپ کے پاس جمع تھے۔ چونکہ قرآن نے بلند آواز سے کبھی تلاوت قرآن نہیں سنی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ تلاوت کے اثرات سے ان کو واقف کرایا جاتا ہو کہ خدا کا رسول یہ جانتا تھا کہ خداوند عالم نے تلاوت میں کیا اثرات رکھے ہیں۔ کہ جو نبی سے گا۔ وہ خشیت قلب کی دولت سے حصہ لے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ قرآن نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کہیں نہیں سنا تھا۔ پس کوئی شخص ہے جو انہیں قرآن سنا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود قبیلہ ہزریل کا ایک غریب لڑکا آگے بڑھا اور لبیک کہتے ہوئے کہا کہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ سب نے کہا کہ اللہ تمہارے لئے یہ کام خطرناک ہے۔ ایک تو تم غریب ہو دوسرے کسی ممتاز خاندان کے تہوار اعلق نہیں ہے۔ ہم تو ایسا شخص چاہتے ہیں جو خاندان والا ہو تاکہ اگر قریش بن مجید سن کر غصہ و جنون میں آجائیں تو ان کی بدسلوکی اور اذیت کا تقاضا ہی ہو گا کہ ان کا خاندان اس کی حفاظت کرے۔ لیکن ابن مسعود نے فرمایا۔ ”مجھے چھوڑ دو“

لئے میری حفاظت کرے گا یہ

اگلے دن ابن مسعود عین کعبہ میں ایسی جگہ پہنچے جہاں قریش اپنی مجالس کیا کرتے تھے۔ اور اپنے ہم جلسوں میں بڑھائی اور غور کے فقے الاپا کرتے تھے۔ مقام عین کعبہ کے پاس حضرت ابن مسعود کھڑے ہوئے۔ اور بلند آواز سے زَیْلَ الْقُرْآنِ پڑھنے لگے۔ ان کے مطابق تلاوت قرآن مجید شروع کر دی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان سے بڑا پیار تھا۔ اور ان کی وفات کا صدمہ بھی بہت بڑا تھا۔ باقی خوش نصیب انسان جو اسی دار التبلیغ میں مبلغ بن کر نکلے اور حضورؐ کے ساتھ دست و پا ہو کر میلان تبلیغ میں آئے۔ عمار بن یاسرؓ۔ حضرت صہیب بن سفیانؓ۔ اور حضرت جعفرؓ ابی طالب تھے۔ پھر اسی طرح حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم جو حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے ان میں سے تھے اور نابینا بھی تھے اسی دار التبلیغ سے ہی حصول تعلیم کے بعد اشاعت تبلیغ کے لئے نکلے تھے۔ مندرجہ بالا حامل قرآن شخصیتیں زندہ و پابندہ رہیں گی۔ ان میں دار ارقم بھی اسی طرح زندہ جاوید رہے گا جس نے اپنے پیاروں کی حفاظت کی اور دشمنوں سے انہیں محفوظ رکھا اور پناہ گاہ ثابت ہوا۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ دار ارقم میں اسلام لانے والوں میں سے آخری حضرت عمرؓ تھے جن کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور ادھر سلسلہ نبوی میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور کھلم کھلا دعوت حق دینی شروع کر دی۔

ابراہیم پاشا رفعت امیر الحجاز المصری نے ۱۲۸۷ھ میں اپنے سفر نامہ میں جلد ۱ ص ۱۹۵ میں تفصیلی ذکر کیا ہے کہ دار ارقم ایک گلی میں سیڑھی کے بائیں طرف واقع ہے صفائی طرف کھلتی ہے۔ اس جگہ چار دیواری ہے جسکی اندر جنوب مشرق میں دو حجرے ہیں جن سے ہوئے ہیں۔ ایک حجرہ پر عربی حروف میں کندہ ہے :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - فی بیوتِ اذن اللّٰہ ان ترفع و تذکر فیہا اسماء یسبح لہ فیہا بالحدود والامال - دوسرے حجرے کی پیشانی پر ہے :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - ہذا مغتیا رسول اللہ المحدث بداد الخیزرانے“ دار الخیزران کا حجرہ دو قیاطم آٹھ کربا اور سوا گز چار پوس یہ تھا پہلا قرآنی مدرسہ۔ پہلا دار التبلیغ اور پہلا جامعہ جسکی روحانی بنیاد کے سرور معلم آسمانی سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام تھے۔

میں ایک سمجھدار آدمی ہوں۔ کیا حوج ہے کہ میں اس کی بات سن لوں۔ اگر اچھی ہے تو
لوں گا اور اگر بُری ہے تو انکار کر دوں گا۔ لیکن جب کلام الہی سنا تو وہیں اسی وقت
انہی سانسوں سے کلمہ توحید پڑھ کر حلقہ یگوشی اسلام ہو گئے تو یہ تھا۔ جہری تلاوت
کا سحر۔ جس کا طلسم کئی سعید روحوں کو بھیج لایا۔

پہلی بار جہری تلاوت کرنے والا وجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا جن کو خدا
نے قرآن مجید کی تلاوت میں خاص ملکہ دیا ہوا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک
رسولؐ نے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ
قرآن سناؤں؟ حالانکہ قرآن شریف تو آپ پر نازل ہوا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ
یہ بھی پسند ہے کہ میں دو مہرؤں کے منہ سے سنوں۔ پس میں نے سورہ نساء
سے کچھ حصہ پڑھا۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔ کیا حال ہو گا جب ہر ایک
امت میں ہم ایک شہید لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر شاہد مقرر کریں گے۔ تو
برداشت نہ کر کے۔ اور آپ نے فرمایا۔ بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھیں
آنسو رواں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔
خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز دیا کہ اس یومِ فزان کو ابوجہل کی گردن حضورؐ کی خدمت
پیش کی۔ وہ دشمن خدا اور رسولؐ دو کمسن بچوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ لیکن خاک پا
تروپ رہا تھا۔ رسولؐ خدا نے ابوجہل کی لاش پا کر فرمایا۔ کوئی جا کر دیکھے کہ ابوجہل
کیا حال ہے؟ عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور بلیک یار رسولؐ اللہ کہتے ہوئے
کی طرف گئے اور ابوجہل کو ایک جگہ جان توڑتے ہوئے پایا جبکہ وہ قریباً اپنے
کو پہنچ چکا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے پوچھا کہ تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا ہاں
نے مجھ سے بھی بڑا کوئی شخص قتل کیا ہے؟ یعنی میں سب سے بڑا آدمی ہوں جنہ
نار ہے؟ حسرت سے کہنے لگا۔ "لو غیبرا کار قتلتنی"۔ کاش میں کسی کا
کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا۔ پھر اس نے پوچھا مدائن کس کے ہاتھ لڑے۔ میں نے جواب
دیا کہ خدا!۔ اس کے رسولؐ کے ہاتھ میں۔ ابوجہل بالکل بے حس و حرکت ہو گیا۔

جان دے دی۔ مرتے وقت اُس نے خواہش کی کہ میرا سر گردن کے نیچے سے کاٹنا
تاکہ امتیازی نشان رہے۔ لیکن ابن مسعودؓ نے اس کا سر گردن کے نیچے مقام سے
نہیں کاٹا تھا۔ بلکہ پستہ گردن والا سر بنا ڈالا۔ تاکہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ
ہو جائے۔ جو عین انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ جب ابن مسعودؓ
وہ سر رسولؐ خدا کے پاس لائے۔ اور عرض کی یا رسولؐ اللہ! یہ دشمن اسر ہے۔ تو آپ
نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا و یقطع دابر الکافرین کے مطابق
خدا تعالیٰ کا قول پورا ہوا۔ دشمن اپنی موت آپ مر گیا۔ خال الحمد لله علی ذالک۔

پہلا مہاجر جوڑا

حضرت عثمان بن عفانؓ تھے معزز قبیلہ بنی ہاشم کے تھے

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخت جگر و عظیم دستر حضرت رقیہ اور ان کے شوہر
حضرت عثمان بن عفانؓ وہ پہلا جوڑا تھا۔ جو اپنے باپ کاؤں کو خیر یاد کہہ کر مکہ کی مہاجرین سے
باہر نکل گیا تھا۔ وہ اسلام کی کرنوں سے منور جوڑا بھاری قدموں اور بوجھل دل سے
رواں دواں تھا۔ کیونکہ وہ جوڑا آج اپنے وطن عزیز کو اپنے دین و ایمان کی خاطر قربان
کر رہا تھا۔ وہ گلیاں اور بازار جن میں وہ پلے بڑھے تھے ان پر تنگ کر دیئے گئے تھے
لیکن معزز بشری ہوتے ہوئے بھی حضرت عثمانؓ احتجاج کے لئے نہیں اٹھے تھے بلکہ
حکومت و عوام کے سامنے اپنا راستہ ہی بدل گئے تھے۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے
فضلوں سے وہ اکابر مہاجرین منعم علیہ گروہ میں شمار ہونے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ نے
ان پر ایسے ایسے انعامات کئے کہ تاقیامت ان کا نام زندہ و پائندہ رہے گا۔ یہاں تک
کہ وہ خلیفہ الرسول بننے کا شرف بھی پا گئے۔ خلافت کا منصب پا جانے کی گرفت قدر
قرامیوں کا ہی نتیجہ ہے۔

پس یہ وہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان الغنیؓ ہیں جن کا عرصہ خلافت تمام خلفاء راشدین سے طویل ہے۔ انہوں نے گیارہ سال گیارہ ماہ خلافت کی عظیم ذمہ داری کاندھوں پر اٹھائے رکھی۔ اور کما حقہ خدمت اسلام بجالائے۔ یہاں تک کہ اسلام کے استحکام کے لئے جام شہادت تک نوش فرمایا۔

حضرت عثمانؓ عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو عمر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں دعوت اسلام دی تھی۔ اور انہی کے ہاتھوں وہ حلقہ ہمدان میں شامل ہوئے تھے۔ اور عشرہ مبشرہ میں مقام پایا تھا۔ اتفاق سے انہیں دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ ایک دفعہ آپ حبشہ کی طرف گئے اور دوسری طرف مدینہ کی طرف چلا پڑا۔ ان کا پہلا نکاح نبوت سے پہلے حضرت رسولؐ خدا کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے ہی ہوا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے نکھا ہے کہ زمانہ اسلام میں ان کا نکاح ہوا تھا۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ مؤرخین کا خیال ہے کہ طلاق کی وجہ حضور نبیؐ پاکؑ لعنت ہی تھی۔ کیونکہ جب حضرت صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح عقبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن عقبہ کے باپ ابولہب نے نبوت کے دعویٰ سے چوڑ کر رخصتی سے پہلے ہی اپنے بیٹے کو حکم دیا تھا کہ تم محمدؐ کی بیٹی کو ضرور طلاق دے دو۔ چنانچہ بیٹے نے باپ کا کہا ماننے ہوتا اپنی شکوہ کو طلاق دے دی تھی۔ اور بعد میں حضرت عثمانؓ نے ان سے شادی کر لی۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ جب ہجرت کر کے حبشہ گئے تو ایک مدت تک ان کو کوئی حال و احوال معلوم نہ ہو سکا۔ حضورؐ کو تشویش لاحق ہوئی۔ ایک عورت نے آکر اطلاع دی کہ اُمی نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے ازراہ شفقت دعا دی۔ فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبیؐ کی کو ساتھ لے کر ہجرت کی ہے۔

حبشہ میں ان کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ جو دو سال بعد مکہ ہجری کو حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس کی نماز جنازہ حضرت رسولؐ پاکؑ نے پڑھائی۔ اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اتارا کیہ

صاحبزادی حضرت رقیہؓ رمضان المبارک ۳۰ ہجری کو اکیس بائیس سال کی عمر میں وفات پانگیں۔ فتح بدر کی خوشخبری جب زید بن حارثہؓ کے مدینہ پہنچے تو اس خوشی کی خبر کے ساتھ ہی انہیں غم کی خبر کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ افسوس کہ وہ انتقال فرما چکی تھیں۔ اور کفن و دفن کا انتظام ہو رہا تھا۔ نماز جنازہ میں نبیؐ پاکؑ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اور ادھر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھی بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اگرچہ ان کا شمار اہل بدر میں کیا جاتا ہے۔ اور حضور نبیؐ پاکؑ نے انہیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا تھا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شادی ام کلثومؓ سے ہوئی اور منجملہ دوسرے خصوصیات کے ایک یہ بھی خصوصیت ان کو حاصل تھی کہ دنیا میں کسی کا نکاح کسی نبیؐ کی دو بیٹیوں سے نہیں ہوا۔ سو اسے حضرت عثمان الغنیؓ کے سبب سرور کائناتؐ کی دو صاحبزادیوں کے جنازہ کی دعا ہوئے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی لئے انہیں ذوالنورین بھی کہتے ہیں۔ پس بن سعد کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ جنت میں ایک محل سے دوسرے محل میں جائیں گے۔ اس وقت دوسرے تہ فرائی تجلیاں ہوں گی۔ اس لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

بہر حال ہر جہت سے ان کو رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت و محبت حاصل تھی۔ حضرت عثمانؓ کی ماں ام کلیم السیفاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ اور حضورؐ کے والد کی جڑواں بہن تھیں۔ قربت و محبت کے علاوہ وہ نور جان کو خدا کے محبوب کے حلقہ سے میسر آیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کو اتنا محبوب کر گیا کہ عشرہ مبشرہ سے علاوہ۔ وہ ان چھ افراد میں سے بھی تھے جن سے حضورؐ رحلت تک راضی تھے۔

یہاں تک کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا جب غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ خندق پر تشریف لے گئے تھے تو اپنے پیچھے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔

طبیعت کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ ایک خاموش الطبع خیر انسان تھے۔

اسلام کے لئے انہوں نے اتنی قربانیاں دیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے دو مرتبہ رسول خداؐ سے جنت مولیٰ لی۔ ایک دفعہ کنواں خرید کر دوسری مرتبہ کنواں کے لئے ساز و سامان جنگ دے کر۔ بیشک وہ فضیلت مآب تھے کہ پہلی اسلام کی صلیح میں وہ پہلے سفیر اسلام تھے۔ کیونکہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے افضل تھے۔ جنہیں اللہ والے بھی قبول کر گئے۔ اور ان کی دوستی و قرابت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی بات کو پر تیار ہو گئے۔ نہ صرف مذاکرات بلکہ حضرت عثمانؓ کو انہوں نے طواغیت کی بھی جنگ کی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے خود یہ پیشکش قابل قبول نہ خیال کی۔ کیونکہ جس کا آقا طواف باہر منتظر ہو اس کا خادم اکیلے طواف کیسے کرے۔ چنانچہ یہ بلکہ طواف نہ کیا کہ جب تک میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ اور مذاکرات میں کچھ دیر بوجھانے کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر رسول خداؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا۔ اور موت کے نام پر بیعت لی۔ اور یہ پہلی بیعت تھی۔ اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم دشمن کے مقابلہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ چاہے سب مارے جائیں۔ جب سب بیعت کر چکے تو رسول خداؐ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ اس وقت عثمانؓ یہاں نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ مارے گئے ہوں اور ممکن ہے وہ زندہ ہوں۔ اس لئے آپؐ نے اپنا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ میں عثمانؓ کی جگہ بیعت کے لئے ہاتھ رکھتا ہوں۔

اب اگر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کی قربانیوں کے بدلے انہیں وہ مقام عطا کیا کہ ان کا ہاتھ نبی کا ہاتھ قرار پایا اور اس طرح نبی پاکؐ سے حضرت عثمانؓ نے اتنا بڑا اعزاز عطا کیا۔ اُس کے مقابل میں ہزار سالہ زندگی بھی بیسویں فی صدی ضرورتی وجاہت کے لحاظ سے بھی حضرت عثمانؓ ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ حضرت ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت عثمانؓ کی نکاح جب اہل کثوم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ بیٹی! تمہارے دو ہاں کے دادا حضرت

ابو ہاشم اور تمہارے باپ محمد مصطفیٰ صلعم صورت میں مشابہ ہیں۔ بے شمار فتوحات کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کو یکجا یعنی جمع کر کے مسلمانوں پر احسان کیا۔ دوسرے مسجد نبویؐ کی توسیع کی اور تراشیدہ پتھروں سے اسی کی تعمیر کرائی۔ اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائے۔ اور چھت پر ساگوان لگوایا۔ یہی خلیفہ تھا جس نے مسجد کو یہ شکل دی۔ اس وقت کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ تھا۔ نیز ایک سو چھیالیس احادیثیں بھی آپؐ سے مروی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت آیام تشریق عید الاضحیٰ کے دن ہوئی۔ اس وقت آپؐ کی عمر چھیالیس سال تھی۔ ان کو شہید کرنے والا مصری شخص تھا۔ جس کا نام حمار تھا۔ وہ سرخ رنگ اور نیلی آنکھوں والا نوجوان تھا۔ اُس نے انہیں عین دن کے وقت شہید کر دیا۔ جبکہ آپؐ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ ان کی انگلیاں بھی کٹ کر ہاتھ سے جدا ہو گئیں۔ انہیں ہفتے کے دن مغرب و عشاء کے درمیان جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ جسے ہش کوکب کہتے ہیں۔ ان کی شخصیت اولین ہے جسے یہاں دفن کیا گیا تھا۔ نماز جنازہ بموجب وصیت حضرت زبیرؓ نے پڑھائی اور انہوں نے ہی لحد میں اتارا تھا۔

آپے کا پہلا مسلمان چچا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عبد المطلب

وہ ہمارے یتیموں کے لئے دوسروں پر غالب آ جاتا تھا اور بڑے بڑے مفکروں میں اسلحہ جنگ کے ساتھ گود جانے والا شیر تھا۔

بیشک یہ گودنے والا شیر اسد اللہ و اسد رسول تھا۔ خدا کا شیر حضرت وہ خوش نصیب چچا ہے جس کو سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے کی بحیثیت کے سعادت حاصل ہوئی۔ وہ رسول خدا کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ حمزہ کی رضعت نبیہ کا دودھ چند دن حضور نے بھی پیا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کی بلکہ حق تو یہ ہے کہ اتنی تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ دیکھیں وہ پکار کیا ہے جس کی طرف میرا اپنا رضاعی بھائی بلا رہا ہے۔ میری قریح میں ماہ سال حتیٰ کہ چھ سال گزر گئے لیکن بندہ خدا نے کبھی تجسس نہ کیا کہ آخر صحت کس بستی کی نشاندہی کر رہا ہے۔

خون کا جوش اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ انسان خون کے جوش کے سامنے جو غیرت کا گلاب دبا دیتا ہے۔ حضرت حمزہ کا ایمان لانے کا واقعہ بھی کچھ خونی غلبہ کی ایک جوشیلی مثال ہے۔

”ایک دن حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو ایک خادمہ نے بڑھکھٹکائی کی کہ ابھی ابھی ابو جہل آیا اور تمہارے بھتیجے کو گالیاں دے کر گیا ہے۔ مگر آفرین محمد پر کہ جس نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔“

حضرت حمزہ نے واقعہ کی ساری تفصیل سنی اور غیرت سے بے تاب ہو کر باہر نکل آئے مجلس کفار میں اگر دیوار میں ٹیک لگالی اور کمان پر سہارا لگا کر کچھ کہنا

لیکن شدت غم سے کچھ بات مٹنے سے نہ نکلی تھی کہ ابو جہل بولا خیر تو ہے۔ تم تو ایسے کھڑے ہو جیسے کوئی لڑائی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ امیر حمزہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور فطرتی غیرت جوش زن ہوئی اور اپنی کمان پورے زور سے ابو جہل کے سر پر دے ماری۔ اور کہتا مٹنے محمد کو گالیاں دی ہیں۔ ظالم تھا سب ظلم کی کوئی انتہا بھی ہے۔ لے سُن لے! میں بھی آج اس کے دین پر ہوں۔ اور آج میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ پس اگر تجھ میں کچھ بہت ہے تو میرے سامنے بول۔ ابو جہل کے ساتھی حمایت میں اٹھے لیکن حضرت حمزہ کی دلیری و جرأت ابو جہل کو ساکت و ششدر کر گئی۔ اور اُس نے یہ کہہ کر کہ واقعی مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ معاملہ ختم کر دیا۔ حضرت حمزہ جب مجلس سے نکلے تو عظیم بول پر غور کرنے لگے۔ کہ یہ غصے کا فیصلہ کس حد تک قابل قبول ہے؟ ”میں بھی محمد کے دین پر ہوں“ بظاہر جوش کا فیصلہ تھا۔ لیکن جڑھیں دل کی گہرائی تک اتر چکی تھیں۔ چنانچہ شرک سے توبہ کی اور ایک دو دن بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے۔ اور فاتحانہ طور پر اپنا سر خدا کے تادرو خالق کے سامنے جھکا دیا۔ پس اُن کے غصہ کا فیصلہ بھی فولادی چٹان کی طرح ثابت ہوا۔ رسول خدا کو اپنے چچا سے بے پناہ پیار تھا۔ اُن کے فولادی فیصلے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ اور قریش مکہ کو انہوں نے سمجھا دیا کہ سچائی کے وہ جذبات جو میرے بھتیجے کے سینے میں ابھرے ہیں۔ اُن میں آج سب سے نبوی سے میری دھڑکنیں بھی شامل ہیں۔ اب کمزور و ناتواں مومنوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ دنیوی لحاظ سے حضرت ابو جہل کے علاوہ حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کی طاقت و عظمت بھی شامل ہو گئی جس کے اثرات چنداں بہت اچھے ہوئے۔

حضرت حمزہ کا نازک وقت میں ایمان لانا ایک غیبی طاقت تھی جو سید المخلوق کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ آپ جوشیلے اور جنگ و قتال کے بہت ماہر تھے اور جدال و قتال میں ہمیشہ سبقت لینے میں کوشاں رہتے تھے۔ جنگ بدر میں وہ پیش پیش تھے۔ جنگ احد میں وہ ایک ایک کا صفایا کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ارطاح

بن عبد شریل کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ارطاة ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے جنداً اٹھا رکھا تھا۔ پھر سباح بن عبد العزیٰ حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھا کہ وحشی جبر بن مطعم کا ایک حبشی غلام جو کہ اسی تاک میں تھا کہ کوئی موقع ملے۔ کہ حضرت حمزہؓ کو مار کر آزادی حاصل کی جائے۔ کیونکہ جبر بن مطعم نے اسے قول دیا تھا کہ اگر وہ جبر کے چچا طقیجہ بن عدی جو کہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ کا انتقام محمدؐ کے قتل کر کے لے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا۔ اپنی آزادی کی خاطر وحشی نے (جبر) حبشیوں کے انداز پر اس طرح حرب پھینک کر مارا تھا کہ کم ہی خطا کرتا تھا) کہا کہ حمزہؓ نے سباح بن عبد العزیٰ پر تلوار کا وار بڑی تیزی سے کیا۔ مگر وہ خطا کیا کہ اس وقت میں نے اپنا حرب چلا کر اور خوب نشانہ باندھ کر اس طرح پھینکا کہ وہ خطا ان کی ناف کے اوپر کے حصے میں جا لگا۔ اب حمزہؓ میری طرف لپکے لیکن وہ شکستہ ہو چکے تھے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر رسول خداؐ بے حد رنجیدہ ہوئے۔ کیونکہ آپ کے وہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اور ایسے وقت میں اپنے خاندان میں سے ایمان لائے کہ مسلمانوں پگھلنے کی زندگی حادی تھی۔ ایک دفعہ جب وحشی نے اسلام اختیار کیا تو آپ نے اس کے سارا واقعہ شہادت خود سنا۔ فرمایا: ”بیٹھ جاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا؟“ وحشی نے من و عن سارا واقعہ سنایا تو رسول خداؐ نے فرمایا: ”برا ہو تیرا اپنا چہرہ میرے سامنے سے ہٹالے۔“ میں تیرا چہرہ کبھی نہ دیکھوں۔“

وحشی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب کبھی جہاں بھی رسول خداؐ ہوتے۔ میں ہمیشہ ایک طرف منہ چھپا کر کھڑا ہو جاتا۔ تاکہ آپ کو میری صورت نظر نہ آئے۔ وحشی کہتا ہے کہ رسول خداؐ کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت حمزہؓ کو میں نے قتل کیا۔ جس کا بدن میں نے سیلہ کتاب کو قتل کر کے اتار دیا۔ کیونکہ وہ سب سے بدتر انسان تھا۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ہندہ بنت عتبہ نے ان کا مثلہ کیا اور دوسرے

عورتیں بھی ہندہ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرامؓ جو شہید ہوئے تھے ان کے کان۔ ناک۔ کانکر مار۔ بندے اور یازیب بنا رہی تھیں۔ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کے کان اور ناک کاٹ کر خود اپنے مار۔ بندے اور آدیزے اتار کر وحشی کو دے دیئے اور ان کے اعضاء مار بنا کر پہن لئے۔

یہاں تک کہ ان کا جگر چیر بھاڑ کر چبانا چاہا۔ نکلنے کی کوشش کی اور جب نکل نہ پایا تو تھوک دیا۔ پھر اونچی چٹان پر چڑھ گئی۔ اور بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگی میں ساری عمر وحشی کی شکرت گزار رہوں گی۔ یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں گل نہ جائیں۔“

جب رسول خداؐ نے یہ منظر دیکھا تو اس قدر غصے کے جذبات آپ کے جگر پر نمودار ہوئے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ تمہاری وجہ سے مجھے جو مصیبت پہنچی ہے۔ آئندہ کبھی نہیں پہنچے گی۔ میں کبھی ایسی جگہ نہیں ٹھہرا جو اس کے زیادہ مجھے غصہ دلانے والی ہو۔ پھر فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ ساتویں آسمان کے لوگوں میں حمزہؓ کے متعلق کھا گیا ہے کہ حمزہؓ ابن عبد المطلب اسد اللہ و اسد رسول۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبد اللہ بن جحش کو (ماموں۔ بھانجا) ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن جحش کا بھی مثلہ کیا گیا تھا۔ حضرت عباسؓ کے فرزند عبد اللہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول خداؐ نے حضرت حمزہؓ کو ایک چادر میں پیٹنے کا حکم دیا۔ اور نماز جنازہ پڑھائی جس میں سات تکبیریں کہیں۔ پھر دوسرے شہیدوں کو لایا گیا۔ اور یکے بعد دیگرے حضرت حمزہؓ کے بازو میں رکھتے گئے۔ اور آپؐ ان کی نماز جنازہ پڑھاتے گئے۔ ساتھ حضرت حمزہؓ کی بھی نماز جنازہ ہوتی رہی اس طرح حضرت حمزہؓ پر رسول خداؐ نے بہتر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی۔ شعراء نے اپنے اپنے درد کے مطابق ان کے مرثیے کہے۔ کعب کہتے ہیں۔ ”حمزہؓ ایک ایسے سردار تھے۔ جو بنو ہاشم میں چوٹی کے آدمی تھے جن میں نبوت عطاء ہوئی بخشش

اور سرداری کی صفت موجود تھی۔ اب حمزہؓ کو کہو کہ میں بالکل شکستہ اور بوڑھا ہوں۔ بوجہ ہماری شہادت کے۔

پہلی مسلمان شہید عورت

حضرت سمیہؓ۔ سلمہ نبویہ

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیان کی فہرست میں جہاں عورتوں کا نام کے اشارہ کا ذکر آتا ہے۔ وہاں خوشی کی بات ہے کہ صحابیات بھی کسی قربانی سے پیچھے نہیں رہیں۔ جب کہ قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان عورتوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار مددگار نہ تھا۔ مرد تو صبر کے مجسمے برداشت کرتے رہے لیکن عورت بوجہ ناقان و لطیف اعضاء کے ظلم کی چکی میں پسی گئی۔ لیکن ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئی۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ ایسی ایسی اونیٹوں میں گزرے کہ آج بھی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دراصل جنابؐ کا عظیم مشن ہوتا ہے اتنا ہی کھٹن پر صمت عزم و ایثار کا نمونہ دیکھنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اسلام کیلئے جانیں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اور قریش ان پر جو درستم کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ یوں قادیب سلیم کے باب پر غور کریں تو آزاد مسلمانوں پر بھی کچھ کم ظلم نہیں ہوئے۔ ان کے بزرگ اور خاندان کے بڑے باپ دلا مختلف قسم کی تکلیفیں دے کر توحید کے راستہ سے جدا کرنا چاہتے تھے حضرت عثمانؓ بن عفان صاحب جاہ و عزت تھے اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ جب ان کو ان کے اپنے چچا کے حکم سے رسی سے باندھ کر مارا جاتا تھا یہ حضرت ابوذر غفاریؓ۔ حضرت زبیرؓ بن عوام نے جو مصائب برداشت کئے وہ بھی غلاموں کی قادیب سے کسی حالت میں کم نہ تھے۔ غلام مردوں کے علاوہ بچاری مسلمان

کینز بھی تختہ مشق بنی رہیں۔ حضرت لبنی رضی اللہ عنہا۔ حضرت رزیزہؓ حضرت نبیہؓ اور ام عبیسہؓ تمام کی تمام صحابیات نے صبر آزمائی مصیبتیں سہیں لیکن حضرت سمیہؓ کا نام سرفہرست آگیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز دیا کہ وہ شہید ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئیں۔ اور مسلمان عورتوں کا فخر سے سر بلند کر گئیں۔ یہ پہلی عظیم مجاہدہ جیاد کی بیٹی اور مکہ کے ایک شخص ابو حذیفہ کی کینز تھیں۔ جب یاسر بن سے مکہ آئے تو ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کینز سمیہؓ کی شادی ان سے کر دی۔ عمارؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت سمیہؓ اور ان کے شوہر یاسرؓ اور بیٹے عمارؓ نے جب دعوت اسلام قبول کی تو اس وقت مطابق شبلی نعمانی تین آدمی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم کے مکان میں چلے گئے تھے۔ اور تیس سے زیادہ اشخاص ایمان لا چکے تھے۔ بہ طور عمارؓ اور ان کے والد و والدہ حضرت سمیہؓ کا شمار ابتدائی ایمان لانے والوں میں ضرور ہوتا ہے۔ پس ان ابتدائی ماننے والوں پر مصائب کی آندھیاں بھی بے شمار چلیں۔ انتہائی ظلم بھی ان پر کئے گئے لیکن وہ ظاہر میں انسان اور باطن میں فرشتے تھے۔ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ جب دوستوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا۔ تو خدا تعالیٰ ان کے دلوں میں کہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور یہ سب ظلم ان کے لئے راحت ہو جاتے تھے۔ گالیاں دعا میں بن کر لگتی تھیں۔ پتھر مرہم کے قاتل ہو جاتے تھے۔ جہاں ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا وہاں اخلاص اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ صحابہ کرامؓ آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر مصائب کی روئیداد سناتے جسے آپؐ کا چہرہ تکلیف سے سُرخ ہو جاتا۔ لیکن ہمیشہ آپؐ صبر کی تلقین فرماتے۔ اور فرماتے کہ ہمیشہ سے یہی سنت چلی آتی ہے کہ رسولوں اور ان کے متبعین کو دکھ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن انجام کار ان کی فتح ہوتی ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے بددعا کی درخواست بھی کی لیکن آپؐ نے فرمایا۔ ”دیکھو تم سے

پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سروں پر آسے چلائے گئے اور چیر ڈالے گئے۔
وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ دیکھو خدا اس کام کو خود پورا کرے گا۔ حتیٰ کہ ایک شترسور
صنعا سے لے کر حضرت موت تک سفر کرے گا۔ اور اُس کو سوائے خدا کے کسی کا دروازہ
ہوگا۔ پس مخالفتیں بڑھتی رہیں اور ایمان بھی ترقی کرتا رہا۔ حضرت سمیہؓ نے بنو
مخزومہ کی لگاتار اذیتیں برداشت کیں اور ثابت قدمی۔ صبر و استقامت سے بنی
شہادت کو گلے لگالیا۔ اور اس طرح وہ ایثار و قربانی کی درخشندہ پیکر بن گئیں۔
ایک دفعہ جب ان کو تکلیف دی جا رہی تھی تو سرور کائنات کا وہاں سے
گزر ہوا۔ ان کو اذیت دیتے ہوئے آپؐ نے دیکھا اور یہ دل آزار منظر آپؐ کے
دل کی گہرائیوں تک اتر گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

”يَا اَلَيْسَ مَوْعِدُكُمْ الْجَنَّةَ“

اے یاسر کے خاندان صبر سے کام لو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جنت
تیار کر رکھی ہے۔“

سو ہوا یہی کہ جہاں چند مسلمان مصائب سے تنگ آکر اپنے گھر بار کو الوداع
کہہ گئے تھے۔ یہ لوگ بوجہ غربت و کمزوری ہجرت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اور ہر روز
اسلام کا بدترین دشمن شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ اسکی حضرت سمیہؓ کا
گھر تک جلا ڈالا۔ ان کے شوہر حضرت یاسرؓ اور بیٹے حضرت عمارؓ کو زنجیریں پہنا
کر گھسیٹ کر قید خانے لے جاتا۔ اور حضرت سمیہؓ کو بالوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر
پھینکتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ جب وہ اپنے پیارے محبوب رسولؐ خدا کو
اپنی تکلیفوں پر دلگیر دیکھتیں تو اپنی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے باوجود
کہتیں۔ ”میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آپؐ کا وعدہ سچا ہے۔
آپؐ نے انہیں جنت کی خوشخبری دی اور یہ پیشگوئی تھوڑے دنوں میں پوری ہوگی۔
کیونکہ یاسرؓ مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔ اور حضرت سمیہؓ کو تپتی ہوئی سلاخوں
سے دغا گیا۔ یہاں تک کہ ابو جہل نے ان کی حق گوئی سے مشتعل ہو کر ان کی زبان پر

سے نیزہ مارا۔ جو زبان کو چیرتا ہوا ان کے پیٹ میں گھس گیا۔ اور انہوں نے تڑپتے
ہوئے جان دے دی۔ اور جنت میں داخل ہو گئیں۔ اور باقی صرف حضرت عمارؓ
رہ گئے۔ انہیں اپنی ماں کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ وہ بارگاہ رسالت میں
ضرر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ہی شفقت سے انہیں صبر
کی تلقین کی۔ اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

”خداوند آبل یا سر کو جہنم سے بچا۔ آمین“

حضرت عمارؓ کو بھی لوگوں نے سخت عذاب اور دکھ میں ڈالا۔ اور ان کو کہا
کہ جب تک ”محمدؐ“ کا انکار نہ کرو اسی طرح عذاب دیتے رہیں گے۔ ایک دفعہ انہوں
نے ہجرت کرنی چاہی تو کفار نے کہا کہ اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔
انہوں نے بخوشی یہ قبول کیا۔ اور اپنا گھر بار مال و متاع ان کے حوالے کر کے مکہ کی سرزمین
کو خیر بعد کہہ دیا۔

چنانچہ حضرت عمارؓ کو صحابہ کرامؓ میں وہ رتبہ حاصل تھا کہ آنحضرتؐ نے ان کے ہاں سے
یہ فرمایا۔ ”جو عمارؓ سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے بھی دشمنی رکھتا ہے۔“ غزوہ بدر
میں جب ابو جہل قتل ہوا تو عمارؓ کو بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا۔“

اس طرح حضرت سمیہؓ کو یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ ان کا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی پیشگوئی پورا کرنے کا موجب ہوا۔ اور ان کا نام تاریخ اسلام میں
محبتِ راہ حق کی پہلی شہید عورت ہمیشہ ہی جگمگاتا رہے گا۔

پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ ابوالبختری نے اُونٹ کے جبرٹے کی ہڈی لے کر اُسے مارا۔ اس کا سر زخمی کر دیا۔ اور خوب لائیں لگائیں۔ یہ ابوالبختری وہ شخص ہے جو معاہدہ خلاف ہو گیا۔ اور چپکے چپکے حکیم بن حزام کے ساتھ مل کر کچھ گھوڑوں اور خانگی ضروریات روانہ کیا کرتا تھا۔ اسی کے لئے رسول خدا نے فرمایا: ”بدر کے شکست خوردہ لوگوں سے اگر ابوالبختری نظر آئے تو اُسے قتل نہ کرنا کیونکہ وہ آیا نہیں ہے لایا گیا ہے۔“ اُنہی معاہدہ کو توڑنے پر حق شناسی کا ثبوت دیا تھا۔ جب قریش اس معاہدہ پر غم تو حضرت ابوطالب نے چند اشعار کہے جن سے ان کی دُکھی اور رنجیدہ طبیعت کا انداز ہوتا ہے۔

”کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمد کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰ کی طرح لگتی کتابوں میں ان کا حال کھا ہے۔ اور تمہارا وہ نوشتہ جسے تم نے پسپا کیا ہے وہ ہمارے ہی واسطے منحوس ہو گا۔ جس طرح نوح علیہ السلام کی اُونٹنی کے بچے کی آواز تھی۔ یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب پیدا نہ کرو۔ کیونکہ جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے۔ اکثر اُس نے کڑوا ہی محسوس کیا ہے۔“

لیکن قریش و رؤسائے مکہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سُبْحَن ابی وقاص بیاد کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بھوک نے انہیں اتنا ڈھال کر دیا کہ سوکھا ہوا چمڑا انہوں نے پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھایا۔ محصورین کے بچوں کے رونے کی آواز دُور تک جاتی اور مخالفین کے لئے خوشی کا موجب ہوتی۔

لیکن ہر جگہ کچھ نیک دل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عمرو بن ہشام نے جو کئی اس معاہدہ میں کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ وہ غلے کے اُونٹ لاد کر رات کو آتا اور رات کے باہر نکلیں نکال کر اُونٹ اندر لے آتا۔ اور صبح جلا جاتا۔ اور محصورین کو پاس پہنچ جاتا۔ اسی طرح زہیر بن ابی اُمیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور ذمیر بن اسود یہ پانچ حق شناس لوگ تھے۔ جو اس معاہدہ سے بیزاری کا اظہار کرتے

گئے۔ اسی اثناء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو اطلاع دی کہ۔ اے چچا! اللہ تعالیٰ نے دیکھ کر نوشتہ قریش پر غالب کر دیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی رشتے نہٹے توڑنے اور بہتان کی طرح باتیں تھیں اس نے اس میں سے نکال ڈالیں۔“

انہوں نے پوچھا کیا آپ کے پیور دکا رونے یہ اطلاع دی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نعم (ہاں)، واللہ پھر تو تم پر کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا۔

پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنا معاہدہ دیکھو۔ ایسا ایسا ہے۔ اور اگر حیا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے۔ ویسا ہے تو پھر ہمارے قطع تعلق سے باز آ جاؤ اور اگر وہ بھوٹا ہے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ تمام لوگ اس پر راضی ہو گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حالت ویسی ہی ہے جیسے کہ رسول اللہ نے فرمائی۔

اب چند حق شناس لوگ جو اس معاہدہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ جب نوشتہ کو تلف کرنے گئے تو مطعم بن عدی آگے بڑھے تاکہ نوشتہ کو چاک کر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوا کہ یا سَمِیْکَ اللہُمَّ کے سوا دیک نے تمام چاٹ لیا ہے۔

سُبْحَنَ اللہَ قُلِّیْ ذٰلِکَ ۝

سوشل بائیکاٹ

محاصرہ شعبہ اہل طالبہ

إِنِّى أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِى وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِى
سورہ طہ کی یہ جامع آیات حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر بہادر انسان کو کلہ گونا گئی تھیں۔ خونی رشتہ کبھی کبھی اتنا جوش دکھاتا ہے کہ انسان اپنے خون کے جوش کے سامنے جھوٹی غیرت کا گلا دبا دیتا ہے۔ ایسے ہی حضرت حمزہؓ کی دگوں میں جو خون دوڑ رہا تھا۔ یہ برداشت نہ کر سکا کہ خاموش تماشا بن رہے۔ وہ جوشیلا پچھا آگے بڑھا اور کلہ تو جید پڑھ کر بھتیجے کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ نہ تو عمرؓ کی بہادری اور نہ ہی حمزہؓ کا جوش حقیقت مسلموں کو اذیتوں سے نجات دلا سکا۔ بلکہ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے ایمان لے آنے سے اور حبشہ کی طرف چند صحابہ کرام کے کوچ کر جانے اور حفاظت دہاں پہنچ جانے سے کفار اور بھی سیخ پا ہو گئے۔ اس پہ طرہ یہ کہ ان میں سے جس بھی نجاشی کے پاس پناہ لی ان کی حفاظت و حمایت ہوتی رہی۔ چنانچہ قریش کا وفد جو عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ پر مشتمل تھا۔ ناکام و نامراد ہو کر نجاشی کے دربار سے واپس لوٹا۔ تو اس ناکامی نے قطعی پرتیل کا کام کیا۔ اب تو سب سے ایک معاہدہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور سوشل بائیکاٹ کی صورت پیدا کر دی۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے کچھ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ معاہدہ نصر بن حارثہ نے تحریر کیا تھا۔ یہ خیال زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ رسول خدا کی بددعا سے اس کی انگلیاں بے کار ہو گئی تھیں۔ اس نے اس معاہدہ میں مندرجہ ذیل اندراجات کئے۔

۱۔ شادی بیاہ یا خرید و فروخت کے تعلقات بنی لاشم و بنی مطلب کے ساتھ قطعی منقطع

کر لئے گئے ہیں۔

۲۔ ان سے کوئی قربت کرے گا اور نہ ملے گا نہ ملنے دے گا جب تک کہ وہ محمدؐ صلعم سے الگ نہ ہو جائے۔

اور مجلس شوریٰ میں جو فیصلہ ہوا تھا وہ ایک جگہ محصور کرے سے زیادہ تباہ کرنے کا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ معاہدہ تھا جو کعبہ اللہ میں لکایا گیا۔ چنانچہ آپؐ کے متبعین آپ کے بیوی بچے۔ ان کے بیوی بچے۔ بنو طالب (سوائے ابولہب)، تمام بے بسی و بے کسی کی حالت میں ایک پہاڑی درہ شعب اہل طالب میں محصور کر دیئے گئے۔ خدا کا پیارا نبی جس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ ذخیرہ سوائے چند غیر متزلزل ایمان رکھنے والے ساتھیوں کے تین سال تک محاصرہ کی صعوبتیں جھیلتا رہا۔

ابولہب نکل کر قریش کی جانب ہو گیا۔ اور انہی کی امداد کی۔ ابولہب نے کہا سے عقبہ کی بیٹی لکیا میں نے لات و عزی کی مددیں کی؟ کیا میں نے ان لوگوں کو نہیں جھوڑ دیا جنہوں نے لات و عزی کو چھوڑ دیا اور ان کے خلاف دوسری مدد کی؟ وہ بولی: اسے ابوعقبہ اللہ تجھے جوازے خیر دے۔ اس پر سورہ لب نازل ہوئی کہ
لَبَّيْكَ يَا أَبْنَى لَهَبٍ وَتَبَّ۔ اہل لب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی برباد ہو گیا۔ اور اس کی بیوی عقبہ کی بیٹی کے لئے خداوند کریم نے فرمایا۔ حَمَالَةَ لَحْطَبٍ اور اسے جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا۔

محاصرہ نے طول کھینچا تو تین سال تک چلتا رہا۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس جانا چاہتا یا کچھ پہنچانا چاہتا تو جھپ چھپا کر ہی پہنچا سکتا تھا۔ حکیم بن حزام کو ایک دفعہ ابوہل نے دیکھ لیا۔ جو اکثر و بیشتر اپنی بھوپھی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے لئے کچھ اناج اور ضروری اشیاء لے کر آیا کرتے تھے۔ ابوہل چٹ گیا اور کہنے لگا۔ تو بنی لاشم کے لئے لاتا ہے۔ واللہ تو اور تیرا کھانا اس مقام سے ہٹ نہیں سکتا جب تک تیری رسائی نہ کر دوں۔ اتنے میں ابوہل بھڑکیا۔ اور اس نے ابوہل کو برا بھلا کہا۔ بات طول

پھر لکھی۔ یہاں تک کہ ابوالبحتری نے اڈنٹ کے جبرٹے کی ہڈی لے کر اُسے مارا اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ اور خوب لائیں لگائیں۔ یہ ابوالبحتری وہ شخص ہے جو معاہدہ خلاف ہو گیا۔ اور چپکے چپکے حکیم بن حزام کے ساتھ مل کر کچھ گھوڑوں اور خانگی ضروریات روانہ کیا کرتا تھا۔ اسی کے لئے رسول خداؐ نے فرمایا۔ ”بدر کے شکست خوردہ لوگوں سے اگر ابوالبحتری نظر آئے تو اُسے قتل نہ کرنا۔ کیونکہ وہ آیا نہیں ہے لایا گیا ہے۔“ اُسے معاہدہ کو توڑنے پر حق شناسی کا ثبوت دیا تھا۔ جب قریش اس معاہدہ پر مجرم تو حضرت ابوطالب نے چند اشعار کہے جن سے ان کی دکھی اور رنجیدہ طبیعت کا انداز ہوتا ہے۔

”وکیا نہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰؑ کی طرح انکی کتابوں میں ان کا حال لکھا ہے۔ اور تمہارا وہ نوشتہ جسے تم نے چسپاں کیا ہے وہ تمہارے ہی واسطے منحوس ہو گا۔ جس طرح نوح علیہ السلام کی اونٹنی کے بچے کی آواز تھی۔ یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب پیدا نہ کرو۔ کیونکہ جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے۔ اکثر اُس نے کڑوا ہی محسوس کیا ہے۔“

لیکن قریش و رؤسائے مکہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بھوک نے انہیں اتنا ڈھال کر دیا کہ سوکھا ہوا چمڑا انہوں نے پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھایا۔ محصورین کے بچوں کے رونے کی آواز دور تک تک جاتی اور غافلین کے لئے خوشی کا موجب ہوتی۔

لیکن ہر جگہ کچھ نیک دل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عمرو بن ہشام نے جو کہ اس معاہدہ میں کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ وہ غلے کے اڈنٹ لاد کر رات کو آتا اور رات کے باہر نکلیں نکال کر اڈنٹ اندر ہا تک دیتا جو سیدھا اندر چلا جاتا۔ اور محصورین کو پاس پہنچ جاتا۔ اسی طرح زہیر بن ابی اقیہہ، مطعم بن عدی، ابوالبحتری بن ہشام اور ذمیر بن اسود یہ پانچ حق شناخت لوگ تھے۔ جو اس معاہدہ سے بیزاری کا اظہار کرتے

گئے۔ اسی اشعار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو اطلاع دی کہ۔
اے چچا! اللہ تعالیٰ نے دیمک کو نوشتہ قریش پر غاب کر دیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی رشتے نہٹے توڑنے اور بہتان کی طرح باتیں تھیں اس نے اس میں سے نکال ڈالیں۔“

انہوں نے پوچھا کیا آپ کے پروردگار نے یہ اطلاع دی ہے؟ آپ نے فرمایا۔
نعم (ہاں) واللہ پھر تو تم پر کوئی فتح یا ب نہیں ہو سکتا۔

پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنا معاہدہ دیکھو۔ ایسا ایسا ہے۔ اور اگر جیسا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے۔ ویسا ہے تو پھر ہمارے قطع تعلق سے باز آ جاؤ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ تمام لوگ اس پر راضی ہو گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حالت دیسی ہی ہے جیسے کہ رسول اللہؐ نے فرمائی۔

اب چند حق شناس لوگ جو اس معاہدہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ جب نوشتہ کو تلف کرنے گئے تو مطعم بن عدی آگے بڑھے تاکہ نوشتہ کو چاک کر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوا کہ یا شیمک اللہم کے سوا دیمک نے تمام چاٹ لیا ہے۔
سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ ۝

سفر بعد از نبوت

سفر طائف شوال سنہ نبوی ۶ ہجری ۱۹ سالہ

يُحْشَرُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ - (سورة يسين)

مکہ کے رؤساء میں سے ابو جہل رئیس المعاندین نے حضرت رسول خدا کی زندگی
اجیرن کرتے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی یہاں تک کہ سربازانہ لوگوں کو چیلنج کرتا پھر تاکہ
کون مائی کالال ہے جو محمد (صلعم) کو اس عذاب میں مبتلا کرنے میں سبقت لے جائے
اور سنت اللہ بھی یہی ہے کہ ہر جگہ بڑے لوگ ہی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق اور فتنہ و فساد
برپا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں مکہ میں بھی رؤساء ہی پیش پیش تھے۔ کوئی
موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ لیکن حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد تو
مخالفت میں اندھے ہو گئے۔ حالات سے نالاں ہو کر ایک دفعہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ
طائف والوں کو دعوت دی جائے۔ طائف مکہ کا ہی ہم پڑ تھا۔ اس میں بڑے بڑے
صاحب اثر اور دوئمند لوگ رہتے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپ نے مکہ سے ہٹ کر
اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوئی دوسری جگہ منتخب کی۔ آج سوال دس نبوی طائف والوں
کی قسمت آزمائی کا دن تھا۔ تاکہ دیکھا جائے کہ رحمن کے جھنڈے تلے کون کون آجائے
ہے؟ آپ اس امید پر وہاں تشریف لے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو بات
آپ لائے ہیں۔ شاید وہ اسے قبول کر لیں۔ اس لئے آپ ان کے پاس تنہا
تشریف لے گئے۔

آپ سے یکے بعد دیگرے شہر کے رؤساء سے ملاقات ہوئی ثقیف کے سربراہ
جو تین بھائی تھے۔ عبد یالیس۔ مسودہ اور حبیب بن عمرو کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے

صرف انکار کیا بلکہ شہر کے آوارہ لوگ آپ کے پیچھے لگا دیئے۔ آپ شدید غمزدہ
ہوئے کیونکہ انہوں نے لوگوں کو ابھارا جنہوں نے گالیاں دیں اور شور مچایا۔ حتیٰ کہ
وہ آپ کے ساتھ جمع ہو گئے اور تسخر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آج اس
خطہ کی قسمت میں بھی مکہ کی طرح اسلام لانا مقدر نہ تھا۔ انہوں نے محمدؐ کی چادر تلے
نے کی بجائے آپ پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اور وہ منجی جس کی ذات بابرکات
نجات کا موجب تھی۔ آپ ان ظالموں سے نجات پانے کے لئے تین میل تک بھاگے
یہاں تک کہ آقائے دو عالم نے عتبہ بن ربیعہ اور شعیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔
اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔ کہ
اللَّهُمَّ اِنَّكَ اَشْكُو مُضْعَفَ قُوَّتِي وَ قِلَّةَ حِيلَتِي....
..... يَا ذَا رَحْمَةِ الرَّحْمٰنِ -

اے اللہ میں اپنی کمزوری اور ضعف قوت و تدبیر اور لوگوں میں اپنی ذلت کی
شکایت تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے
تو کمزور دل کو ترقی پر پہنچانے والا ہے۔ اور میری پرورش کرنے والا ہے۔ تو نے
مجھے کس کے حوالہ کر دیا ہے۔ ایسے دل والے کو جو مجھ سے ترش رو ہو کر پیش آتا
ہے۔ اور ایسے دشمن کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا کہ اگر مجھ پر تیرا کوئی غصہ نہیں
تو میں کوئی پردہ نہیں کرتا۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے
اس چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں دنیا و آخرت
کے معاملے سدھرتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری
عطا ہو۔ مجھے تیری ہی رضا مندی کی طلب ہے۔ حتیٰ کہ تو راضی ہو جا تیرے سوا
کسی میں ضرر و دور کرنے کی قوت ہے اور نہ نفع حاصل کرنے کی یہ

قلم و شیبہ نے بقاضہ شرافت اپنے غلامِ قداس کے ہاتھ کچھ انگوٹھ شتری
لے لگا کر روانہ کئے۔ اور قداس نے پیش کرتے ہوئے کھانے کو کہا۔ آپ نے کھانے
کو ہاتھ ڈالا۔ تو فرمایا۔ بَشِیْرَ اللہ۔ پھر تناول فرمایا۔ قداس آپ کی صورت دیکھنے

لگا۔ اور کہا واللہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ تو نہیں کرتے
رسول خدا نے فرمایا۔ اسے عداس انوکسی بستی کا رہنے والا ہے۔ اُس نے
میں نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس نیک شخص کی خبر
کا جس کا نام یونس بن مٹی تھا۔ ملازم نے کہا آپ کو کیا خبر کہ وہ یونس علیہ السلام
کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ وہ میرے بھائی نبی تھے۔ اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر
ہی عداس جھک گیا اور رسول خدا کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ تھوڑی دیر میں
کا تعجب ایمان میں بدل گیا۔ اور اجنبی غلام عداس افسردہ بھری آنکھوں سے
کے رسول کا شیدائی بن گیا۔ عقبہ و شیبہ نے یہ دیکھ لیا۔ تو واپسی پر غلام عداس
سے پوچھا کہ تمہیں یہ کیا ہوا تھا۔ یہ شخص تمہارے ہی دین کو خراب کرتا پھر رہا ہے
عداس نے سب واقعہ سنا کہ انہیں مایوس کر دیا۔ اور بتایا کہ اس شخص کو دیکھ کر میں
کی یاد پھر میرے دل میں تازہ ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک خدا
کا نبی بیٹھا ہے۔ جو نبیوں جیسی زبان بولتا ہے۔ اور مجھے اُس کے فی زمانہ نبی ہونے
میں رقی بھرتک نہیں رہا۔

آپ کی اگلی منزل نخلہ تھی جہاں آپ نے قیام فرمایا۔ رات بھر آپ عبادتِ الہیہ
میں مصروف رہے یہاں جنوں کا ایک گروہ نصیبین کے عیسائیوں کے معرزیں کا
گروہ آپ کے پاس آیا۔ اور وہ سات جن نصیبین میں سے تھے۔ وہ تلاوت سے
رہے۔ اور جب آپ تلاوت سے فارغ ہوئے تو اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور
ڈرایا اور خود ایمانی اختیار کر لیا۔ اور جو کچھ سنا تھا اُسے قبول کیا۔ سبحان اللہ! کیا اللہ
کی بے نیازی ہے کہ ایک طرف آپ اپنی ضعف قوت اور قلب تدبیر کی شکایت
اپنے پروردگار سے کرتے ہیں اور اسی کے منہ کی روشنی میں پناہ کے خواستگاریں کرتے
دوسری طرف انہی اوقات میں اسی مقام پر جنوں کا ایک گروہ آپ پر ایمان لے آتا
ہے۔ اور انسانی ناشکرے کو تجھے ڈال کر اتباع میں گمراہ جھکا لیتا ہے۔
یہ بھی خدا تعالیٰ کی ایک تسلی تھی کہ اے محمد! اب اگر یہ لوگ تجھے قبول نہیں کرتے

تجھ سے نہ کہیں تو ایک دن آئے گا۔ کہ بڑے چھوٹے تیرے جھنڈے تلے اگر پناہ لیں
تھے۔ اور وہ دن بھی آئے گا کہ تیرے جیسا سخی النفس یہ کہے گا کہ
”لَا تَشْرِيْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ“

رسول خدا کا یہ سفر طائف تکالیف و مصائب کا سفر تھا جس میں آپ پر ایک
وقت ایسا آگیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوئے اور اجازت چاہی کہ اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم! تو اجازت دے کہ انہیں پہاڑوں کے پتھروں سے سنگسار کر دیا
جائے۔ لیکن اُس رحمت کے فرشتے نے فرمایا! نہ ایسا ہرگز نہ کرنا اگر تم ان لوگوں
کو تباہ کر دو گے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا؟
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پہلی باکرہ ام المؤمنین

حضرت عائشہ صدیقہ کبیرہؓ، انبیاء شوال

جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ کان خلقہ فی القدر اس ایک مختصر جملے میں شوہر کے اخلاق پر روشنی ڈالنے والی نوجوان عورت حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی باکرہ بیوی ہیں۔ اور جن سے آپ نے بحیثیت نبی کے پہلا نکاح بمطابق ماہ شوال سنہ نبوی کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ رخصتہ نہ دیر سے ہوا۔ اور درمیانی وقفہ میں حضرت سودہ رخصت ہو کر آپ کے سایہ عاطفت میں تشریف لے آئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں حضرت خدیجہ کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی تھی وہ دراصل تدریجاً عائشہ سے ہی پُر ہوئی کیونکہ آنحضرت کی اصل تجویز حضرت عائشہ کے متعلق ہی تھی۔ اور وہی آپ کو خواب میں بھی دکھائی گئی ہیں۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کے دل میں شادی کا خیال جلد ہی پیدا ہوا آپ کے منصب نبوت کے لحاظ سے یہ ایک طبعی امر تھا۔ لیکن بیوی کا انتخاب ایک آسان کام نہ تھا۔ لہذا آپ نے راہمنائی کے لئے دُعا مانگی۔ دُعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رؤیا آپ کو اپنے انتخاب سے مطلع فرمایا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ”و انہی ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے ایک ریشمی رومال پیش کیا۔ عرض کی ”یہ آپ کی زکوٰۃ ہے“ دنیا و آخرت کی یہ آپ نے رومال لے کر دیکھا۔ تو اس پر حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ کی تصویر تھی۔ آپ نے اس خواب کو کسی سے نہیں کیا۔ لیکن جب کام مقدر میں ہوتے ہیں تو اسباب بھی بن جاتے ہیں

خدا حکیم آپ کے پاس تشریف لائیں۔ اور کہا یا رسول اللہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا۔ کس سے؟ اس سے جواب دیا۔ ”ایک کنواری بچی حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی میرے مد نظر ہے۔ اور ایک حضرت سودہؓ بنت زمعہ بیوہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دونوں سے بات کر کے دیکھو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دونوں گھرانے جو اپنے لئے اس امر کو باعث صدا افتخار خیال کرتے تھے کہ حضورؐ کے حرم میں جگہ مل جائے۔ اس لئے دونوں گھرانے رضا مند ہو گئے۔ چنانچہ دونوں نکاح ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضرت ابوبکرؓ نے پڑھایا اور حق مہر یا پنج سو درہم مقرر ہوا۔ حضرت سودہؓ کا نکاح چونکہ بعض مریبانہ مصحتوں کی بناء پر ہوا تھا۔ اس لئے وہ نکاح کے مابعد آپ کے ہاں تشریف لے آئیں۔

ہجرت کے چھ ماہ بعد تقریباً حضرت ابوبکرؓ انصاری کے گھر قیام فرمانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عبد اللہ ابن ابی سقیط جو کہ ہجرت میں ہمسفر تھا کو بھیجا کہ اتم رومانہ اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئے۔ حضورؐ نے بھی زینب عارث اور ابورافع کو روانہ فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ مدینہ میں اگر حضرت عائشہؓ بہت بیمار ہوئیں یہاں تک کہ سر کے بال بھی اتر گئے۔ پس تیرہ چودہ برس کی عمر میں ان کا بیاہ ہوا۔ اور کوئی سات سال کا عرصہ وہ رسول اللہؐ کی محبت میں رہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ کی عمر اکیس برس تھی۔ شادی کے موقع پر مدینہ کی تمام عورتوں نے خوشی منائی اور مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت رسول خدا تشریف لائے تو رسم عروسی ادا ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ شادی کے وقت نو برس کی تھیں اور حضورؐ کی وفات کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں۔ لیکن اس کا کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ جتنی بڑی بھی تھیں ایک بزرگانہ دماغ و سر نوجوان کنز ہوں پر کھتی تھیں۔ وہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔ لیکن خدا کے محبوب کا پیار دل کو ایسا روشن کر گیا کہ سید الانبیاءؐ ان کے لئے یہ خوشخبری عطا فرما گئے۔ کہ نصف دین تم عائشہؓ سے سیکھو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے وجود

سے امت محمدیہ کو بڑے بڑے فائدے پہنچے ہیں۔ احادیث کا وہ حصہ جو عورتوں سے متعلق ہے۔ حضرت عائشہؓ کے اقوال و روایات پر ہی زیادہ تر مشتمل ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ عام دینی مسائل میں بھی اُن کو مدد گاہی حاصل تھا۔ اس لئے اکابر صحابہ حضرت عائشہؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور انہیں سے فتویٰ پوچھتے تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ کے وقت میں آپؓ ہی فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ پر انہوں نے دقیق اعتراضات کئے ہیں۔ جنہیں علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے۔

آپؓ کو خواب میں یہ الفاظ بھی دکھائے گئے تھے کہ اب تیری یہ بیوی ہے دنیا و آخرت میں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے خاص محبت تھی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپؓ سے دریافت کیا۔ ”اَيُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيْكَ“ یعنی لوگوں میں سے کون آپؓ کو زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا عائشہؓ۔ اسی نے پوچھا مردوں میں سے کون ہے۔ فرمایا ابُو حَافِصَہ اس کا باپ حضرت ابوبکرؓ۔

حضرت عائشہؓ نہایت عظیم و روشن فلسفہ والی عورت تھیں کہ جب ایک دفعہ کسی نے رسول کریمؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا کہ کچھ فرمائیے تو انہوں نے فرمایا ”آپؐ کے اخلاق حسنہ کیا پوچھتے ہو۔ جو کچھ آپؐ کہا کرتے تھے انہی باتوں کا قرآن کریم میں حکم ہے۔ اور قرآن کی نفی تعلیم آپؐ کے فعل سے جدا گانہ نہیں ہے۔ ہر خلق جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ آپؐ کا اس پر عمل تھا۔ اور ہر عمل جو آپؐ کرتے تھے۔ اس کی قرآن میں تعلیم ہے۔ یہ کیسی لطیف بات ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاکؐ کے اخلاق اتنے وسیع اور اتنے اعلیٰ تھے کہ ایک نوجوان لڑکی جو تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ اس کی توجہ کو پھرانے میں اس حد تک کامیاب ہوئے۔ کہ ہندو۔ یہودی۔ مسیحی۔ فلسفی جس امر کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ حضرت عائشہؓ اس امر کی حقیقت کو پا گئیں۔ وہ ایک چھوٹے سے محلے میں یہ فلسفہ بیان کر گئیں

کہ نہیں رسولؐ خدا کے اخلاق معلوم کرنے کے لئے کسی تاریخ کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک راستہ باز اور مخلص انسان تھے۔ جو کہتے تھے کرتے تھے۔ جو کرتے تھے کہتے تھے۔ ان کو دیکھا اور قرآن کریم کو سمجھ لیا۔ تم جو بعد میں آئے ہو قرآن پڑھو اور رسولؐ خدا کو سمجھ لو۔ اللہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ۔

پس حضرت عائشہؓ رسولؐ خدا کی وہ خوش قسمت بیوی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ وہ ایک عظیم النفس پاکیزہ عورت تھیں۔ وہ علم و فضل میں یکساں تھیں۔ حدیث و فقہ شعر و شاعری میں اپنی مثال آپ تھیں۔

تیس ہزار ایک سو حدیثیں آپؐ سے مروی ہیں۔ احکام شرعیہ میں سے ایک جو فتاویٰ حصہ اسرار شریعت ان سے منقول ہے۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ان سا جو شش تقریر نہیں دیکھا گیا۔ تفسیر۔ حدیث۔ اسرار شریعت۔ خطابت۔ ادب۔ فہم میں ان کو کمال تھا۔ ایک دفعہ بتقامائے بشریت بعض بیویوں کو ان کی اس خصوصیت پر کہ سرور کائنات کا میلان طبقاً حضرت عائشہؓ کی طرف زیادہ ہے، تنگ آیا اور حضورؐ کی خدمت میں تمام بیویوں نے حضرت زینبؓ کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ انہوں نے کہا ”جو مرتبہ آپؐ نے عائشہؓ کو دیا ہے اس کی وہ مستحق نہیں ہیں حضرت عائشہؓ بیٹیؓ ہیں رہی تھیں کہ حضورؐ کا ارشاد پانے پر وہ مدلل تقریر کی کہ حضرت زینبؓ جواب ہو گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا ”کیوں نہ ہو عائشہؓ ابوبکرؓ کی تو بیٹی ہے۔“ آپؐ نے مزید فرمایا ”عائشہؓ وہ بیوی ہے کہ جس کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور کسی بیوی کے لحاف میں نازل نہیں ہوتی۔“ ان کے حجرے کو حضورؐ کے مزار مقدس کا شرف حاصل ہے۔

جب آپؐ چھیا سٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئیں تو رمضان کا مہینہ تھا۔ جنت البقیع میں آپؐ کے وقت اپنی وصیت کے مطابق دفن کر دی گئیں۔ حضرت ابوسریہؓ نے آپؐ کی نماز گزار پڑھائی۔ اس وقت وہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ اور قاسم بن عبد اللہ بن عبد الرحمن۔ عبد اللہ بن ابی عقیق۔ عروہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتار دیا تھا۔

پہلی فرض شدہ عبادت

پہلا اسلامی فرضیہ مبرقع معراج شنبوی

اسلام کے انوار کو کبرۃ ارض پر اترے تقریباً نو برس ہوئے تھے کہ رب العالی نے اپنی مخلوق کو ایک اور نور سے نوازا اور وہ تھا "نور نماز"۔ یہ نور اس وقت آپ کو ملا جب سرور کائنات محسن انسانیت اتنے بلند و ارفع مقام پر تھے کہ فرشتے سلام پیش کر رہے تھے اور جبرائیل علیہ السلام تک پیچھے رہ گئے۔

• اقامۃ الصلوٰۃ فرما کر خداوند عالم نے مومنوں کو پہلا فرض سونپا اور انہیں خدا کا نسخہ عطاء کیا اور یہی پہلا فرضیہ رکن اسلام خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو پہلی ملاقات میں تحفہ پیش فرمایا۔ رمضان المبارک کے ایام میں سات آسمانوں سے گزر کر معراج کی رات کو جب سید المخلوق اپنے خالق کے حضور پیش ہوئے تو آپ کے حضور میں پچگانہ نماز نذرانے کے طور پر پیش کی گئی۔ یہ نذرانہ آپ سے لگایا اور خوشی واپس تشریف لے آئے۔ وہاں آپ کی ملاقات انبیاء علیہم السلام سے بھی ہوئی۔ اور آپ کو انی انبیاء کی امامت کا شرف حاصل انہوں نے خدا تعالیٰ سے ملاقات دریافت کیا تو یہ جان کر کہ آپ کو امت محمدیہ کے لئے اتصال خدا کا نسخہ عطاء ہوا ہے انہیں خوشی ہوئی اور آپ کی فضیلت باریابی پر رشک بھی پیدا ہوا۔

ابن اسحاقؒ نے کہا کہ مجھ سے ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ رسول خداؐ فرمایا: "پھر بیت المقدس میں جو کچھ ہوا اس کی وجہ میں فارغ ہوا تو سیدھی گئی اور میں نے اس کی بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میرے ساتھی نے مجھے اس پر چڑھا دیا یہاں تک کہ وہ مجھ سے کہہ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ

باب الحفیظ تک پہنچا۔ اس پر فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جبرائیل تھا۔ مجھے ملائے

آپ کا مقام عبودیت اتنا بلند ہوا کہ خدا نے آپ کو اس معراج کی رات ساری ملکوت و بادشاہت کی سیر کرا دی۔ آپ کو اتنا ارفع مقام عطا فرمایا کہ آپ سب انبیاء سے اوپر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ جبرائیلؑ پیچھے رہ گیا اور آپ کا سدرۃ المنتہی سے بھی گزر ہوا۔ پھر آپ ہزار برکتوں اور خوبیوں کی جامع عبادت "نماز" لے کر نیچے اترے اور اس گھڑی سے باقاعدہ نماز پنج وقت کا آغاز ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کہہ کر عبادت کے راستے بھی بتا دیئے۔ فرمایا میں نے جن اور انسانوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کی پیدائش کی غرض دعاوت عبادت الہی ہے۔ اور وہ ذمہ داری مسلمانوں کے آقا نے انہیں نبوت کے نو سال بعد دی۔ عبادت کے معنی اسلام میں روحانی اور جسمانی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا، بگڑ کر انا اور گریہ و زاری کرنا ہے۔ یوں تو نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے لیکن جب کلمہ طیبہ یعنی پہلا رکن پڑھ کر پڑھنے والا دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر یہ رکن پہلا فرض ہے اور یہی واحد عبادت ہے جو اسلام کے اصل مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ اور شان عبادت ظاہر کرتی ہے۔ کوئی شخص عابد نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کو الہی تاثرات کے قبول کرنے کے قابل نہ بنائے۔ کیونکہ "نماز ایک تعویذ ہے جو خدا تعالیٰ کی زیارت کا قائل مقام ہے جو شخص بھی اپنے محبوب کی زیارت سے گریز کرتا ہے وہ اپنے عشق کے دعویٰ کے خلاف خودی ڈگری دیتا ہے۔ پس نماز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تعظیم کے ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو سنگدل سے سنگدل انسان کے دل کو بھی نرم کر دیتی ہے۔ اور اس میں ایسی دعائیں رکھی گئی ہیں جو انسانی فکر کو بہت بلند کر دیتی ہیں۔ نماز

خدا تعالیٰ کی محبت کو بھڑکاتی ہے۔ نماز میں خدا کا بندہ اپنی عقیدت کے پھول خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ نماز بدلیوں سے روکتی ہے اور یہی اس کی ذاتی خوبی ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ لَيْسَ لَكَ نَقَدٌ بِهِتٍ ۚ اے چستی سے سنوار کر پڑھنا حقیقی عبادت ہے۔ اسرار اور کفر کے درمیان نماز ہی خدا فاضل ہے۔ نماز کی فضیلت اور اہمیت اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سات سو مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ہر مسلمان کے لئے غذا ہے۔ قرۃ العین ہے اور خدا تعالیٰ کے ذکر کا بہترین راستہ ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے تَذَكَّرُوا الصَّلَاةَ لِذِكْرِىْ ۚ تَخْشَعُ رُكُوعًا ۚ نماز وہ پہلی فرض شدہ عبادت ہے جو ایک حصار ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ہم شیطانى حملوں سے بچ سکتے ہیں اور جس طرح کہ پھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن بنانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ کو تھامنے کے بغیر ہم تقویٰ کی راہوں پر کس طرح چل سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ایک زنجیر ہے جو خدا تعالیٰ اور بندے کو ملا دیتی ہے۔ اور یہی اس برکت والی رات کا پیغام ہے جو آقائے دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں نصیب ہوا اور یہی وہ کلمہ تھا جو آپ کی زبان پر اس وقت تھا۔ جب آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے ہمیشہ ملاقات کے لئے جا رہے تھے تو آپ نے فرمایا "الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" یعنی اے مسلمانوں! میری آخری وصیت تم کو یہ ہے کہ نماز اور غلاموں کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔ کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا پر جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو ہر نماز کی دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت میں انہیں پورا

۱۔ مسلم کتاب الایمان + ۲۔ سورۃ طہ آیت ۱۵ +

۳۔ ابن ماجہ الباب الصلوة +

کر کے چار کر دیا۔ اور سفر میں انکی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت برقرار رکھی۔ طریق وضو کے لئے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مجھ سے اہل علم نے بیان کیا کہ جب رسول خدا پر نماز فرض ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اس وقت رسول خدا مکہ کے بلند حصہ میں تھے۔ پھر وادی کے ایک کنارے سے ایڑی ٹھکرائی اور وہاں سے پانی کا چشمہ بھوٹ نکلا۔ جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور رسول کریمؐ دیکھ رہے تھے۔ پھر خدا کے رسولؐ نے وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے کیا تھا۔ بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ساتھ لے کر نماز پڑھی۔ اور جبرائیلؑ چلے گئے۔

۱۰۸ ۱۰۹

پہلا مبلغ اسلام

حضرت مصعب بن عمیر

اسلام کے اعلیٰ ترین تنوی حضرت مصعب بن عمیرؓ سے پہلے مبلغ اسلام تھے جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے پہلے معلم بھی تھے جنہیں رسول خداؐ نے ۱۲ نبوی کو بیعت عقبی اولیٰ کے بعد بارہ مسلمانوں کے ساتھ قرآن کریم سکھانے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ اسی لئے انہیں مقری المدینہ بھی کہتے تھے۔ وہ بارہ افراد جنہوں نے منیٰ کے پاس عقبہ کے مقام پر نہایت محبت و اخلاص سے بیعت کی تھی۔ جاتے وقت درخواست کی کہ اے خدا کے سچے رسول! دین کی رہنمائی و تبلیغ کے لئے آپؐ کسی صاحب فراست کو عمار سے ساتھ روانہ فرمائیں۔ کیونکہ ہم دین کے معاملہ میں علم کے محتاج ہیں۔ آپؐ کی دور میں نگاہ مصعب بن عمیر پر پڑی اور ان کی قیمت کا ستارہ

۱۔ ابن ہشام ص ۲۳۶ باب ۴ + ۲۔ سیرۃ النبیؐ کامل ص ۲۳۶ باب ۴ +

جاگ اٹھا۔ ۱۲۔ نبوی کو یعنی نبوت کے بارہ سال بعد دنیا ئے اسلام میں پہلے مبلغ کا تقرر ہوا۔ اور اس طرح مصعبؓ ہماری تاریخ کے اوراق پر چھا گئے۔ جب وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو حضور سرور کائنات نے انہیں ضروری نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی تعلیم القرآن کا نتیجہ اگلے سال ۱۳ نبوی میں یہ ظاہر ہوا کہ بارہ کی جگہ بہتر اشخاص عقیدہ کے ہی مقام پر مصدقین کی فہرست میں شامل ہو گئے مدینہ میں مصعبؓ بن عمیرؓ کی قیام گاہ ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ بن عدس کے ہاں تھی۔ عام بن عمیرؓ نے بیان کیا کہ مصعبؓ انیس نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ اوس و خدرج دونوں ممتاز قبیلے بڑی سرعت سے حلقہ گوش اسلام ہو رہے تھے۔ اور مصعبؓ بھی سارا سارا دن تبلیغ حق میں لگے رہتے تھے۔ لیکن کبھی قبیلے کے تدارک لوگوں کو کسی کا امتیاز دیکھ کر برداشت نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ رختے ڈالتے ہیں۔ ایسے ہی جب انصار کے قبیلے کے قبیلے سب کے سب مسلمان ہو گئے تو ایک رئیس سعد بن معاذ سے یہ گوارہ نہ ہوا۔ سعد بن معاذ قبیلہ بنو عبدالمطلب کے ایک ممتاز رئیس اعظم تھے انہوں نے یہ ترقی اسلام اور انصار کا یوں باجماعت مسلمان ہو جانا گوارہ نہ کیا اور رد کرنا چاہا۔ مگر چونکہ سعد بن زرارہ سے ان کی قرابت داری تھی۔ اس لئے خود براہ راست دخل دیتے ہوئے رکتے تھے۔ کہ کوئی بد مزگی نہ پیدا ہو جائے۔ لہذا انہوں نے اپنے ایک عزیز اسید بن الحفیر سے کہا کہ تم جا کر مصعبؓ کو روکو کہ وہ ہمارے لوگوں میں یہ بے دینی نہ پھیلائیں۔ چنانچہ اسید بن الحفیر نے اپنا چھوٹا سا برچھا لیا اور سعد بن زرارہ کی طرف چل نکلے۔ سعد بن زرارہ جن کے مکان پر مبلغ اسلام قیام پذیر تھا، نے اسید کو دیکھ کر کہا کہ اے مصعبؓ! اسید آتا ہے۔ خدا کی قسم یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو تمہارے پاس خود آ رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے حقوق کا سختی سے لحاظ رکھنا یعنی سچی بات کہنے میں لحاظ اور سروت سے کام نہ لینا مصعبؓ بن عمیرؓ طبیعت کے لحاظ سے بہت بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ اس لئے

سک کی طرف تحمل سے متوجہ ہوئے۔ لیکن وہ گالیاں دیتے ہوئے داخل ہوا۔ اور کہتے ہوئے کہ تم دونوں کو اپنی جان پیاری ہے تو ہم سے الگ ہو جاؤ۔ مصعبؓ نے کہا۔ یہ تشریف تو رکھیے۔ کچھ بات تو سنئے۔ اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی تو بول سیکھے۔ اور ناپسند ہوئی تو اس سے اپنے آپ کو بچائیے۔ چنانچہ مصعبؓ نے ان شریف کی تلاوت کی اور اسلام کے متعلق چند ضروری باتوں کا ذکر کیا۔ "واللہ سے انہما را اسلام سے پہلے ان کے چہرے کی چمک سے آثار اسلام کی شناخت ملے۔" اسید نے کہا۔ یہ چیز جو تم نے میرے پاس بیان کی ہے۔ بہت بہتر اور خوب تر ہے۔ لیکن جب تم کسی کو اپنے دین میں شامل کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو۔ دونوں اسعد بن زرارہؓ و مصعبؓ بن عمیرؓ ایک زبان ہو کر بولے۔ اسید! آپ غسل کیجئے۔ صاف ہونے پر اس کے پیچھے اس کے بعد حق کی گواہی دیجئے۔ اس کے بعد نماز ادا کیجئے چنانچہ اس نے کلمہ توحید پڑھا۔ اور پھر کہنے لگا کہ میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے کہ جو اگر جان لے آیا تو ہمارا سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ اور تم ٹھہرو میں اسے ابھی یہاں بٹھا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد سعد بن معاذ آئے اور بڑے غضبناک ہو کر اسعد بن زرارہؓ و مصعبؓ سے مخاطب ہوئے۔ مگر مصعبؓ نے اسی طرح نرمی کے ساتھ انہیں ٹھنڈا کیا اور اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ سعدؓ نے بھی حق کی گواہی دی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ چنانچہ مصعبؓ کی طرز تبلیغ و انداز گفتگو کا یہ عالم تھا کہ اسلام ان دونوں اور رات چو گئی ترقی کر رہا تھا۔ اور چراغ حق ہر گھر میں روشن ہو چکا تھا۔ بجز ان میں بن زید خطمہ۔ دائل اور چند ایک لوگوں کے تمام کے تمام گھر نے رسول پاک کی راہ سے پہلے آپ کے استقبال کرنے والوں میں شامل ہو چکے تھے۔

جنگ بدر کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید رنگ کا پرچم مصعبؓ کو ہی دیا تھا۔ سفید پرچم بردار مصعبؓ یوم فرقان میں خدائی لشکر کا علمبردار تھا۔ جبکہ مشرکین کی طرف سے اس کا بھائی ابو عمر بن عمیر علم بردار تھا۔ جب حضورؐ نے بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا تو ابو عمر بن عمیرؓ ابولیسر کے حصے میں آیا۔

جنہوں نے اسے قید کیا تھا۔ مصعبؓ دہاں سے گزرے تو ابوہریرہؓ سے کہنے لگا اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا۔ کیونکہ اس کی ماں ساندو سامان والی ہے۔ اپنے بیٹے کے عوض دے کر بیٹے کو چھڑانے لے ابوہریرہؓ نے میرے بھائی کی عادت پر تعجب کیا اور کہنے لگا کہ آپ کی اپنے سگے بھائی کے متعلق یہی وصیت ہے مصعبؓ نے جواب دیا "تو میرا بھائی نہیں ہے بلکہ میرا وہ بھائی ہے جس کو قید میں ہے۔ پھر ابوہریرہؓ کی ماں نے پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنا فدیہ ہے جس پر کسی قریشی کو چھوڑا جاتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ چار ہزار درہم تو اس چار ہزار درہم جو نبیؐ سے کہ اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ اور اس طرح حضرت مصعبؓ کی والدہ نے اپنے بیٹے ابوہریرہؓ کی رہائی کے لئے بھاری معاوضہ ادا کیا جسے مصعبؓ نے اندازہ کیا تھا۔

جنگِ اُحد کے موقع پر پہلے علمِ حضرت علیؓ کے پاس تھا۔ لیکن جب علم کو اطلاع ملی کہ قریش کا علم بردار طلحہؓ ہے تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے ہمارے بھائی جھنڈا لے کر مصعبؓ بن عمیر کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ مصعبؓ ہی طلحہؓ کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ جو قریش کے مورثِ اعلیٰ تقیؓ بن کلاب کے قائم کردہ اہلِ اہل کے ماتحت جنگوں میں قریش کی علمبرداری کا رکھتا تھا۔ آپؐ نے حضرت مصعبؓ جھنڈا دیتے ہوئے فرمایا۔ "ہم قوی وفاداری دکھانے کے حقدار ہیں۔"

مصعبؓ بن عمیر وہ بہادر شخص ہے جس نے علمبرداری کا حق ادا کرتے ہوئے چھاتی کے زور پر جھنڈا سنبھالے رکھا اور اسلام کا جھنڈا سرنگوں ہونے سے اسے جامِ شہادت پیا لیکن جھنڈا ان کی چھاتی سے جدا نہ ہوا جب تک کہ مسلمان نے آگے بڑھ کر علم کو تھام نہ لیا۔ جنگِ اُحد میں جب چند مسلمان غلطی سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اور فتح کی جگہ ناکامی و ہریت فی نظر آئی تھی۔ تو ایسے وقت میں قریش کے ایک سپاہی عبد اللہ بن قیس نے حضرت مصعبؓ پر وار کیا اور ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ

بڑھا کر تھام لیا۔ لیکن دشمن نے دوسرے دوسرے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا مصعبؓ نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کر جھنڈا لے کر سنبھالنے کے لئے چھاتی سے جدا کیا۔ اس پر عبد اللہ بن قیس نے تیسرا وار کیا جس سے آپؐ کو شہید کر دیا۔ آپؐ گر گئے لیکن جھنڈا گرنے نہ دیا حتیٰ کہ دوسرے مسلمانوں نے بڑھ کر سنبھال لیا اور اس طرح اس حق کو ادا کیا جو رسولِ خداؐ نے آپؐ کے ذمہ لگایا تھا۔

چونکہ حضرت مصعبؓ ذیلِ دُہل کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ملتے جلتے تھے۔ اس لئے ابنِ قیس نے شرارتاً شور مچا دیا کہ میں نے محمدؐ کو مار لیا ہے۔ حضرت مصعبؓ کی شہادت کے بعد حضورؐ نے علمِ حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں مصعبؓ مکہ کے جوانوں میں سب سے زیادہ خوش پوشاک اور بانکے سچیلے جوان تھے۔ چونکہ امراءِ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ناز و نفعت سے بے ہوش ہوئے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد ان کی حالت بالکل بدل گئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اکثر دہشت پر یونہی دالے کپڑے پہنتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیوند گئے کپڑے پہنے دیکھا تو آپؐ چشمِ بر آب ہو گئے۔

احد کی جنگ میں جب وہ شہید ہوئے تو ان کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں تھا کہ ان کے جسم کو ڈھانپ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسولِ خداؐ نے جنگِ احد کے شہداء کو انہیں کے لباسوں میں دفن کر دیا تھا۔ جس کے پاس کوئی کپڑا تھا تو کفن دے دیا ورنہ کفن نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب حضرت مصعبؓ کو دفن کیا گیا تو جب ان کے بدن کو چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ اور جب پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر نکلا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے حکم دیا کہ سر کو ڈھانپ کر پاؤں کو گھاس سے چھپا دیا جائے۔ یہ سوایا ہی کیا گیا۔ حضرت مصعبؓ کی بیوی صمنہؓ

پہلا مسلمان شاعر

طفیل بن دوسے

اہل قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے والے چند لوگوں سے ہی اتنے ناول تھے کہ ان کی زندگی کا مقصد ہی ایک بن گیا تھا اور وہ تھا اس خدائی تعلیم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر ممکن تدابیر شروع کر دیں۔ انہوں نے مصائب کے پہاڑ ان پر توڑنے شروع کئے اور ہر شخص کو آپ کے پاس جانے سے روکنا شروع کیا۔ اور وہ انہیں ڈراتے تھے کہ کہیں محمدؐ کی باتوں کا جادو نہ چل جائے۔ اسی طرح طفیل بن دوسے بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے کہا طفیل تم ہماری بستی میں آئے تو ہو۔ لیکن دیکھو یہ شخص جو ہمیں میں سے ہے ہمیں سخت مشکلات میں ڈالے ہوئے ہے۔ ہماری جماعت کو برا لگندہ کر رکھا ہے۔ ہمارے عقائد کو علیا میٹ کر رہا ہے۔ اور ہمارے احباب کو پریشان کر رہا ہے۔ اس کی بات جادو کی سی ہے۔ بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے شوہر کو بیوی سے اور ماں کو بیٹے سے جدا کر دیتا ہے۔ ہمارے دل میں تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے فتنے کا خوف ہے۔ اس لئے نہ تو تم اس کی بات کرو اور نہ اس کی بات سنو! طفیل کہتے ہیں میں نے ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی کوئی بات نہ سنوں گا۔ چنانچہ صبح وہ مسجد کی طرف گئے تو اپنے کانوں میں اس خوف سے کہ کوئی بات سنائی نہ دے روئی ٹھونس لی۔ لیکن وہاں جب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کا تشریف جب کسی شخص پر ہو تو اس کی اپنے ارادے سب مسخر ہو جاتے ہیں چنانچہ طفیل بن دوسے وہیں آپ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ قرآن مجید باواز بلند پڑھ رہے

کو ان سے بے حد پیار تھا۔ کیونکہ وہ ایک محبت کرنے والے حلیم الطبع شخص تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسول خدا مدینہ کی طرف جنگ احد سے واپس لوٹے تو آپ سے صمنہ بنت جحش ملیں۔ لوگوں نے ان کو بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی وہ اتنا اللہ و اتنا الیہ راجعون کہہ کر خاموش ہو گئیں اور خدا کے حضور مغفرت کی دعا مانگی۔ پھر صمنہ کے ماموں حضرت ہمزہؓ کی شہادت کی خبر صحابہ کرام نے دی تو اتنا اللہ و اتنا الیہ راجعون دوبارہ پڑھا اور مغفرت کی دعا مانگی۔ لیکن صابر و شاکر صمنہ کو جب ان کے شوہر مصعب بن عمیر کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو وہ بے ساختہ روئی اور چیخا شروع کر دیا۔ اس پر رسول خدا نے فرمایا:-

”عورت کے نزدیک شوہر کا ایک مقام ہے۔“

کیونکہ صمنہ بھائی اور ماموں کی خبر سن کر تو ضبط کر گئیں۔ لیکن شوہر کی خبر سن کر ضبط نہ کر سکیں۔

بیشک حضرت مصعبؓ ایک عظیم شوہر اور ایک سچے سپوت اور اسلام کے بہادر علمبردار تھے۔ جو شہداء اُحد میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔

تھے۔ اور اس کے کانوں کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی رفعت سے متاثر کر دیا۔ اور وہ
کان جن میں روٹی ٹھونس ہوئی تھی کچھ نہ کچھ قرآن مجید کی تاثیر سے غوطہ ہوئے۔ طفیل
ہیں۔ میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا "تیری ماں تجھ پر رٹے۔ واللہ
عقل مند ہوں۔ شہر ہوں۔ اچھا بڑا منجھ سے پوشیدہ نہیں پھر کیا چیز اس کی روٹی
کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں اور جو بھی اچھی ہو اسے قبول کروں اور بڑی
تو اس کو چھوڑ دوں" پھر انہوں نے روٹی نکال دی۔ اور رسول خدا کے پیچھے
پیچھے چل پڑے۔ یہاں تک کہ رسول خدا اپنے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور
طفیل بن دوسی بھی آپ کے ساتھ اندر تشریف لے گئے۔ اور وہاں جا کر یوں گویا کہ
کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا تھا۔ واللہ وہ آپ کے
معاملہ سے اس قدر ڈرتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روٹی ٹھونس لی مگر اللہ
نے اس کی سوا کچھ نہ چاہا کہ آپ کی بات مجھے سنائے میں نے سنی اور اچھی بات سنی
پس آپ مجھے اپنے اصول بتائیے۔ خدا کے محبوب رسول نے اسلام کی تعلیم طفیل
بن دوسی کے سامنے پیش فرمائی اور تلاوت فرمائی۔ "واللہ! اسی سے بہتر بات
میں نے کبھی نہیں سنی نہ ایسے معتدل اصول سنے۔ پس جی میں اسلام اختیار کیا۔
اور سچی بات کی گواہی دی اور کہا۔ "اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا شخص
ہوں کہ میری بات لوگ مانتے ہیں۔ اب میں ان کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں اور
انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے کوئی نشان
عطا فرمائے۔ جو اس دعوت میں میری راہنمائی فرمائے پس "اللہُمَّ اجْعَلْ لِّہٖ اٰیۃً
کا ورنہ کہتے ہوئے وہ اپنی قوم کی طرف چل پڑے۔ طفیل بن دوسی کہتے ہیں کہ جب
میں دو پہاڑوں کے درمیان تھا کہ میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی سی
روشنی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا اے میرے خدا! اس کو میرے چہرے کے سوا میری
کسی دوسری چیز میں ظاہر فرما۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم یہ خیال نہ کرے کہ اپنا آبی
مذہب چھوڑنے کی وجہ سے یہ سزا مجھے مل گئی ہے۔ اور یہ خارق عادت بات پیدا ہو گئی

بہر تو اس روشنی نے جگہ بدل لی۔ اور گھوڑے کے سر پر نمودار ہو گئی۔ پھر تو کیا
تھا۔ بستی واسے وہ نور میرے گھوڑے میں قندیل کی طرح نکلا ہوا دیکھتے لگے
اور میں پہاڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے چلتا جاتا یہ باپ بیوی اور
اہل خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر طفیل بن دوسی اپنی سرزمین میں دعوت
اسلام دیتا چلا گیا اور خدا تعالیٰ نے وہ نشان دکھلا کر اس کی راہنمائی کی کہ اس کے
قبیلہ کے لوگ اور گاؤں کے لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ پھر مدینہ
کی طرف ہجرت کے بعد طفیل بن دوسی اپنی تمام مسلمان قوم کو لے کر آپ کے پاس پہنچا۔
اور ستر اور اسی گھرانے والی آباد ہو گئے۔
جنگ یمامہ میں وہ شریک ہوئے اور اسی جنگ میں شہادت پائی۔

پہلی بیعت

بیعت عقبہ اولیٰ ۱۲ ہجری

سید الانبیاء نے جو روحانی جام چھ خوش نصیبوں کو گیارہ سال نبوی کو پلایا تھا۔
اس کامیابی کی امید بہت حد تک بندھ گئی تھی۔ شرب کے یہ چھ مصدقین مبنی کی
وادی میں ایسے وقت میں آپ سے ملے جب آپ قریش مکہ کے ہاتھوں بہت زیادہ
تسخیر و تحقیق کا نشان بن چکے تھے۔ ان کا ملنا اس وقت ایک نعمت سے کم نہ تھا۔
کیونکہ خدا کا پیارا نبی کہ دنیا جس کا نصب العین براہ راست نہیں تھا۔ ہر ذرہ میں
خدا تعالیٰ کا چہرہ ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اور ہر ذرہ میں اسے خدا کا ہی چہرہ جھلکتا نظر
آتا تھا۔ اسعد بن ذرہ جو ابوامامہ کہلاتے تھے۔ خوف بن الحارث جو ابن عوف
کہلاتے تھے۔ رافع بن مالک قلیہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ جو
تمام یہ اسماء اللہ کے نام سے مشہور تھے یہ جب مبنی کی وادی میں آپ کی باتیں سننے

پر راضی ہو گئے تو آپ نے انہیں بتایا کہ خدا کی بادشاہت اب قریب آ رہی ہے
بیت اب دنیا سے مٹا دیئے جائیں گے۔ نیکی اور تقویٰ دنیا میں قائم ہو جائیں گے
توحید دنیا میں قائم ہوگی۔ انہوں نے آپ کی باتیں سنیں اور بہت متاثر ہو کر اس
قبول کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ ہم مدینہ جا کر اپنی قوم سے بھی بات کریں گے اور
قوم کا فیصلہ آپ کے پاس پیش کریں گے۔ ہم اللہ کا یہ وعدہ تھا۔ جو حضور کو سارا
اوس و خزرج کے حاجیوں سے ملنے کے لئے بیتاب کئے ہوئے تھا۔ دوبارہ
کے ایام آ گئے۔ آپ نہایت شوق میں گھر سے نکلے۔ دوبارہ سعید رو میں آپ کے
مقام عقبیٰ میں طیس لے۔ جونہی آپ کی نظر اہل یثرب پر پڑی آپ نے نہایت محبت
اخلاص سے ان کا استقبال کیا۔ اہل یثرب نے یہودیوں سے بائبل کی پیش گوئی
کے مطابق سن رکھا تھا کہ ایک نبی جو موسیٰ کا مثیل ہو گا ظاہر ہونے والا ہے۔
کا وقت قریب آ رہا ہے۔ جب وہ آئے گا تو ہم پھر ایک دفعہ دنیا پر غالب آجائیں
گے۔ جب ان بارہ حاجیوں نے آپ کی باتیں سنیں تو آپ کی سچائی ان کے گھر
کر گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کا یہودی ذکر کرتے تھے
یہ سنی سنائی پیش گوئی بھی آپ پر ایمان لانے میں مؤید ثابت ہوئی چنانچہ بیت
جو بارہ اشخاص نے کی تاریخ میں بیعت عقبیٰ اولیٰ کہلاتی ہے۔ اس بیعت میں
ان یثرب والوں نے اقرار کیا کہ وہ سوائے خدا کے کسی اور کی پرستش نہیں
کریں گے۔ آپ نے یہ بیعت ان الفاظ میں لی۔ جن میں بعد میں خود توں سے یہ
کرتے تھے۔ کیونکہ یہ واقعہ جنگ فرض ہونے سے پہلے کا تھا۔ انہوں نے بیعت
کی کہ وہ ایک دوسرے پر جھوٹے الزام نہیں لگائیں گے۔ نہ وہ خدا کے نبی کی
دوسری تعلیمات میں نافرمانی کریں گے۔ قبل اولاد سے باز رہیں گے۔ نہ چوری کریں
گے۔ چنانچہ یہ پہلی باقاعدہ بیعت تھی۔ جو مکہ سے باہر والے اشخاص کو نصیب
ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس قول و قرار پر قائم رہو تو ہمیں جنت نصیب ہوگی
اور اگر ان میں سے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تو تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار

میں ہے۔ وہ چاہے تو منہ ادا سے چاہے تو بخش دے۔ یہ لوگ قبیلہ خزرج اور
قبیلہ اوس کے تھے۔ واپسی پر اپنی قوم میں زیادہ زور سے تبلیغ شروع کر دی اور
بیت گھروں سے نکال نکال کر پھینکے جانے لگے۔ یہودی حیران ہونے لگے کہ بیت کے
انچھٹکے والے سر اب بیت شکن کس طرح بن گئے۔ یہ کیا انقلاب ہے کہ صدیوں کی دوستی
اور تبلیغ کی بناء پر جو لوگ بیت پرستی سے منہ نہیں پھیرتے تھے وہ چند اسلامی اصولوں کی
بناء پر بتوں سے سیرا ہو گئے تھے اور توحید اب ہر دل میں گھر کر رہی تھی۔ ایک سے دو
اور دو سے چار کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ نبی موعود کے منتظر یہودی تو متاثر ہی دیکھتے
رہے مگر اوس اور خزرج کے قبیلے بہت جلد جلد نور خدا سے منور ہوتے چلے گئے۔
یکے بعد دیگرے لوگ آتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہمیں اپنا دین سکھاؤ۔ مگر نو مسلم نہ تو
خود اسلام کی تعلیم سے پوری طرح واقف تھے نہ دوسروں کو تفصیلاً بتا سکتے تھے۔
چنانچہ وہ مصعب بن عمیر کو اپنے شہر میں تبلیغ کرنے کے لئے ساتھ لے گئے تاکہ دین کے
معاملہ میں ان کی رہنمائی کریں۔ حضور نبی کو تم نے ان کی درخواست پر مصعب کو میکہ کے باہر
پہلا تبلیغ اسلام بنا کر بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں۔
اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی لئے مصعب بن عمیر کا نام مقرر المدینہ پڑ گیا تھا
وہ مدینہ میں مانا پڑھاتے سارا سارا دین تبلیغ میں لگے رہتے۔ ان کی قیام گاہ ابو
امامہ اسعد بن زہرا کا گھر تھا۔ اسلام میں اس بیعت کو اتنی اہمیت حاصل ہے۔ کہ یہ
پہلی اور ابتدائی بیعت تھی۔ جو اسلام کے انوار کو خطہ مکہ سے نکال کر یثرب کی طرف
لے گئی۔ اور نور کی کرنیں یثرب کے ہر قبیلہ کے در و دیوار پر چمکنے لگیں۔ سعد بن معاذ
جیسے مجلس القدر صحابی بھی اسی بیعت کے بچے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ انکا بگوش
اسلام اتنا تھا کہ انہوں نے اپنے قبیلہ کی طرف واپس جا کر تمام قبیلہ کو ایک ہی جملہ
سے مشرک سے مومن میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ جملہ یہ تھا۔ کہ
"میرے ساتھ تھا۔ کوئی تعلق نہیں جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول پر ایمان نہ لاؤ"

پس پھر تو کوئی متنفس پیچھے نہ رہا جو ایمان نہ لایا۔ اور اپنے سردار اور رئیس اعظم کے جملہ کی لاج رکھتے ہوئے مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے بت نکال نکال کر توڑ دیئے۔ اور خدا کا پیارا رسول مکرم میں بیٹھ کر خدا سے مطلق کے وعدوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے اگلے حج کے موقع کا پھر انتظار کرنے لگے۔

آپ کا سفر ہجرت

ہجرت عظمیٰ ۱۲ سالہ نبوی ہجرت ۱۱ھ ۱۹ھ

تیرہ سال رات دن رو سائے قریش کے ہاتھوں آپ نے جو مصائب برداشت کئے وہ چشم فلک نے کہاں دیکھے ہوں گے؟ لیکن چونکہ آپ کا مشن لاثانی اور عالمگیر تھا اس لئے مصائب و ایذاؤں بھی بے مثال اور شدید تھیں آپ یہ مصائب برداشت کرتے کرتے اتنے تنگ آ گئے کہ روحانی آبادی قائم کرنے کے لئے رضا بالقضاء آمادہ ہو گئے بتاریخ چودہ نبوی یکم ربیع الاول بروز پیر و جمعہ تخلیق کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی گاؤں کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ وہی گاؤں جس میں حضرت عبدالطلب حضرت ابوطالب حضرت خدیجہؓ حضرت آمنہؓ اور خود رسول خداؐ کے شب دروز گزرتے تھے۔ جو آپ کو بہت پیارا تھا جس کو خیر یاد کہتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

”اے مکہ کی بستی تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے، مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔“

بے شک اہل مکہ دارالندوح میں قصی بن کلاب کے گھر پر مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے وہ لوگ قطعی اور آخری فیصلہ کر چکے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاکہ ہی اصل جھگڑے کو اختتام پذیر کرے گا اور آج یوم الودعت کو حتیٰ فیصلہ پر متفق ہو گئے کہ

فیصلہ کا ایک ایک جوان چٹنا جائے جن کے ہاتھوں میں تلواریں دے دی جائیں۔ پھر یہ ایک آدمی کی طرح محمدؐ پر حملہ کر دیں اور اُسے قتل کر دیں۔ ایسا کرنے سے اس کا خون متفرق قبائل قریش میں پھیل جائے گا۔ اور بنو ہاشم کو اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ ساری قوم کے ساتھ لڑے۔ پس لامحالہ ان کو خون بہا ادا کر دیا جائے گا۔ جو انہیں قبول کرنا پڑے۔ یہ رائے جو فیصلہ کن تھی۔ ابو جہلؓ نے انہیں کی تھی۔ جس کا دل تیرہ برس تک چراغ وحی گل کرنے کی کوشش میں جلتا رہا تھا۔ اور کبھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اور یہی تھا فیصلہ اہل قریش کا۔ لیکن دیر خداوند عالم کا بھی ایک فیصلہ تھا۔ رَاٰذَیْمُکُمْ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا..... وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ اور یاد کرو جب کفار مکہ تمہارے متعلق منصوبے کرتے تھے۔ کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں اور خوب منصوبے کاٹھ رہے۔ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی جگہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر تدبیریں کرتے والا ہے۔

پس آج یکم ربیع الاول بروز پیر و جمعہ کی جنگ تھی اور خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ میں اور میرے رسول کس طرح غالب آتے ہیں۔ قریش کے سرغنہ مشیر خاص عبد بن ربیعہ، شبیب بن ربیعہ، ابوسفیان، ابوالنجرز، ذمہ بن الاسد، حجاج کے دونوں بیٹے، امیہ بن خلف اور ابو جہل تمام کے تمام اپنی سکیم پر عمل پیرا ہونے کے لئے چند آدمیوں کو مقرر کر کے رات کی تاریکی میں آپ کے گھر پر حلقہ بنا گئے اور رات جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: ”آج رات آپ اپنے بستر پر آرام نہ لیں جس پر روزانہ آرام فرماتے تھے۔“

آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ تاکہ کفار اگر جھانک کر دیکھیں تو انہیں یہ دکھائی دیتا رہے کہ کوئی شخص بستر پر لیٹا سو رہا ہے۔ اور دو نقاب کے لئے دوسرا دوسرے نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ اُدھر یہ لوگ مشورہ کر کے اپنے پلید ہاتھ رنگیں اور ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بد ارادہ کی خبر دیدی۔ آپ نے اجازت پاتے ہی حضرت ابیہیلؓ کی طرح

سیرتِ سلیم خم کر دیا۔ دشمن خدا صبح کی روشنی کے انتظار میں تھے کہ حشمتہ انوارِ خطہ مشککہ سے نکلے۔ موعود مقام کی طرف چل پڑے۔ اور خاکدین کی آنکھوں میں حشمتہ کے لئے ناکافی کی سیاہی چھوڑ گئے۔ جو رات چھینے پر بھی نہ چھٹی۔ حضرت علیؓ اطمینان کے ساتھ آپ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اور اس وقت یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو کفار کے چنیدہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں تلواریں ہوں گی۔ صبح حقیقت معلوم ہوئے۔ پر وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ مجھے اس ایمان کے بدلے میں کیا ملنے والا ہے۔

پیشگوئی کے مطابق جب رسول خدا مکر سے نکلے تو ایسی حالت میں نکلے کہ جب ننگی تلواروں کے ساتھ دشمن نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ آپ کا خاتمہ کر دے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور آپ وہاں سے سورۃ یسین کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر سیدھے گئے وہاں سے دونوں دوست مکر کی گلیوں کا حاشی اور سناٹے کے عالم میں گزرتے غارِ ثور میں جا پناہ گزیں ہوئے تو دیوانوں نے ناکافی کے جنون میں حضرت علیؓ کو مارا۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی کو ڈانٹا اور اعلان عام کر دیا کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اس کو سواؤنٹ انعام دیئے جائیں گے۔ آج مقصود کائنات کے لئے سناؤنٹ انعام کی شرط ہے۔ ایک دن آپ کے والد عبد اللہ کے لئے سنی سناؤنٹ خون بہا مقرر ہوا تھا۔ اور سناؤنٹ قربان کر کے حضرت عبد اللہ کو زندگی ملی تھی۔ آج وہی قوم سناؤنٹ دے کر بیٹے کی زندگی چھین رہی ہے اور یہی قوموں کے اطوار رہے ہیں۔ کبھی سناؤنٹ زندگی کی قیمت۔ اور کبھی سناؤنٹ موت کے دام ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نکلے تو ہمارے ہاں قریش کی ایک ٹولی آئی جس میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ آکر دروازہ پر

کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ "اے ابوبکرؓ کی بیٹی؟ تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا۔ واللہ میں نہیں جانتی۔ ابوجہل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور وہ بد معاش خبیث تھا میرے گال پر ایسا تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی گر گئی۔" لے

پس ہجرت عن الدار کے بعد آپ غارِ ثور میں پناہ گزیں ہوئے۔ دشمن تلاش کرتے۔ سر پہ آن پہنچا۔ ابوبکرؓ گھر گئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے محبوب و دوست کے لئے اور کیا یا رسول اللہ! دشمن سر پہ پکڑا ہے اگر کوئی نظریہ کیسے کا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپ نے فرمایا اے ابوبکرؓ مت ڈرو۔ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے۔

دھروہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں سبحان اللہ! کیسا توکل ہے۔ دشمن سر پہ پکڑا۔ اور اتنا نزدیک ہے کہ ذرا آنکھ پتھے کرے اور دیکھ لے۔ لیکن آپ کو خدا تعالیٰ پر ایسا یقین ہے کہ باوجود سب اسباب مخالف کے جمع ہو جانے کے آپ یہی فرماتے ہیں لَا تَخْذَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا خدا تعالیٰ پر کامل توکل ہی کامیابی کی علامت ہے۔

چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق خاص تین رات دن اس غار میں پوشیدہ رہے۔ حضرت اسماءؓ نبوت حضرت ابوبکرؓ رات کے اندھیرے میں آکر کھانا لے بیٹیں۔ چوتھے دن غار سے باہر تشریف لائے۔ عبد اللہ بن ابی سہل کی راہنمائی میں یہ مختصر قافلہ شرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ معروف شاہراہ سے ہٹ کر پہر تک سفر برابر جاری رہا۔ آپ سورۃ یسین کا ورد کر رہے تھے کہ سراقہ بن مالک نے آپ کا تعاقب شروع کر دیا۔ جب قریب ہوا تو آپ کی توجہ کے نتیجے میں اس کی سواری نے ٹکڑے کھائی اور اس کے پاؤں زمین تک دھنس گئے۔ یہ حادثہ اس کے ساتھ تین دفعہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہ بصارت نے کام کیا اور اس نے انہ کو کرمان صلیب کی جو کہ رحمۃ للعالمین کے حضور سے نصیب ہو گئی۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا۔ سراقہؓ تیرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اس نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرے ہاتھوں میں کنگن؟

پہلا غلبہ اور ہجرت

سراقہ بن مالک بن خثیم کا تعاقب
بمطابق جو حصہ ۲۲ نبوی ۶۲۲ء

اگرچہ ہجرت کی گھڑی سے ہی غلبہ کی گھڑی شروع ہو گئی تھی۔ جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تنگی تو اوروں کے محاصرہ میں سے دشمن کو اندھا کر کے صاف نکل آئے تو ہر قبیلہ کا ہوشمند جوان آنکھیں میچ میچ کر دیکھتا تھا کہ وہ انسان کہاں گیا؟ کدھر سے گیا؟ اور کیسے گیا؟ چونکہ اشتدائے نے ان کی بینائیاں چھین لی تھیں۔ اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ آپ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں بکتر سے نکل گئے۔ دوسری دفعہ پھر جب سید البشر دنیا والوں کی نظر سے چھپ کر غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے تو روسائے قریش اور ہوشیار ترین کھوجی غار کے منہ پر پہنچ بھی گئے۔ بگڑان سے دوسری بار پھر بینائی چھین لی گئی تھی۔ اور وہ منزل پر پہنچ کر اندھے کو نکلے اور بہرے ہو گئے تھے۔ دونوں مواقع ایسے معجزاتی تھے کہ دشمن کی بصارت کو ہی پاک کے بابرکت وجود کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی بصری طاقت چھین لی تھی۔ مگر حقیقی غلبہ غارِ ثور سے نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب انعام کے طمع میں تعاقب کرنے والے کی آنکھوں نے آپ کو دیکھ بھی لیا۔ آپ دشمن کے بالکل سامنے آ گئے اور نورانی چادر جو آپ کے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ سراقہ بن مالک کی نظریں اس کے ورے چلی گئیں۔ سراقہ بن مالک پہلا شخص تھا جو اس نیت سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کہ میں نیزہ لئے آپ کے قریب پہنچا۔ اور اُس نے آپ کو دیکھ بھی لیا۔ گویا دشمن اس مقام پر آپ کو دیکھتے ہیں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس مقام پر بھی دشمن کی کامیابی نہ تھی۔ رسول خدا کی ہی کامیابی تھی اور یہی آپ کو

غلبہ تھا۔ اس فرمان الہی کے مطابق کہ "لَا غَلِبَتْنَا اَنَا وَرَسُولِي" غلبہ کی رامت شروع ہو گئی اور ہر مقام پر خدا اور اس کا رسول غالب ہوتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے آج ۱۲۵ نبوی ارادہ ظاہر کر دیا کہ "عالم طاقیتس توڑ دی جائیں گی۔ ان طاقتوں نے بہت دیر حکومت کر لی ہے۔ اب خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑک رہی ہے۔" اور خدا تعالیٰ کا غلبہ شروع ہوتا ہے۔ تو دنیوی طاقتیں بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی یہ غلبہ کا دور شروع ہو چکا تھا۔

آپ کے بیچ نکلنے کے بعد ائمہ الکفر نے آپ کے سر کا انعام مقرر کیا۔ اس شخص کو سزاؤں کا انعام دیئے جائیں گے جو ہم تک محمد کو زندہ یا مردہ پہنچائے۔" یہ ان کا لالچ کافی حوصلہ مند چیز تھی۔ سراقہ بن مالک نے دل میں ٹھکان لی کہ وہ انعام ضرور جیتے گا۔ وہ پختہ یقین لے کر نکلا کہ سزاؤں کا انعام اس کا مقدر ہے۔ اُس نے پیادہ گھوڑا جو بطین دادی میں چرنے کے لئے لمبے عرصہ سے باندھ رکھا تھا۔ اور ایسے موقع کے لئے ہی تیار کیا ہوا تھا۔ ساتھ لیا اور ہتھیار باندھ کر زہ پہن لی اور فال نکالی۔ لیکن فال وہ نکلی جسے وہ پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اس طرح اس کا مشن ناکام ہو جاتا تھا۔ دو تین بار فال دی نکلی۔ جس سے رسول خدا کو ضرر نہ پہنچ سکتی تھی۔ سراقہ کہتا ہے: "مجھے اُمید تھی کہ آپ کو قریش کے پاس لاؤں گا اور قریش سے سزاؤں لوں گا۔ پھر میں سوار ہو کر آپ کے نشان قدم پر چلا۔ میرا گھوڑا دوڑ رہا تھا کہ ٹھوکر کھائی۔ اور میں اس کی پٹا میں نے دلی میں کہا آخر یہ کیا بات ہے؟ پھر میں نے تیر نکالا تو وہی فال نکلی۔ لیکن میں کوئی دوسری صورت قبول کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ دوبارہ پیچھا کیا تو میرے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اور میں اس کی پٹا۔ گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکلے تو سناٹا ہی بگولے کی طرح دھواں نکلاتا تھا میں نے جان لیا کہ آپ مجھ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ پس خدا کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور دنیوی کا دروازہ آپ پر کھل گیا۔ تعاقب کرنے والے اور آپ کے درمیان مابین

فاصلہ ہے۔ گویا آپ ان کی پہنچ میں ہیں۔ وہ انعام کے نشے میں غور تو اونٹوں کے گالوں کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ شکار بھی ایسے حال میں ملا کہ انسانی طاقتیں اس کے سر پہ نہیں تھیں۔ مگر روحانی اور غیبی طاقتیں اس کو مل رہی ہوں۔ مدد اور حفاظت کا ان کے لیے جسے نصیب ہو۔ پھر ایک سراقہ کیا ہزار سراقہ بھی آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ آخر تین بار کہ شہرہ اعجاز دیکھ کر سراقہ نے توبہ کرنی اور بادار بلند رسول خدا کو پکارا۔ جانے والو! ذرا رک جاؤ، اتنی مہلت دو کہ میں تم سے کچھ بات کر سکوں۔ واسطے کوئی دعا یا ز نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گا جو تمہیں ناپسند ہو۔ رسول خدا نے فرمایا کہ اس سس پوچھو وہ کیا چاہتا ہے۔ آپ بڑے اطمینان سے تلاوت فرماتے جا رہے تھے۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کیا۔ "میں آپ کے تعاقب میں آیا تھا۔ مگر واپس جاتا ہوں مجھے امن کی تحریر آپ کھدیں۔ اور میں وہاں ہوں کہ جو کوئی بھی مجھے تعاقب کرنے والا ملا میں اُسے پھیر دوں گا۔" اُس نے خواہش کی کہ مجھے سندامان کچھ دی جائے۔ آپ کے ارشاد پر حضرت ابو بکرؓ نے کافہ ٹھیکری پر یہ تحریر کچھ کر دی۔ جس میں کسری کے کنگن کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ خدا نے جب مگر فتح کیا اور حنین اور طائف کی جنگوں سے فارغ ہوئے تو سراقہ وہ تحریر لے کر حاضر ہوا۔ بیان کرتا ہے کہ میں رسول خدا کے قریب گیا۔ آپ پر سوار تھے۔ میں نے تحریر نکال کر ہاتھ بلند کیا۔ یا رسول! یہ میری نسبت آپ کی ہے۔ یَوْمَ دُفَاءً وَبِئْرٍ آج کا دن وعدوں کو پورا کرنے کا دن ہے پھر میں نے اسلام قبول کیا۔ خداوند عالم کی قدرت ملاحظہ ہو کہ جب حضرت عمرؓ کے وقت میں ایران فتح ہوا تو کسری کا خزانہ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں کسری کے کنگن بھی آئے۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلایا۔ اپنے سامنے اس کے کنگن میں کسری کے کنگن جو جو اسرات سے مرصع تھے پھنسائے اور یوں خدا کا رسول فرمایا کہ دیکھنے والے نے دیکھ لیا۔ پکڑنے والے نے پالیا۔ اور بالمشافہ باہم جلا ہوئے مگر دشمن مغلوب تھا۔ اور امی و پناہ کا خواہاں۔ کبھی وہ دن تھے کہ یہی

جنت رحمت شہر کے لوگوں سے بھاگ کر باغ میں پناہ لینا ہے۔ اور پتھر اڑ سے زنی خون آلود وجود خدا سے اپنے ضعف قوت اور قلب تدبیر کی شکایت کرتا ہے۔ اور جب غلبہ شروع ہوتا ہے تو دشمن نے آپ کو گھائل نہیں کیا۔ آپ نے دشمن کو گھائل کر دیا۔ اور بیشتر اس کے کہ وہ داپس لوٹا۔ وہ محمد رسول خدا کی صداقت و عظمت کا قائل ہو چکا تھا۔ گو وہ اسلام میں شامل فتح مگر پر ہوا۔

پہلی مسجد

مسجد قبا لہ

أَسَسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ۔ چونکہ شان عبدیت صرف اور صرف نماز سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے خدا کے رسولؐ نے اپنے صحابہ میں عبدیت پیدا کرنے کے لئے تکمیل سفر ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام جو کیا وہ نماز کے لئے مرکز بنا دیا تھا۔ تاکہ خدا کے بعد اپنی عقدیت کے پھول خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے اجتماعی رنگ میں حاضر ہوں اور اس کی محبت کی بھیک اس سے مانگیں۔ آپ جب اپنے آبائی گاؤں کو چھوڑ کر ہفتہ عشرہ کی خاموش مسافت طے کر کے اپنی موعودہ منزل کی طرف پہنچے تو کسی خیال کے ماتحت سیدھے شہر کے اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ دائیں طرف ہٹ کر مدینہ کی باہری آبادی داخل شہر سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر قبا کی طرف تشریف لے گئے وہاں کے انصار نے آپ کا پرتیاک استقبال کیا۔ کیونکہ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ اور وہ اپنے محبوب نبیؐ کو دیکھنے کیلئے بے تاب تھے۔ ان میں ممتاز ترین خاندان عمرو بن عوف کا تھا۔ آپ اس خاندان کے رئیس اعظم کلثوم بن الہدم کے مقام پر مقیم ہوئے اور سب سے پہلے خدا کے گھر کی بنیاد رکھی۔ پہلی مسجد بھی جو اسلام میں تعمیر ہوئی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اس مسجد کی

بنیاد رکھی۔ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مزدوروں اور عماروں کا کام کیا اور چند دن کی
سے یہ خدا تعالیٰ کا گھر مکمل ہو گیا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں بھی ذکر ہے
اس مسجد سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پیار تھا۔ کیونکہ یہ آپ کا سر
غلبہ تھا۔ وہ شخص جو ایک لمحہ عرصہ سے اپنے پیدا کرنے والے معبود حقیقی
سامنے جھکنے کے لئے بھی بے خوف و خطر نہیں جھک سکتا اجتماعی قبیح و تمجید
سونیا تو قریناً غیر ممکن ہی تھا۔ لیکن جس رات آپ گھر سے نکلے ہیں۔ مجرا
شروع ہو جاتا ہے۔ اول تو تعاقب کرنے والے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے
الہی تصرف سے وہ ہر مقام پر خائب و خاسر رہے نہ صرف آپ پر اس مقام
پہنچے بلکہ آپ کا پرتپاک استقبال کرنے کے لئے ایک قوم سمندر کی طرح آگے
اور خدا تعالیٰ کے مقدس نبی کے لئے جان نثار بن گئی۔ آپ عزیز و اقارب کے حلقہ
سے تنگ آکر اپنے وطن سے نکلے ہیں۔ اور ایک ایسی بستی کی طرف خدا تعالیٰ
آپ کو لے آتا ہے جو دنیوی رشتہ کے لحاظ سے قطعی خیر و کی بستی ہے مگر
ان غیروں کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ خون کے رشتے اس کے
قطعی سر پہ چھوڑ دیں۔ آج آپ کتنے خوش ہیں کہ اسلام کو تیرہ برس کے بعد
نکلنے کے لئے زمین نظر آئی ہے۔ چنانچہ بانی اسلام نے سب سے پہلے اسلام کا مرکز
تعمیر کیا ہے۔ تاکہ وہاں سے خدا کے واحد لا شریک کے لئے پانچ آذانیں دیں
اور باجماعت نمازیں پڑھی جائیں اور قرآن کی درس گاہیں بنائی جائیں۔ مسجد
لئے آپ کے دل میں بہت عزت و محبت تھی یہاں تک کہ آپ نے حکم دے دیا
”جہاں کہیں مسجد دیکھو یا آذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔“ نماز
ادا فرماتے ہیں کہ شکر الحمد للہ! اسلام کے نازک اور کمسن پودے کو آزاد
سانس نصیب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد سے آخر وقت تک
محبت تھی۔ چنانچہ مدینہ چلے جانے کے بعد بھی آپ ہر ہفتہ قبا میں تشریف لے جاتے
اور اس اپنی پہلی مسجد میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

اور بھی بہت سی مسجدیں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ لیکن قبا کی
مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ مسجد آپ کی پہلی تعمیر تھی۔ اور خاص توجہ کا مرکز تھی
اور روحانی نوآبادی کا پہلا قدم تھا۔ اس پہلے قدم سے ثابت ہوا کہ حقیقی مومن
مسجد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مسجد کے ساتھ لگاؤ خدا کے ساتھ لگاؤ کا
مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کو ملنے کا ذریعہ نماز ہے اور باجماعت نماز ادا کرنا مومن
کا عراج ہے یہ مسئلہ امر ہے کہ آپ رحمۃ اللعالمین تھے۔ لیکن اپنی تمام تر شفقت
محبت کے باوجود آپ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے
میں ان کے گھروں کو ان کے کمیت جلا دوں۔ گویا کہ ان کے دل میں نماز سے عشق
کی ایک آگ تھی جس کے شعلوں سے آپ مسجد سے دور رہنے والوں کے گھروں
کو جلا کر رکھ کر دینا چاہتے تھے۔ پس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر آذان
کی آواز آپ کے گھروں تک آجائے تو آپ پر مسجد میں آنا لازم ہو جاتا ہے۔
یہاں تک کہ ایک اندھے صحابی نے اجازت مانگی تھی کہ یا رسول اللہ میں نابینا ہونے
کا درجہ سے مسجد تک نہیں آ سکتا۔ تو آپ نے فرمایا تمہارے گھر تک آذان
کی آواز آتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا کہ
مسجد میں نہیں آنا چاہیئے۔ تو یہ اہمیت ہے اسلام میں مسجد کی۔ جس کو آپ
نے عمل و قول نے ثابت کر دیا ہے۔

پہلی نماز جمعہ

نماز جمعہ بمقام مدینہ منورہ سلمہ بھری

جُعِلَتْ قَرَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

مدینہ جو کہ اصل آپ کا منشاء ہجرت تھا۔ اور یہی وہ موعود مقام تھا جس کے لئے آپ نکلے تھے۔ آپ کی آمد کے لئے بے تاب و بے قرار تھا۔ ہر مسلمان اس لمحہ کا منتظر تھا جب کہ ان کا محبوب آقا اس سرزمین پر قدم رکھے۔ آخر وہ خوش گھڑی آگئی۔ آپ قریباً دس دن قبا میں رہ کر مدینہ کے لئے بروز جمعہ رخصت ہوئے۔ مدینہ کے مرد و عورتیں بچے اور بوڑھے سب کے چہرے خوشی سے تھما اٹھے اور انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا دنیا اور آخرت کے انعامات انہیں آج آپ کے وجود میں حاصل ہو گئے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف دئے تو ہم نے یوں محسوس کیا کہ ہمارے لئے مدینہ روشن ہو گیا۔ چنانچہ آدھے بعد آپ نے اپنی اونٹنی کو چلنے دیا۔ انصار و ہاجرین کی ایک بڑی جمیعت آپ کے ساتھ تھی۔ یہ قافلہ آہستہ آہستہ شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ راستہ میں ہی نماز کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سالم بن عوف کے محل میں ٹھہر کر صحابہ کے سامنے خطبہ دیا۔ گو اس سے پہلے بھی خطبہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ مگر پہلا جمعہ تھا جو آپ نے خود ادا فرمایا اور اس کے بعد جمعہ کی نماز کا موجودہ طریق باقاعدہ جاری ہو گیا۔ نماز جو دراصل نمازوں کی عید ہے۔ اور اسلامی شریعت میں جمعہ کی نماز کو اسی لئے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان جمعہ کے دن غسل کرے کپڑے بدلے اور خوشبو استعمال کرے اور جلد از جلد نماز کے لئے مسجد میں جمع ہو جائے۔ شریعت ہو جائے۔ جتنی جلدی کوئی آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب اسے حاصل ہوگا۔

پہلے آنے والے کو ایک پہاڑی جتنا ثواب ملتا ہے۔ جبکہ سب آخر میں آنے والے کا ثواب ایک مرغی کے انڈے کے برابر رہ جاتا ہے۔

پس یہ نماز جمعہ پہلی نماز جمعہ تھی جو مدینہ منورہ میں آپ نے وادی ذوالنواء کے درمیان ادا فرمائی۔ خطبہ میں ان مسائل کا ذکر فرمایا جو اس وقت ضروری اور اہم تھے۔ درحاضرین کو ایمان و اعمال صالحہ کے متعلق مناسب نصائح و ہدایات دیں اور دو رکعت نماز فرض ادا کی۔ اس جگہ جہاں آپ نے پہلا جمعہ پڑھایا اب ایک مسجد تعمیر ہے جسے اُس جمعہ کی یادگار میں مسجد الجمعہ کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ بھی اس نماز جمعہ میں موجود تھے۔ کیونکہ وہ آپ کی ہجرت کے تین دن بعد لوگوں کی امانتیں وغیرہ واپس کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کو نماز سے عشق تھا۔ کیونکہ مدینہ میں قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے سب سے پہلے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا! نماز! اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا! دالین سے نیکی کرنا۔۔۔۔۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو نماز سے کتنا پیار تھا۔ اور نماز ہی کی پابندی کرنے والے کو آپ نے اعمال صالحہ کا سردار مقرر فرمایا ہے۔ جس طرح پھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مسلمان نماز کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ سے تعلق کے بغیر ہم تقویٰ کی راہیں پر نہیں چل سکتے اور خدا تعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ادا کرنا ضروری امر ہے نماز جمعہ کے بعد جیسے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جب تم نماز ادا کرو تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو طلب کرتے ہوئے اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ (سورہ جمعہ)

پس نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے کہنے والا شخص جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لایا تو پہلا کام ہی نماز ادا کرنا تھا۔ اور جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے رخصت ہوا تو آخری فقرہ جو آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا۔

الصلوة وما ملكت ايما نكده يعني اے امت کے لوگو! نماز اور غلاموں کے
میری تعلیم فراموش نہ کرنا۔ یعنی آخری الفاظ بھی نماز پر ہی ختم ہوئے۔
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ -

پہلا خطبہ

یومِ بقرہ

اَنَا أَقْصَمُ الْخَدَبِ کہنے والا مقدس و جد تیرہ برس تک پتھر دل انسانوں
کے سامنے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پیش کرتا رہا۔ اور نتیجہ چند سینکڑہ نفوس کے ہاتھ
تمام بؤساء کی چلتی ہوئی تلواروں نے ترجمانی کی تو آپ نے مکر کو چھوڑ دیا۔ مگر اسی
عزمِ صمیم کے ساتھ کہ پھر فتح کی خاطر نہیں بلکہ مکر والوں کے دلوں کو فتح کرنے کی خاطر
جب ایک بسایا شہر چھوڑ کر آپ دارالہجرت اور جائے پناہ میں پہنچ گئے تو
ادھر ربیع الاول جمعہ کے روز آپ نے ان لوگوں کو خطاب فرمایا جنہوں نے عقبی کے
میدان میں آپ کو پناہ کی پیشکش کی تھی۔ اور جو اس عہد کو جو انہوں نے عقبی میں بددعا
تھا پھیر کر دکھانے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اور منتظر تھے۔ چنانچہ اس مسجد میں جو
دادی زانو ناد کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے پہلا جو بڑھاپا اور خطبہ میں حمد و ثناء
کے بعد فرمایا۔ ”لوگو! اسلام بھلاؤ۔ اپنی ذات کے لئے کچھ لپچھے کام نہ کرو۔ نہیں
معلوم ہونا چاہئے کہ ایک ایک شخص صاعقہ موت کا نشانہ بنے گا۔ پھر وہ اپنی
بکریوں کو اس حال میں چھوڑ جائے گا کہ کوئی چردا ہا نہیں رہے گا۔ پھر اسکی پروردگار
اس طرح گفتگو کرے گا کہ نہ کوئی ترجمان درمیان میں ہوگا اور نہ کوئی پردہ اس کے
سامنے ہوگا کہ اسے چھپائے۔ اور خدا اقلے فرمائے گا۔ ”کیا تیرے پاس میرا رسول
نہیں آیا تھا؟ اور اُس نے تجھے تبلیغ نہیں کی تھی۔ میں نے تجھے مال دیا تھا پھر اپنا فضل

کیا۔ تم نے اپنی ذات کے لئے موت سے پہلے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا۔ ”پھر بندہ
وہیں بیٹھ لیکن لگے گا اور کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ سامنے دیکھے گا تو دوزخ کے
سوا کچھ نہ پائے گا۔ لہذا جس سے ہوئے اپنا چہرہ آگ سے بجائے۔ اگرچہ ایک کھجور
کے برفے کے ذریعہ ہو۔ اسے چاہئے کہ ایسا کرے اور جو شخص یہ بھی نہ پائے تو
ایک نیک بات کے ذریعہ سے ہی بھی۔ کیونکہ اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔ آپ
نے مزید فرمایا کہ ایک نیکی کا معاوضہ دس گنا تک ہوگا۔ اور اے لوگو! تم پر اللہ
کے رسول کی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ آمین

یہ پہلا خطبہ اور اس کے بعد آپ کی مئی زندگی کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے لئے جب
لوگ جمع ہو جاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے
اور پھر لوگوں کو سلام کہتے۔ پہلے پہل منبر ایک ٹکڑی کا تینا تھا جس کا سپہارا لیکر
آپ کھڑے ہو جاتے۔ بعد میں وہ منبر بدل دیا گیا۔ تو مورخین کا قول ہے کہ منبر کی
ٹکڑی کا یہ بے جان ٹکڑا جو مسجد نبوی میں کھڑا رہا تھا۔ لوگوں نے اس کے
کراہنے کی آواز سُنی تو پوچھنے پر بتایا گیا کہ سرور کائنات کی جدائی گوارا نہ تھی۔
اس لئے وہ کراہتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ آپ آذان کے فوراً بعد خطبہ شروع فرمادیتے۔ پہلے دائیں ہاتھ میں عصا
ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا۔ خطبہ ہمیشہ مختصر و جامع
ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے ”نماز کا طول اور خطبے کا اختصار آدمی کے نفقہ کی دلیل
ہے۔ جو کہ خطبہ میں آپ عموماً سورۃ ”ق“ پڑھتے تھے۔ جمعہ اور عید کا خطبہ میں
تھا۔ باقی جب فوری ضرورت پڑتی تھی تو آپ فی البدیہہ بھی خطبہ کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔
ہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر منبر پر ادٹ پر جس جگہ اور جس موقع پر خطبہ دینا چاہا

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۵۵۵ باب ۷۵ ۲۔ صحیح مسلم۔
۳۔ صحیح مسلم۔

جامع اور مختصر خطبہ دیا۔ ضرورت کے مطابق طویل خطبات بھی دینے پڑے ہیں۔ آپ نے بہت پر مغز اور عالی شان خطبے دیئے جن سے لوگوں میں روحانی خوشی ہو۔ خطبہ حج الوداع اپنی ذات میں ایک نایاب اور لاشانی خطبہ تھا اور ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ اسلامی تعلیم کا پچوڑ تمام تر ہمارے سامنے چند جملوں میں آپ نے فرما دیا۔ آپ نے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ انا فصح العرب یعنی میں فصیح عرب ہوں۔ اور جامع کلمات نے کرمبوت ہو ا ہوں۔ خطبہ کی حالت میں آپ ہمیشہ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دیتے۔ چنانچہ ایک شخص مسجد میں آیا تو آپ نے اس سے پوچھا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا "نہیں" یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا۔ اٹھو اور پڑھو۔

میدان جہاد میں بھی جب آپ خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی تاکہ جہاد کا اعلان ثابت ہو۔ لیکن ابن قیم کا بیان ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ خطبہ کے وقت کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی تھے۔

۱۔ زاد المعاد جلد اول۔ فصل برہہ فی الخطبہ ص ۱۴۱

۲۔ شبلی حصہ دوم ص ۲۱۶

پہلے قیام گاہ

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی جائے ہائش

ہجرت کے بعد مدینہ کا پہلا گھر جہاں سرور کائنات نے سب سے پہلے قیام فرمایا۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی گھر تھا۔ حضور پر نور اسلام کے انوار تیرہ برس تک شب و روز ایک ایک کمرے کے مگر کی سرزمین میں روشن کرتے رہے۔ انتہائی محبت و پیار و جبر و استقامت اور عفو و درگزر کی ساتھ اپنے لوگوں میں وقت گزارتے رہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ محروانے روشنی حاصل کرتے۔ یشرقی خوش نصیب آگے بڑھ آئے اور اس حسن انسانیت کے میزبان بن گئے۔ ایک دن وہ آگیا کہ جس ہستی کے لئے اُسکی ہم وطن خون کے پیاسے تھے۔ اسی ہستی کے لئے شرب کا ہر شخص یہ خواہش کرتا کہ آپ اس کے گھر پہنچیں۔ جس جس گلی سے آپ کی اونٹنی گزرتی ہے اسی گلی کے مختلف خاندان گھر کے سامنے کھڑے ہو کر احد مجتبیٰ کا استقبال کرتے ہیں۔ اور کہتے جاتے ہیں یا رسول اللہ! یہ ہمارا گھر ہے یہ ہمارا مال ہے اور یہ ہماری جاتیں ہیں۔ آپ اپنی خدمت و حفاظت کے لئے قبول فرمائیں۔ حتیٰ کہ بعض انصار۔ و فور محبت سے مظلوم ہو کر آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑ لیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اسے مجمع الانوار! آج خدا کے لئے میرا گھر روشن ہو جائے۔ آپ ہر ایک کو یہی جواب دیتے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ وہیں کھڑی ہوگی جہاں خدا تعالیٰ کا منشاء ہوگا۔ آخر ہوا وہی جو آپ فرما رہے تھے۔ وہ یقیناً بچوں کی زمین پر اونٹنی بیٹھ گئی اور اکتوبر ۶۲۲ء مطابق یکم ہجری بنو نجار کے سہیل و سہیل کی قسمت جاگی اور ان کے لئے خوش بختی کا پیغام لائی۔ قدرے توقف کر کے اونٹنی اٹھی اور جگہ لگا کہ حکم رقی پھر وہیں اسی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے وہ جگہ خرید کر سب سے

پہلے خدا تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا اور پھر اپنے گھر تجویز فرمائے۔ پھر آپ نے فرمایا میرے قریب گھر کس کا ہے۔ یہاں کس قدر انصاف اور محبت کا ثبوت دیا کہ اول حق کسی کا ہے جو میرے مجوزہ گھر دین کا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ چنانچہ وہ گھر حضرت ابوالیوث انصاری کا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور آپ کا پلان اٹھالیا اور اپنے گھر لے گئے۔ آپ کے حکم ملنے پر گھر کا کمرہ تیار کیا۔ دو منزلہ عمارت دانے گھر میں اوپر کی منزل تجویز ہوئی۔ لیکن رسول خدا نے خدایان رسول کی تکلیف کا خیال کر کے ہونے بجلی منزل پسند فرمائی۔ ابوالیوث انصاری مان تو گئے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ساری رات ہم میاں بیوی جاگتے رہے کہ ہمارے پیارے ہادی نیچے سو رہے ہیں اور ہم اوپر کی منزل پر بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ پانی کا ایک برتن اچانک جو گر گیا تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ حیت کے نیچے پانی نہ ٹپک جائے۔ حضرت ابوالیوث انصاری نے دوڑ کر اپنا لحاف اس پر ڈال کر خشک کیا اور خود ساری رات سردی میں بسر کی۔ صبح اٹھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بالائی منزل کی اجازت چاہی۔ قبول گئی۔

حضرت ابوالیوث کہتے ہیں کہ ہم کھانا تیار کر کے آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے اور جب آپ بچا ہوا کھانا لائے مانتے تو برتن میں جس مقام پر آپ کا دست مبارک پڑتا تھا تو اور اتم ابوالیوث اسی مقام کو تلاش کرتے اور برکت حاصل کرنے کے لئے اسی مقام سے کھاتے۔

ایک دفعہ شام کا کھانا تیار کر کے روانہ کیا۔ جو کچھ ہنس وغیرہ کی بو والی تھا۔ رسول خدا نے کھانا واپس کر دیا۔ ابوالیوث پریشان ہو کر آپ کے پاس پہنچے اور کہے اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوئی آپ نے شب کا کھانا واپس فرما دیا؟ آپ نے فرمایا۔ "میں نے اس میں ہنس اور سیانہ کی بو پائی اور میں ایسا شعر ہوں کہ مجھ سے سرگوشی کی جاتی ہے۔ تم اسے کھاؤ۔ کیونکہ تم لوگوں کی وہ حالت نہیں غرض ہم نے اسے کھایا۔ اس کے بعد خاصہ ہنس والا کھانا تیار نہیں کیا۔"

جب تک رسول اللہ کے اپنے گھر کا انتظام نہ ہو گیا باری باری تمام انصار اپنے ہادی کی ہمان نوازی کا شرف حاصل کرتے رہے اور کھانا پکا کر گھر پر ہی پہنچا دیتے۔ تمام انصار وہ مہاجر آپ کی خدمت کو برکت و رحمت کا موجب خیال کرتے۔ آپ ربیع الاول میں تشریف لائے تھے۔ اور ابوالیوث انصاری کے گھر چھ سات ماہ تک رہے۔ اس اثناء میں آپ تنہا تھے۔ اہل وعیال مگر میں تھے۔ جب مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اس کی اطراف میں حجرے بنا کر آپ اہل وعیال کو لائے اور انہیں ان حوروں میں اتارا۔

چنانچہ ابوالیوث انصاری کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب آپ نے بنوالمختیق کا قلعہ فتح کیا تو آپ کے پاس صفیہ بنت حی ابن اخطب لائی گئیں تو آپ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ آپ نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمایا ہے۔ تو رسول خدا نے خیبر ہی کے کسی نیمے میں ان کو زوجیت کا شرف بخشے ہوئے نکاح پڑھ لیا تھا۔ ابوالیوث تو اسے کرات بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ صبح کے وقت جب آپ نے ابوالیوث کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ اے پیارے رسول! مجھے آپ کے متعلق اس عورت سے اندیشہ تھا۔ یہ وہ عورت ہے جس کے باپ کو شوہر کو اور قوم کو نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ ابھی ابھی نئی مسلمان ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں ان سے خطرہ محسوس ہوا۔ رسول خدا نے فرمایا۔

"اے اللہ تو ابوالیوث کو اپنی امان میں رکھ جیسا کہ اس نے رات بھر میرا پرہ دیا ہے۔"

پہلا اسلامی شہر

مدینۃ النبیؐ

یثرب عرب علاقہ حجاز کا ایک قدیم شہر ہے۔ جو مکہ سے شمال کی طرف دو اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر بحر احمر کے شرقی ساحل سے قریباً پچاس میل مشرق کی طرف ہند کر واقع ہے۔ اس وسیع شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اپنے ہی بھائیوں کا زخم خوردہ پناہ خیر کے لئے جب نکلا تو اس وادی نے اس کے لئے اپنی گود کھولی دی۔ مکہ سے نکالا جانے والا پیارا رسولؐ جب یثرب میں داخل ہوا تو یہ شہر مدینۃ الرسول کہلے پکارا جانے لگا۔ اور وہ سورج جو مکہ میں طلوع ہوا تھا۔ مدینہ کے لوگوں پر جا چکا۔

جبل احد۔ غیر اور جبرے کے درمیان گھرا ہوا یہ شہر تینوں اطراف سے نخلستان سے ہی گھرا ہوا ہے جن میں سے ہر کوئی محلہ آدر رسولؐ کی کم کے زمانہ میں بمشکل داخل ہو سکتا تھا۔ صرف شمالی سمت ہی کھلی تھی جس کی حفاظت کے لئے آپؐ نے خندق کھودی تھی۔ مدینہ منورہ کے گرد اگرد ایک مضبوط فصیل ہے جس میں چار دروازے ہیں۔ باب قبا۔ باب شامی۔ باب خوالی اور جنت البقیع کی جانب باب الجمعد ہے۔ اس کی آبادی پہلے ہی کثیر قبیلوں پر مشتمل تھی اور بہت زیادہ تھی۔ پھر اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص بڑھ گئی۔ کہ ترکوں کے زمانہ میں ایک لاکھ کے قریب تھی۔ آج اس شہر میں بہت سے متبرک آثار ہیں۔ سب سے بڑھ کر مقدس و متبرک روضہ اطہر اور مسجد النبی یا حرم مدینہ ہیں۔ متعدد مساجد اور کوٹیں ہیں۔ بڑے موعودہ کنواں ہے جسے حضرت عثمانؓ نے بھاری رقم دیکر خریدا تھا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

پس مدینہ وہ موعود مقام ہے جہاں سرور کائناتؐ بروز پیر آٹھ ربیع الاول غار ثور سے نکل کر سیدھے پہنچ گئے تھے۔ یہ چار افراد پر مشتمل مبارک قافلہ عبد اللہ بن ابوقطف کی راہنمائی میں چار دن کے سفر کے بعد قبا میں داخل ہوا۔ من عیسوی کے شمار سے یہ تاریخ ۳۳ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔ پھر جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ آپؐ وہاں سے رخصت ہوئے اور آپؐ نے پہلی نماز جمعہ وادی زانودا کے درمیان سالم بن عوف کی مسجد میں ادا فرمائی۔ آپؐ کی آمد کی اطلاع سب سے پہلے ایک یہودی نے دی۔ جو ایک بلند مقام پر کھڑا تھا۔ اس نے با آواز بلند پکار کر کہا۔ ”اے بنی قیلہ! وہ ذی شان ہستی آگئی جس کا تمہیں انتظار تھا۔ مدینہ والے جو کئی دنوں سے استقبال کے لئے آیا کرتے تھے۔ اپنے محبوب نبیؐ کو اپنے درمیان پا کر بے انتہا خوش تھے۔ مرد و زن تمام ترانے گارہے تھے۔ کہ ع۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثِيَابِهِ الْيَوْمَ

آج چودھویں کا چاند ہم پر وداع کے موڑ سے چڑھا۔ اور جب تک خدا تعالیٰ کی طرف ہامیو لا دنیا میں کوئی موجود ہے۔ ہم پر اس کا احسان رہے گا۔ اے وہ شخص! جس کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ تیرے حکم کی پوری اطاعت کی جائے گی۔

اس شہر میں آپؐ کو خدا تعالیٰ نے مسجد بنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ جب آپؐ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے نہ رہائش کے لئے اور نہ مسجد کے لئے کوئی جگہ منتخب کی بلکہ اپنی اونٹنی کو خدا تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی اور رکے گی وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگی۔ اور آپؐ نے ایسا تین بار کیا۔ اور فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ مأمور ہے۔ القصصی آپؐ کی اونٹنی بحکم ربی بنی مالک بن نجار کے احاطہ میں آئی۔ اور دو یتیم بچوں سہیل اور سہل کی زمین پر بیٹھ گئی۔ جو بچے معاذ بن عفراء کے زیر پرورش تھے۔ آپؐ نے اس زمین کو خرید فرمایا اور سب سے پہلے مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی۔ جس میں آج صدائے اللہ اکبر اس محلہ ارض کے بسنے والوں کو ایک پتہ خدا ایک زندہ رسولؐ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور

دین برحق اسلام کا رُوح آفرین مژدہ سنا ہے۔ مدینہ ایک ایسا شہر بن گیا جس پر
خالصتاً خُدا سے واحد کی عبادت کی جانے لگی۔ مدینہ کے مشرک قبائل میں سے اکثر مسلمان
ہو گئے۔ جو دلی سے مسلمان نہ ہوئے وہ ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ اور
کچھ لوگ مدینہ میں مسلمانوں کی اسلامی شرکت کو برداشت نہ کر سکے وہ مکر چلے گئے۔ اس
طرح دنیا کے پردہ پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی شہر یا گاؤں خالصتاً خُدا سے وحدہ
لا شریک لہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ رسولِ خدا کے لئے یہ بڑی خوشی اور
شکرانے کی بات تھی کہ چند ہی دنوں میں سعید رحیم آپ کے گرد جمع ہو گئیں۔ اور
ایک پورا شہر ان کے ذریعہ سے خُدا سے قادر کا پرستار بن گیا۔ جس میں کسی بت کی
پوجا نہیں کی جاتی تھی۔ نہ تو ظاہری بت کی اور نہ باطنی بت کی۔ نہ اب یہاں شرک خفی
تھا اور نہ شرک ظاہری موجود تھا۔ جس کتب سابقہ سے بھی یہ پیشگوئی ملتی ہے کہ
یہی وہ مقدس بستی موعود بستی ہے جس کی طرف رسولِ خدا اکبر ہجرت کر کے جانا تھا
ان پیشگوئیوں میں دو انبوی اور تیما کی سرزمین کے باشندوں کو مخاطب کر کے بتایا
گیا ہے کہ تیما کی سرزمین والو تم روٹی اور پانی لے کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے
بڑھو۔ جو مخالفین کے جوہر ستم اور ان کی تنگی تلواروں اور کھچی ہوئی کمانوں کا ایک بے
عرصہ تک نشانہ بنے رہے۔ اور بھاگ کر تمہارے ملک میں پناہ لینے آئیں۔
دوان اور تیما کی نسلیں نواح مدینہ میں آباد تھیں۔ اور اسی شہر کی سرزمین کو
یہ شرف حاصل ہونا تھا کہ یہاں کے مکین استقبال کے لئے آگے بڑھتے اور اپنی
آنکھوں کو فرشِ راہ کرتے اور اپنے گھر کے دروازے ان کے لئے کھول دیتے۔
صحف سابقہ کے مطابق پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔
پس مدینہ منورہ وہ موعود مقام ہے۔ جو صحف سابقہ سے بموجب پیشگوئی
شرف حاصل کئے ہوئے ہے۔

پہلی سبک عمارت (درگاہ)

مسجد نبوی۔ سنہ ہجری

مدینہ میں پہلی مرکزی درس گاہ مسجد نبوی تھی۔ اور یہی علم و عرفان کا اولین مرکز
تھا۔ مدینہ کے قیام کا سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ جس جگہ آپ کی اذنی بیٹھ
گئی تھی۔ وہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان سے رسولِ خدا نے وہ جگہ تقریباً دس دینار
یعنی تین روپے میں خرید لی۔ اور جگہ کو ہموار کر کے اور درختوں کو صاف کر دیا کہ مسجد
کی تعمیر شروع کر دی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد دعاؤں کیساتھ
اپنے دست مبارک سے خود رکھی تھی۔ پھر اس کی تعمیر میں بھی وہ باکمال نفس سب سے
آگے آگے تھا۔ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ دوسروں کے لئے تقلید کا موجب تھا۔
اس لئے ہر مقام پر آپ دوسروں کے لئے نظیر بن کر سامنے آتے ہیں کیونکہ آپ
کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام میں ہرج خیال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فخر محسوس کرتے
تھے۔ آپ خود بھی صحابہ کے ساتھ اینٹیں ڈھوتے تھے اور اینٹیں اٹھاتے
تھے یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

هَذَا الْحِمَالُ لِأَحْمَالِ خَيْبَرَ هَذَا الْبَرَّ رِبًّا وَاطْمَهَر
لِي بَوَّحِ خَيْبَرَ كَيْ تَجَارِقِي مَالِي كَأَنْتِ هِيَ - جو جاندوں پر لاد کر آیا کرتا ہے۔ بلکہ اے
ہمارے رب یہ بوجھ تقویٰ اور طہارت کا بوجھ ہے۔ جو ہم تیری رضا کے لئے
اٹھاتے ہیں۔

مسجد کی عمارت پتھر کی ستونوں اور اینٹوں کی تھی جس کی بلندی اس وقت
دس فٹ اور طول ایک سو پینچ فٹ۔ عرض نوے فٹ کے قریب تھا۔ مسجد کی چیت
مخمس کے متوالی اور شاخوں کی بھی اور چیت کے نیچے سہاروں کے لئے بھی کھجور کے

ہی ستون تھے۔ شروع شروع میں منبر کی تجویز نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے انہی سہاروں
ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھڑے
ہو جاتے تھے اور خطبہ دیتے تھے۔ فرش کیا تھا۔ بارش کی وجہ سے کچھ ہو جاتا
اور آپ اور آپ کے صحابہ کرام کی پیشانیوں پر سجدہ کرتے وقت کچھ سے لت پٹ
ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس تکلیف کو دیکھ کر بعد میں کنکریوں کا فرش بنوایا گیا۔
کے گوشہ میں ایک جوترا تھا جسے صفہ کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ
صفہ کے لئے درگاہ تھی۔ وہ عشاق قرآن۔ ہیں رہتے تھے اور ان میں اکثر
مفلس تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہ تھا۔ وہ لوگ صبح و شام۔ دن
دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے۔ عبادت کرتے اور قرآن مجید
تلاوت کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی بدیہ آتا تو اصحاب صفہ کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ انہیں
حتی المقدور ان کی ہمان نوازی میں کوشاں رہتے تھے اور کچھ فنی میت المال میں
بھی امداد دی جاتی تھی۔ ان اصحاب صفہ کا پاک گروہ تو انہوں کو مسجد نبوی کے
مدینہ کے محلیں سے قرآن سیکھتا تھا۔ مگر مسجد نبوی میں رسول خدا خود تشریف لاتے
تھے۔ قرآن مجید کے معارف کے موتی لٹاتے۔ اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح
انوار قرآنی کا سلسلہ اسی سبک عمارت میں رات دن جاری رہتا۔ اور یہیں تمام
کام سرانجام دیئے جاتے تھے۔ ایوان حکومت کا کام بھی یہی مسجد دیتی تھی مجلس
شوری بھی یہیں منعقد ہوتی تھی۔

جنگی تبدیلیوں کی جس گاہ بھی یہی عمارت تھی۔ دفاع و جنگ کے لئے مشورے
یہیں پر ہوتے تھے۔ اور یہی قومی ہمان خانہ تھا۔ گویا جتنے زیادہ سے زیادہ
دنوی مشاغل میں کوئی عمارت معروف ہو سکتی ہے تو وہ مسجد نبوی تھی۔

مسجد کے ساتھ ہی طہی رسول خدا کے رہائشی مکان تیار کئے گئے تھے۔ آپ
کے مکان یعنی حجرہ اور مسجد کے درمیان ایک دروازہ رکھا گیا تھا۔ جس میں سے
کر آپ نماز وغیرہ کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے شروع شروع میں مسجد کا

بت المقدس کی طرف تھا۔ لیکن تحویل کعبہ کے وقت یہ رخ بدل دیا گیا۔ یہ مدرسہ محمدی
کے فیضان کی برکت ہے جو صدیوں تک جاری رہا۔ اس مدرسہ قرآنی نے عشاق قرآن
کی ایک عالمگیر جماعت پیدا کر دی ہے۔ پس اس عظیم مسجد و درگاہ کا فیض دہلی ہے۔
سروریم میور! اس مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”گویہ مسجد سامانی تعمیر کے لحاظ سے نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ لیکن محمد مصطفیٰ کی
مسجد اسلامی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ رسول خدا اور ان کے اصحاب اسی
مسجد میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ گزارتے تھے۔ یہیں اسلامی نماز باجماعت کا
آغاز ہوا۔ پس تمام مسلمان جمعہ کے دن خدا کی تازہ وحی کو سننے کے لئے مؤذبانہ اور
مربوب حالت میں جمع ہوتے تھے۔ یہیں محمد مصطفیٰ اپنی فتوحات کی تجاویز بحث کیا کرتے
تھے۔ یہی وہ ایوان تھا جہاں مفتوح اور نائب قبائل کے وفد ان کے سامنے پیش
ہوتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے شاہی احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جو
عرب کے دور دراز کونوں تک باغیوں کو خوف سے لور اڑاتے تھے۔ اور بالاخر اسی مسجد
کے پاس اپنی بومی عائشہ صدیقہ کبریٰ حجرے میں محمد مصطفیٰ نے اپنی جان دی۔ اور اسی
جگہ اپنے دو خلیفوں کے پہلو پہلو دفن ہیں۔“

اسی مسجد کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ رسول خدا نے خود اپنے کندھوں پر ایٹھیں
ڈھونڈھ کر مسجد کی تعمیر کر کے وہ سنت ابراہیمی پھر زندہ کر دی جو کبھی حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے خود ایٹھیں ڈھونڈھ کر کعبہ شریف کی تعمیر پھر سے قائم کی تھی۔ بیشک آپ ہی
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیے جانشین ہیں۔

نہ:۔ لائف آف محمد (سروریم میور) مشلی صفہ دوم +

پہلا مؤذن

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، بنو ریاح

حضرت بلال امیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے اور وہ پہلے خوش نصیب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ میں اذان دی۔ وہ اسلام کے لئے قربانیاں دینے والے اور معاذ بر داشت کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔ انہی نے خدا اور اس کے رسول کی محبت میں وہ ظلم سہے کہ آج بھی چودہ سو سال بعد ان مصائب کا ذکر کر کے انسانیت شرمسار ہوتی ہے۔ صرف شرک نہ کرنے پر پاؤں میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا جانے والا اور بعض دفعہ رسیاں باندھنے کی بجائے سہرے کے بالوں سے گھسیٹا جانے والا۔ پتھر دی پر غاموشی سے کھال چھلوانے والا آج قوم کا سردار بن گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے سچے عاشق رسول تھے کہ حضور کی وفات کے بعد انہوں نے اذان تک کہنی چھوڑ دی۔ حضور کی جدائی کا دکھ حضرت بلال کو اتنا تھا کہ انہیں اذان کہتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ اور وہ یاد محبوب میں بے قابو ہو جاتے۔ لیکن جب شام فتح ہوا تو ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے اصرار پر انہوں نے اذان کہنی۔ مگر ان کی آواز سے سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب بلال فوت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”آج مسلمانوں کا سردار گزر گیا“

حضرت بلال ساتویں غلام تھے جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کرایا تھا۔ امیر بن خلف جب معمول کے مطابق اذیتیں دے رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں سے گزرے انہوں نے فرمایا۔ امیہ! کیا تو اس بچارے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ آخر یہ تعذیب کب تک جاری رہے گی؟ اس نے کہا تمہی نے اسے بگاڑا ہے۔ اے ابن ابوقحافہ!

جس مصیبت میں اسے دیکھ رہے ہو اس کے خود تم چھڑا لو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ”جہاں چھڑائے دیتا ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے۔ جو بلالؓ سے زیادہ مضبوط اور تیرے دین پر پوری قوت قائم ہے۔ میں اسے بدلے میں تجھے دیتا ہوں۔“ اس نے کہا میں نے قبول کر لیا۔ انہوں نے فرمایا۔ پس وہ تیرا ہو گیا۔ اور اس طرح بلالؓ کو آزاد کرالیا۔ جنگ بدر والے دن بلالؓ کی تلوار نے اپنے مصائب کا انتقام ثواب سے لے لیا۔ تلوار کی دھار نے پہچان لیا کہ یہ دشمن رسول امیہ بن خلف ہے۔ وہ اپنا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے جب بلالؓ نے دیکھا کہ یہ کفر کا سرکردہ امیہ بن خلف ہے تو کہا ”اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ باوانہ بدیہ صدائیں کرتے ہوئے بلالؓ نے تلوار کھینچ کر امیہ کے پاؤں پر ماری۔ وہ گر پڑا۔ امیہ نے ایک چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ اس کے بعد اسے ٹکڑے کر ڈالا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ کے فرمان کے مطابق بدر کے مقتولوں کو گڑھے میں ڈال دیا گیا جزا امیہ بن خلف کے کیونکہ جب اُسے اٹھانے لگے تو اس کا جوڑ جوڑ الگ تھا۔ چنانچہ اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اُدپر مٹی اور پتھر ڈال کر لاش چھپا دی گئی۔

وہ خدا کا محبوب تھا اور اس کے رسول کا بھی۔ کیونکہ وہ ان کے عشق میں گھائل ہو گیا تھا۔ خدا کے محبوب سرور کائنات نے بلالؓ سے اپنے پیار کا کیسے عظیم الشان ثبوت دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ابی رویحہؓ کو حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا تھا۔ اپنا جھنڈا اٹھا کیا اور اعلان فرما دیا کہ آج جو شخص بھی ابی رویحہؓ کے جھنڈے تلے غزا ہو جائے گا۔ اسے امن دیا جائے گا۔ اس حکم میں کیا لطیف حکمت تھی کہ مکہ کے لوگ جو بلالؓ کے پیروں میں رسیاں باندھ کر جن گلیوں میں کھینچا کرتے تھے۔ جن میدانوں میں بلالؓ کے لئے امن کی جگہ نہیں تھی۔ انہی گلیوں اور میدانوں میں بلالؓ کو ان کو آج امن کا پیغام سنارہا ہے۔ رسول خداؐ نے جان لیا کہ یہ جگہیں بلالؓ کی نہیں تو نصیب ک اور عذاب کی جگہیں ہیں۔ بلالؓ کا دل آج انتقام کی طرف باہر بار

مائل ہوتا ہوگا۔ اس وفادار ساتھی کا انتقام بھی ضروری تھا۔ مگر انتقام بھی تو مسلمانوں کی شان کے مطابق ہو۔ پس آپؐ نے بلالؓ کا انتقام اس طرح نہیں لیا کہ تلوار کے ساتھ ان کی گردنیں کاٹ دی ہوں۔ بلکہ اس کے بھائی کے ہاتھ میں بڑا سا جھنڈا دے کر اور بلالؓ کو اعلان پر مقرر کر ڈالا۔ کہ جو کوئی آج میرے بھائی کے جھنڈے تلے آجائے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ سبحان اللہ کیسا شاندار انتقام ہے۔ کیا حین وقت ہوگا جب حضرت بلالؓ اعلان کرتے ہوں گے کہ اے مکہ والو! مجھے عذاب سزا دینے والو! آؤ میرے بھائی کے جھنڈے تلے آجاؤ۔ تمہیں اپنی تذلیل کے بدلے ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ امن و آشتی دی جائے گی تو اس کا دل خود بخود انتقام کے جذبہ سے خالی ہو گیا۔ وہ اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین فیصلہ پر کتنا خوش تھا۔ ایک دفعہ رسول کریمؐ نے بلالؓ کی خاص طور پر تعریف کی اور لوگوں سے فرمایا کہ بلالؓ جب اذان دیتا ہے۔ تو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بجائے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بلالؓ کی اس "س" پر خاص طور پر خوش ہوتا ہے۔ ہٹایوں کہ جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو مدینہ کے لوگ چونکہ حضرت بلالؓ سے ناواقف تھے اَشْهَدُ کی بجائے اَشْهَدُ شَیْنِ کی بجائے "سین" پر ہنسنے لگے۔ خدا کے رسولؐ کو جب علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ لوگ بلالؓ کی سین پر ہنستے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس "سین" کو سن کر خوش ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں بلالؓ کے سین پر جب بڑے بڑے پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ کمالات و منات اور عزت کی جے۔ لیکن بلالؓ پتھروں کے نیچے سخت تکلیف میں بھی یہی کہتے کہ "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ" چونکہ اس وقت وہ سین کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ عرش پر خوش ہوتا تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ سین بلالؓ سے سنا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ کو بھی یہ یاد تھا۔ کہ ظالم جوتیوں سمیت چڑھ کر اس کے سین پر کودتے تھے جبکہ پتلی ہوئی دیت پر ٹنگے بدن سے اس کو لٹایا ہوتا تھا اور وہ اپنی ٹوٹی چھوٹی زبان میں اَحَدٌ اَحَدٌ کہہ کر خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتا تھا۔ اور

اپنی وفاداری اور دل کی مضبوطی کا ثبوت دیتا تھا۔ پس وہ خدا کو محبوب تھا اور اُس کا سین بھی خدا کو پیارا تھا۔

گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد ہی تھا۔ روپیہ پیسہ جو بھی آتا تھا ان کے پاس رہتا۔ تنگی کی حالت میں وہ سودا سلف قرض لاتے تھے۔ اور جب کہیں سے رقم آتی تو ادا کر دیتے تھے گویا وہ حضورؐ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ پہلے مؤذن بھی اور دین تین کے سچے خادم بھی تھے۔

پہلی مواخاتہ

رشتہ الفتنہ بلینے انصار مہاجرین

نبوت کے بعد یہ سب پہلا موقع تھا کہ آپؐ کو اپنے پیروکار اور ماننے والوں کی آموگی اور معاشی حالت کو سننا اور نہ کا موقع ملا۔ اور پہلی بار اس روحانی نوآبادی کی مذہبی، سماجی اور معاشی مضبوطی پر غور فرمایا گیا۔ آج تک تو آپؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہونے والے لامتناہی سلسلہ مصائب کو دیکھ کر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جب بیعت عقبہ ثانیہ کے بہتر مہمانوں نے آپؐ کو دعوت دے کر تمام ذمہ داریاں قبول کر لیں تو آپؐ نے حوصلہ مند انصار کا شکریہ ادا فرمایا۔ اور تمام مہاجرین کو بطور مہمان مدینہ کے انصار کے گھر ٹھہرایا۔ انصار نے نہایت گرمجوشی سے مہاجرین کا استقبال کیا۔ رسولؐ خدا کی راہ میں اپنی آنکھیں تک بچھا دیں اور اس طرح ایک نئی سوسائٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ آپؐ نے دونوں یعنی مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم فرمادیا۔

چونکہ مہاجرین عام طور پر بالکل بے سرو سامان تھے۔ انصار نے ان کے ساتھ حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اس پر مضبوط ترین

رنگ اس وقت چڑھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دو کا جوڑا بنادیا۔ انس بن مالک انصاری کے گھر میں نوٹے اشخاص جمع ہوئے اور ان میں باقاعدہ رشتہ اخوت کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسی عملی کوشش تھی جو افراد تقریب سے بے نیاز اپنے اندر ایک جذبہ محبت رکھتی تھی اور اسی کوشش سے انصار و مہاجرین کو اتنی پختہ رشتہ داریاں عطا کیں کہ وہ ایک ہو گئے اور دریاں میں کوئی دراڑ باقی نہ رہی۔ انصار نے سب سے پہلے یہ پیشکش کی کہ ہم میں اور مہاجر مہاجرین بھائیوں میں۔ ہمارے باغات۔ اموال اور زمینیں تقسیم فرمادی جائیں۔ لیکن مہاجرین جو کہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور کھیتی باڑی کے کام سے ناواقف تھے۔ نیز ایک عظیم قوم بھی تھے اس لئے ان کے اخلاص کا شکریہ ادا کر کے جائیدادوں میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ لٹے ہوئے خالی ہاتھ مہاجر تھے۔ وہ پناہ گیر تھے مگر پناہ میں آکر دل کے بادشاہ تھے۔ پس انہوں نے تجارت پر اکتفاء کیا اور آہستہ آہستہ مہاجرین کی تجارت بھی چل نکلی۔ انہوں نے اپنی اپنی جائیدادیں بنالیں اور خود کفیل ہو گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف سعد بن الربیع کے بھائی بنے تھے۔ سعد نے ایسا سارا مال و متاع ان کے سامنے نصف کر دیا۔ اور جذبہ جوش محبت میں آکر کہا کہ میری دو بیویاں ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر عدت کے بعد آپ سے شادی کرنا ہوں۔ عبدالرحمن بن عوف نے شکریہ ادا کیا اور ان کے جذبات محبت کی قدر کی اور صرف یہ کہا "بھائی مجھے صرف بازار کا رستہ بتا دیجئے" کیونکہ وہ ایک ہوشیار سمجھدار تاجر تھے اور تجارت کی ابتداء سے کلیتہً واقف تھے۔ یہ سلسلہ مواخاۃ بہت سے قوائد پر مشتمل تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ عرب کے دستور کے مطابق اسی کا اثر وراثت تک جا پڑا۔ یعنی ہر انصاری کی وفات پر ترکہ میں مہاجر کو بھی حصہ ملتا تھا۔ اور کئی سال تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن جنگ بدر کے بعد یہ طریق وراثت خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق منسوخ ہو گیا اور

وراثت کا قانون صرف حقیقی رشتہ داروں پر قائم ہو گیا۔ آپ نے اپنے صحابہ میں سے سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اہلذا آخ (یہ میرا بھائی ہے) اس طرح خدا کے رسول نے سید المرسلین اور امام المتقین آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ دوسرے نمبر پر حضرت ہزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ۔ تیسرے حضرت جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل پھر حضرت ابوبکرؓ اور خاریج بن زید۔ پس یہ سلسلہ مواخاۃ بے وطن مہاجرین کے لئے مددگار اور دوستوں کا ایک ایسا دندہ پیدا کر دیا کہ قیامت تک انصار کا نام زندہ رہے گا۔ اور اس رشتہ سے اتحاد مذہبی۔ سیاسی اور تمدنی جو مضبوطی ہوئی وہ بہت حد تک نوآبادی کے لئے رحمت کا موجب ثابت ہوئی ہے۔

ہجرت کے بعد پہلا معاہدہ

میشاق مدینہ منورہ

ہجرت و غلبہ کے بعد یہ سب سے پہلا معاہدہ تھا جو مہاجر و انصار اور یہود کے درمیان قرار پایا تھا۔ یہ میشاق اپنی نوعیت کی پہلی اور عظیم الشان کوشش تھی۔ جو ان وقت و برادری اور سیاسی وحدت کا ثبوت دیتی ہے۔ کیونکہ اب مسلمانوں کے علاوہ مدینہ میں یہودی بھی مقیم تھے۔ آپ نے یہودیوں اور عربوں کے سرداروں کو جمع کیا۔ اور ایک سیاسی وحدت کے لئے معاہدہ تحریر فرمایا "یہ دستاویز محمد رسول اللہ کی طرف سے جنوبی ہمسایہ قریش اور اہل یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور جہاد میں حصہ لیں مابین تحریر کی جاتی ہے۔"

- ۱۔ مسلمان اور یہودی آپس میں محبت اور اخلاص کے رشتہ میں منسلک ہو کر رہیں گے۔ اور سیاسی وحدت کو ملحوظ رکھیں گے۔
- ۲۔ ہر قوم کو اپنی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلہ بھائی بھائی ہیں۔
- ۳۔ ہمارے مسلمان اپنے پرانے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں کا فدیہ بھی دیں گے۔ تاکہ ایمانداروں کا بتاؤ نیکی اور انصاف پر ہو۔
- ۴۔ ہر قسم کے تنازعات رسول خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور آپ ہر فیصلہ حکم شریعت کے مطابق کریں گے۔
- ۵۔ ہر گروہ بنی عوف، بنی حارث اور بنی ساعدہ وغیرہ اپنے خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں کا فدیہ بھی دیں گے۔
- ۶۔ متقی ایماندار ہر ظالم شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے اور ایسے شخص کی مخالفت پر اکٹھے اٹھیں گے۔ خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
- ۷۔ اگر یہ یہودیوں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو وہ ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔
- ۸۔ اگر کوئی مدینہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور بچتہ صدی خرچ برداشت کریں گے۔ یعنی اپنے اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔
- ۹۔ پس مدینہ ہر ایک کے لئے محترم جگہ ہوگی۔
- ۱۰۔ کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی کافر کی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔ اور نہ کافر کی جائیداد اپنے پاس بطور امانت رکھے گا۔
- ۱۱۔ فریقین نہ معاہدہ جنگ علیحدہ کریں گے نہ صلح ہی کسی دوسری قوم سے علیحدہ کر سکیں گے۔
- ۱۲۔ دیانت داری اور انصاف کو ہمیشہ مدنظر رکھا جائے گا۔ اور اگر مسلمانوں میں

سے کوئی ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے گا تو سب پر پابندی عائد ہو جائے گی۔
 ۱۳۔ یہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے اور ایماندار اس چیز کا بدلہ لیں گے۔ جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پیچھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایماندار سب سے بہتر اور سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔

پس اس دستاویز کے بہت سے فوائد رونما ہوئے اور مدینہ میں ایک منظم اور مضبوط حکومت قائم ہو گئی اور ہر قبیلہ۔ ہر قوم اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی قانون کے ماتحت آ گئے۔ اور حقیقی جمہوریت کی باگ ڈور شروع ہو گئی اور اس طرح مرکزی حکومت کی بنیاد پڑی جس کے صدر خدا کے بچے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو کل خدا کی راہ میں اپنا وطن۔ گھر بار سب قربان کر کے چل پڑے تھے۔ کل کے ہمارے آج کے صدر تھے۔ حاکم تھے اور مقتدر اعلیٰ تھے اور یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ اس نے اپنی غلبہ کی پیشگوئی پوری کی اور امداد کی راہیں کھول دیں۔

اجازت جہاد بالسیف

۱۲ صفر سنہ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ ۱۲ صفر سنہ ہجری بمطابق ۱۵ اگست ۶۲۲ء خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو جہاد بالسیف کی اجازت عطا فرمائی۔ شروع میں بغلت کے بعد مکر کی تیرہ سالہ زندگی میں خود تکلیفیں اٹھائیں اور مظالم برداشت کئے۔ بلکہ صحابہ کو بھی بروضاۓ الہی صبر برداشت کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اور لڑائی کی طرح نہ ڈالی۔ قریش مکہ نے خدا کے واحد کی عبادت اور توحید کے اعلان سے جسرا روکا۔ مارا۔ پیٹا یہاں تک کہ تین سال تک سوشل بائیکاٹ

کمر کے زندگیاں ان پر تنگ کر دیں۔ آخر دارالندوہ کی مجلس شوریٰ اس نتیجہ پر پہنچی کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔ کہیں وہ پنج کمر شہر نہ چھوڑ جائے وہ یہاں تک خوفزدہ تھے۔ کہ کہیں اسلام جڑھ نہ پکڑ جائے۔ وہ یہاں تک خوفزدہ تھے کہ ولید بن خالد بن ولید کا باپ جب مرنے لگا تو وہ رونے چمکنے لگا۔ لوگوں نے اس بزدلی کو وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ موت کے خوف سے نہیں رو دیا۔ اسلئے روتا ہوں کہ میرے بعد محمدؐ کا دین نہ پھیل جائے۔ رؤساء قریش نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو ہم اس کے فرار نہیں کر سکیں دین کو نہ پھیلنے دیں گے"۔ گویا موت تو ان کے لئے آسان تھی تو حیدر بن ہاشم پھیلنے کا خیال انہیں موت سے زیادہ قبیح معلوم ہوتا تھا۔ وہ کئی بار مجلس میں قیمت آزمائے آئے تھے۔ نجاشی کے دربار میں ہزاروں تحائف پیش کر کے ان کے معاذ میں اسلام کے ماننے والوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔ تاکہ پاب زنجیر نہیں رکھا جائے۔ لیکن جب حقیقی شکار ہاتھ سے نکل کر عافیت اپنی منزل پر پہنچ بھی جائے تو قرعہ عادی پیش کرنے والے سرپیٹ کر خاموش نہیں جابٹیں گے۔ بلکہ ٹپتی ہوئی تلواریں میانوں سے نکال لیں گے۔ رسولؐ خدا کے سر کی قیمت مقرر کرنا ہی اعلان جنگ تھا۔ کہ جو شخص محمدؐ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ تعاقب کرنے والوں نے دیوانوں کی طرح وادی وادی چپہ چپہ چھان مارا حتیٰ کہ سراقہ بن مالک نے آپؐ کو پا جانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن پکڑنے کی بجائے وہ امن و معافی کا خواستگار ہوا۔ اور ایک دن توحید کا پرچم لہرانے والوں میں جاشامل ہوا۔

الغرض ہر تدبیر کی نامرادی و ناکامی نے قریش مکہ کو مخالفت میں اور بھی اندھا کر دیا (بڑھا دیا) اور انہوں نے مدینہ کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو ایک تہدید پر خط ارسال کیا۔ جس میں مسلمانوں کے خلاف خطرناک منصوبہ تھا۔ اور انصار کو بہت تشویش تھی۔ یہاں تک کہ خوف سے راتوں کو بھی ہتھیار لگا لگا سووتے تھے۔ اور دن کو بھی ہتھیار لگا کر پھرتے تھے کہ کہیں اچانک حملہ نہ ہو جائے۔

پاک کا تو یہ حال تھا کہ آپؐ حملہ کے خوف سے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ پس بیت اسلام پر بہت نازک تھا اور ایسے وقت میں خاموشی نظر کرنا خودکشی کے کم نہ تھا۔ پس ان اضطراری حالات کا تقاضا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نازل ہو جس کی مدافعت کے سامان مکمل ہو سکیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنفُسِهِمْ ظُلُمًا وَّ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی فَعْرِهِمْ قَدِيْرٌ۔ یعنی آج تمہیں جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ عیناً مدد پر قادر ہے۔ پس کفار جب بزدل شمشیر اسلام سے منحرف کرنے کے لئے بڑھے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو۔ اور اگرچہ دفاعی جنگ خوف اشارہ ہجرت کے اذن میں بھی تھا۔ تاہم یہ کھلی اجازت نبوت کے پندرویں سال کی۔ پندرہ سال آپؐ مصائب و صعوبتیں برداشت کر کے اتمام حجت کرتے رہے اب حکم ملا کہ اسے مسلمانوں، لڑکوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر دیکھنا بدلتی نہ کرنا۔ اس حکم کے باوجود حضورؐ اس وعافیت کے خواہاں تھے۔ آپؐ فرماتے "اے مسلمانوں! تمہیں چاہیے کہ دشمن کے مقابلہ کی خواہش نہ کرو اور خدا تعالیٰ سے امن کے خواہاں رہو۔ اگر تمہاری خواہش کے بغیر حالات کی مجبوری سے کسی دشمن سے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو کھیر ثابت قدمی دکھاؤ۔ یہ پس ہر حکم سے یہی بات ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا جنگ کے حالات سے ہی پناہ مانگتے تھے۔ اور ان و امان کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تھے تو اس کے امیر کو نصیحت کرتے تھے کہ جب تم دشمن کے سامنے ہو۔ جن میں تمہاری لڑائی چھڑی ہو۔ تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے انہیں تین باتوں کی دعوت دیا کرو۔ اگر ان باتوں میں سے ایک بھی وہ مان لیں تو پھر ان سے مت لڑو۔

سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لیں تو ان کا اسلام لانا قبول کرو۔ اور ان سے ہاتھ کھینچ لو۔ پھر اس کے بعد انہیں مدینہ کی طرف

ہجرت کی تحریک کرو۔ اگر وہ ہجرت کریں گے تو ہمارے جہن کے حقوق دینے جائیں گے۔ اور اگر اسلام کی دعوت کو ہی رد کر دیں تو

(۳) پھر ان سے کہو کہ ٹیکس دینا شروع کریں اور اسلامی حکومت کے ماتحت آجائیں۔ اور اگر وہ تیسری صورت مان لیں تو بھی ان سے نہ لڑو۔ لیکن اگر انکار کر دیں تو پھر خدا کا نام لے کر ان سے لڑو۔

اجازت جہاد کے لئے ایک یہ نقطہ ہی قابل غور ہے کہ جہاد کرنے والے کی نیت قطعی طور پر حفاظت دین ہونی چاہیئے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور خیال اس کے دل میں پیدا ہوا تو وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جو مجاہدین خدا کی راہ میں نکلتے ہیں اور ان کو لڑائی میں مال غنیمت ہاتھ لگ جاتا ہے تو ان کا پچھلے ثواب آخرت کا کم ہو جاتا ہے اور اگر مال غنیمت ہاتھ نہ آئے تو پھر ان کا ثواب بے گامیہ

پس حرف آخر یہی ہے کہ لڑائی محض خدا تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیئے۔ جس میں نفس کا غصہ یا انتقام شامل نہ ہو۔ ملک کو فتح کرنے یا اپنے رواج کو بڑھانے کے لئے تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں۔ جو پہلے حملہ کرے اس کی بھی تحقیق کر لی جانی چاہیئے۔ کہ کسی خوف کے ماتحت تو جنگ شروع نہیں کی۔ اور اگر دشمن کسی وقت بھی صلح کے لئے جھکے تو خدا تعالیٰ پر توکل کر کے صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

قَرَانُ جَنَّحُوا لِلْسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ يَه

۱۔ مسلم، ابوداؤد و ترمذی راوی حضرت بریدہؓ : ۱۔ مسلم و نسائی۔

۲۔ سورۃ انفال ع : ۲

رُخ کعبہ کی پہلی نماز

تحويل قبلہ۔ وجبہ سہ ہجری

نماز فرض ہو جانے کے بعد محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ شریف لائے تو بھی بیت المقدس کی طرف ہی رُخ کر کے نماز باجماعت التزام کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ لیکن سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا فرمائی وہ ظہر کی نماز تھی۔ سولہ سترہ مہینے تک ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے قبلہ کا رُخ وہی تھا۔ جو پہلے نبی کا تھا۔ یعنی بیت المقدس کی طرف ہی تھا لیکن آپ کو پسند یہی تھا کہ قبلہ کا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہو۔ آپ خدا قائل سے توجہ کرتے تھے کہ کب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم ضرور تجھے اس قبلہ کی طرف پھیرا دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔ پس آپ منظر ضرور تھے۔ لیکن دعائیں تحويل قبلہ کے لئے آپ نے کبھی نہیں کیں۔ آخر نبی کی اس توجہ روحانی کی برکت سے تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہو ہی گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ

قَوْلَ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

اس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرو اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اس طرف پھیرا کرو۔

حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی پہلے لوگ میں جنہوں نے ظہر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی اور یہ حکم مسجد نبی سلمہ میں نازل ہوا تھا۔

۱۔ ابنے کثیر

۲۔ سورۃ بقرہ ع

اسی لئے صحابہ کرامؓ اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں۔ اسی طرح نو بہ نسبت سے روایت ہے کہ وہ طہر کی نماز پڑھ رہی تھیں کہ یہ خبر آئی کہ بیت اللہ قبلہ ہے۔ تحویل قبلہ کے حکم پر چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخص بدلتا پڑا اس لئے مردوں اور عورتوں کی ترتیب بھی بدل گئی۔ یعنی مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مرد کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اسلام میں حکم ہے کہ امام کے پیچھے پہلے مرد اور عورتیں ہوتی ہیں۔ پس یہ حکم طہر کی نماز میں رجب کے مہینہ میں سنہ ہجری ۱۰ نازل ہوا تھا۔

معتزین اعتراض کرتے ہیں کہ یہودیوں کو محض خوش کرنے کے لئے آپؐ نے مدینہ میں اگر بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا اور رجب یہ مقصد حل نہ ہوا۔ تو پھر اس طرف منہ پھیر لیا۔ وہی کایہ اعتراض سخت ہے بنیاد ہے کیونکہ صحیف سابقہ میں پیشگوئیاں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت قبلہ بدلا جائیگا جیسے کہ انجیل قبلہ بدلنے کی پیشگوئی ہے۔ ”ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہنے کو وہ جگہ جہاں پر پرستش کوئی چاہئے یروشلم میں ہے۔ یسوع نے اس کہا۔“ کہ اسے میری بات کا یقین رکھ کہ وہ گھڑی آتی ہے کہ جس میں تم نہ تو اس پہاڑ پر اور نہ ہی یروشلم باپ کی پرستش کرو گے۔ تو اسے واضح ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب نہ تو پہاڑ قبلہ رہے گا نہ یروشلم بلکہ ایک اور ہی مقام قبلہ قرار کیا جائے گا۔

پس وہ مقام مکہ میں قرار پایا۔ کیونکہ مکہ قابل احترام جگہ ہے نہ صرف قریش کے لئے ہر اس شخص کیلئے جو مکہ کا رہنے والا تھا۔ کیونکہ مکہ کے رہنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے شہر کا بانی خیال کرتے تھے۔ فتح مکہ تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بت بھی پائے جلتے تھے۔ پھر وہ چشمہ جو خدا تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے لئے نکالا وہ بھی میں ہی تھا۔ اس لئے مکہ کو ہر لحاظ سے تقدیس حاصل ہے کہ دلائل امت محمدیہؐ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ سو یہ فریضہ نماز تا قیامت بیت اللہ شریف کی جگہ کر کے ادا کیا جاتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا حکم۔ روزہ

۲ ہجری آخری عشرہ شعبان ۶۲۴
(۵۴۵ سال ۲۱۵۵-۲۲ دھ)

اہل عرب عموماً ترتیب زمانی قائم کرنے کے لئے مہینوں کا نام موسموں پر رکھتے تھے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کا حکم نازل فرمایا تو شدید گرمی تھی۔ رمضان میں شدید گرمی کو کہتے ہیں۔ اس لئے گرمی میں آنے والے حکم کی نسبت سے یہ روزوں کا مہینہ کہلایا۔

ہجرت کے عین اٹھارہ ماہ بعد ماہ شعبان میں تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا۔ اس وقت رمضان کے روزوں کی فرضیت کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ**۔ اے مسلمانوں! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں۔ آج تک تو ارکان اسلام میں روزہ کی کلمہ طیبہ تھا۔ دوسرا رکن نماز تھی۔ اور تیسرا رکن زکوٰۃ اور آج چوتھا رکن روزہ شامل ہو گیا یعنی روزہ۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو عبادت و عبادت میں ایک دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ سبقت کی کوشش میں پیش کرتے تھے ان میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج سے تمہارے لئے ایک اور ذمہ داری عائد کی گئی ہے اور وہ ہے رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ جو مقیم اور تندرست ہونے لازمی ہیں۔ لیکن مریض اور مسافر کو اجازت دی کہ وہ روزہ نہ رکھے اور اگر بولرھے اور ضعیف شخص کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ مسکون فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دے دیا۔ سبحان اللہ! کتنی سہولت ارکان اسلام میں کہ ہر حکم سوائے کلمہ طیبہ کے ہمت و استطاعت کو

تذکرہ رکھ کر ادا کرنے کی اجازت بھی دی گئی۔ اور روزہ تو سب احکامات سے سہل اور لچکدار نقطہ لئے ہوئے ہے۔

جاہلیت کے زمانہ میں یہود عام طور پر عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے ان کی وجہ تسمیہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس دن دس عزم کو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے قوم کو دریائے نیل میں غرق ہونے سے بچالیا تھا۔ جبکہ حکم ربی سے فرعون اس کی قوم اسی دریا میں۔ اسی پاٹ پر اور اہی لمحات میں لہروں کے سپرد ہو کر غرق ہو گئی تھی۔ سو یہ دن یوم نجات قرار پایا اور یہودیوں نے شکرانے کے طور پر دن روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ حضرت رسول خدا نے بھی اس شکر گزاری اور ان کے احسان کو مانتے ہوئے عاشورہ کا روزہ رکھا لیکن اس نفلی روزہ کے لئے صحابہ کرام کو کبھی نہیں کہا۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور عاشورہ کا روزہ رکھا تو صحابہ کرام کو کبھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان شریف کے روزے نازل ہو گئے تو عاشورہ کی پابندی آپ نے ترک فرمادی۔ ذاتی خوشی کے لئے جس نے چاہا نفلی روزہ رکھ لیا۔

عاشورہ کے روزہ کے لئے سرور کائنات نے فرمایا کہ ”اے یہودی تمہارے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا یادگاری روزہ رکھو کہے زیادہ خدا رہیں“

الغرض روزہ کی فرضیت، نماز کی فرضیت اور زکوٰۃ کی فرضیت اور آخر رکن حج کی فرضیت سے اللہ تعالیٰ نے بتدریج مسلمانوں کے لئے روحانی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ جب تمام قومیں دنیا کی روح میں مرچکی تھیں اور فساد روحانی سے بھرپور کوہلاک کر دیا تھا۔ تب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا۔ اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا تو اس وقت میں وحشیانہ حالتوں سے اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی انسانیت تک پہنچنے کے

مل جانی، جسمانی قربانی ضروری تھی۔ سو وہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روحانی بلندی عطا کرنے کے لئے ان پر مختلف ذمہ داریاں ڈال کر انہیں توفیق دی کہ وہ یہ قربانیاں کریں۔ انہوں نے اپنی جانیں فدا کیں۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ اپنے مال، اپنی عزیزیں اور تمام تلف کر کے جانفشانی اور صدق کے نمونے پیش کئے اور موت کے دروازے سے نکل کر حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے۔ اور یہ صرف ان مہارویں اور فرشتوں کی ادائیگی کے طفیل ایسا وجود میں آیا۔

وہ اصحابی کالنجوۃ ہمیں تو نماز میں سبقت لینے کے لئے گھٹنوں کے بل چل کر مسجد پہنچے اور کہیں روزہ کی ادائیگی کے لئے سال بھر کے ۱۰ فیصد روزے رکھے اور کہیں مالی قربانی کے لئے اپنے مال و متاع رحمۃ اللعالمین کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور خدا اور اس کے رسول کا نام گھر میں باقی رہنے دیا۔ اور جذبہ عمل ارکان اسلام کا پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمادیا: ذَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهَدَ فَلْيُصِمْ۔

یعنی داے مسلمان مرد و زن اگر تو اس مہینے کو پائے تو مہینہ بھر روزے رکھ۔ تاکہ تو جان لے کر تو اپنی خواہشات پر قابو رکھ سکتا ہے اور جذبات اور غم خیزیوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے خود ہی فرمادیا کہ روزوں کی افادیت و اہمیت کیا ہے۔

وَلْيَسْكَبَرُوا اللَّهُ عَلَى مَا هَدَاكُمْ. وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

پہلی دفاعی جنگ "یوم الفرائض"

جنگ بدر سے پہلے رمضان المبارک

حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں یہ قوت ہی نہ تھی کہ اکتساب نور کر سکتے۔ چنانچہ برسوں کی مستقل کوششوں کے بعد خدا کا رسولؐ بانی اسلام وہاں سے رات کی تاریکی میں ان کے لئے مکمل تاریکیاں چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آیا۔ اور مدینہ والوں میں نور کو سمیٹنے کی بہت قوت تھی اسی لئے اسلام کے قدم یہاں بڑی سرعت کے ساتھ اٹھتے گئے اور کلمہ طیبہ کے نکتے نے پھیل کر ایک نئی قوم کو جنم دیا۔ ایک ایسی قوم کو جو نہ تو علاقہ کی طلبگار تھی اور نہ کسی حکومت کی خواہاں۔ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے اتباع میں زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔ دوسری طرف دشمن بھی کسی علاقہ کا طلبگار نہ تھا۔ کسی حکومت کا خواہاں نہ تھا۔ کسی شہرت کا بھوکا نہ تھا۔ اور کسی ظالم کو سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ مظلوم کے بچ نکلنے کا انتقام چاہتا تھا۔ صرف اور صرف اسلام کے نام لیواؤں کو بزورِ شمشیر ختم کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ بھیڑیے کے اصلی روپ میں سامنے آگیا تھا۔ ادھر عمرو بن حضری کے قتل کا واقعہ پیش آگیا جو جنتی پر تیل کا کام نہ گیا۔ اس لئے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ جل رہی تھی۔ ادھر رسولؐ خدا کو علم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان قافلہ لے کر مدینہ کے پاس سے گزر رہا ہے۔ اور قافلہ میں تقریباً ستر آدمی ہیں۔ آپؐ نے یہ خبر پا کر دو مہاجر صحابی حضرت بن عتبہ اور سعید بن زید کو خبر رسانی کے لئے روانہ فرمایا۔ اور دوسری طرف احتیاطی تدابیر کے طور پر صحابہؓ کو اطلاع دے دی کہ اس قافلہ کی روک تھام کے لئے نکلنے کو تیار ہو جائیں۔ ادھر ابوسفیان کو کچھ علم ہو گیا۔ تو وہ کسی خدشہ کے ماتحت اصل راستہ کو چھوڑ کر سمندر کے کنارے کی طرف ہٹ گیا۔ لیکن ایک سوارِ ضخیم نامی کو مکی طرف

بھاگ دیا کہ جا کر قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لئے اور دوسرے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے نکال لائے۔ لیکن ضخیم نے مکہ میں جا کر نہایت ہنگامی صورت حال پیدا کر کے پیش کی اور داویلا شروع کر دیا کہ محمدؐ (صلعم) اور اس کے اصحابؓ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ چلو اور اسے بچاؤ۔ کفار مکہ چونکہ پہلے ہی مسلمانوں کی تباہی کے درپے تھے۔ عام اعلان کر دیا کہ ایک بڑا لشکر تیار کرو۔ اور اس مہم میں ہر وہ شخص شامل ہو جائے جو بڑے کے قابل ہو۔ اور جو کوئی کسی مجبوری کے تحت شامل نہ ہو سکے وہ کسی دوسرے کو بھیجنے کا انتظام کرے۔ جیسے کہ ابو لہب اپنی عاتکہ بنت عبد المطلب کے خواب سے ڈر کر شامل نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی جگہ انصاف بن ہشام کو بعض چار ہزار درہم روانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ تین دن کی تیاری میں مکہ والوں نے ایک ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔ اور چلنے سے پہلے کعبہ میں جا کر دُعا کی کہ "اے خدا ہم دونوں فریقوں میں سے جو گروہ حق پر ہے اور تیری نظروں میں جو زیادہ شریف ہے اور زیادہ افضل ہے تو اس کی نصرت فرما۔ اور دوسرے کو ذلیل کر۔ کفار کا لشکر بڑے جاہ و جلال سے مکہ سے نکل کر بدر کی طرف بڑھا۔ لیکن جب مجھ میں پہنچا تو ابوسفیان کے قاصد نے اطلاع دی کہ میرا قافلہ بچ کر نکل آیا ہے اور خطرہ کا مقام چھوڑ آیا ہوں۔ یہ پیغام سن کر کچھ لوگ تو واپس چلے گئے اور کچھ نے مسلمانوں پر عرب ڈالنے کے لئے تین دن جشن منانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور بدر کی دادی کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ ادھر رسولؐ خدا کو جب علم ہوا کہ مکہ والے اس خیال سے کہ قافلہ پر مدینہ والے حملہ نہ کر دیں۔ لشکر لے کر نکلے ہیں۔ تو آپؐ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم مدینہ میں بیٹھے رہے تو دشمن دلیہ ہو جائے گا۔ ہمیں آگے چلنا چاہیئے۔ آپؐ صحابہؓ کو ام کی ایک جماعت لے کر مدینہ سے باہر تشریف لے آئے۔ مدینہ سے آپؐ نے بہت کم لوگ اپنے ساتھ لئے۔ کیونکہ آپؐ اسے جرات کے انظار کا ایک موقع خیال کرتے تھے۔ اگرچہ الہی ارشادات سے آپؐ کو معلوم ہو چکا تھا کہ مکہ سے ایک لشکر آ رہا ہے۔ لیکن آپؐ کو یہ اجازت نہ تھی کہ آپؐ اس خبر کو ظاہر کریں۔ بدر کے

مقام کے قریب جا کر آپ نے یہ بات ظاہر کر دی کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ دشمن کا لشکر قریب آگیا ہے۔ اور قافلہ کی بجائے شاید لشکر سے لڑائی ہو جائے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ ہاجرین یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ! ہم آپ کے آگے لڑیں گے۔ پیچھے لڑیں گے۔ دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جانا تو اور تیرا رب جا کر جنگ کریں۔ ہم بیشک یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ہمیں برک الضماد تک بھی لے چلیں تو آپ کا ساتھ دیں گے"۔

رسول خدا نے ان کی تعریف کی اور انصار سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس نے انصار کی طرف سے عرض کیا۔ آپ کو سچا سمجھ کر آپ پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہم کو لڑائی میں صابریاں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپ کی آنکھوں کو ہنسا کرے گی تو یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بڑھو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دُور گروہوں میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہمیں غالب کرے گا۔ اور خدا کی قسم میں وہ جنگیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو کر گریں گے چنانچہ آپ ۱۲ رمضان بروز اوار مدینہ سے انصار و ہاجرین کی ایک مختصر سی جمیعت لے کر خدا کی راہ میں جہاد کے لئے چل پڑے۔ چلتے وقت آپ نے عمر بن اُم مکتوم کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ اور ابولہبہؓ مدینہ کا عامل بنایا۔ تھوڑی دور نکل کر دیرہ ڈالنے کا حکم دیا اور فوج کا جائزہ لیا۔ کم عمر بچوں کو واپس لوٹا دیا۔ لیکن دو بچوں کے انحصار پر اہتمامی شوق کی بناء پر اجازت مل گئی۔ ان میں سے ایک سعد بن ابی وقاص کے

لے: ابن ہشام، بخاری کتاب المغازی ۱: ۱۰۰، ابن ہشام ص ۶۶ باب ۱۰۰، ابن ہشام و ابن سعد

چھوٹے بھائی مویٰؓ عمر فرماتے تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد اب تین سو دس کے لگ بھگ تھی۔ ہاجرینؓ ساٹھ تھے باقی تمام انصار تھے۔

اسلامی فوج بہت نامکمل سامان حرب کے ساتھ تھی۔ کل ستر اُونٹ تھے جن پر باری باری صحابہ کرامؓ بیٹھتے تھے۔ رسول خدا کے ساتھ حضرت علیؓ اور مرتضیٰ مرتضیٰ ایک اُونٹ پر اور حمزہؓ، زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ ایک اُونٹ پر اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ ایک اُونٹ پر بیٹھے تھے۔ زرہ پوش صرف چھ سات تھے۔ اس بے سرد سامانی کی حالت میں بدر کے مقام سے ایک منزل دُور ہی تھے کہ آپ کو اطلاع مل گئی کہ قریش کا ایک جزار لشکرِ مکہ سے آ رہا ہے۔ لشکر میں تقریباً سات سو اُونٹ ایک سو گھوڑے تقریباً تمام زرہ پوش تیر و نیزہ سے مکمل تھے۔ آپ نے اس نازک وقت میں صحابہ کرامؓ سے حضرت علیؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کچھ خیریں لینے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ وہ مفید خبریں لے کر پہنچ چکے تھے۔ اس لئے آپ نے جناب بن منذر کے مشورہ سے ایک اچھے میٹھے پانی کے چشمہ پر ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اگرچہ قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ اُس وقت اس چشمہ میں پانی نہ تھا۔ اور مسلمانوں کو پانی کی قلت محسوس ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق "عنمامہ" کے ساتھ استقبال کیا اور بارش برسا کر رسول خدا کو فائدہ پہنچایا کہ زمین کے اجزاء ایک دوسرے سے متصل ہو گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔ لیکن قریش کا نچتہ میدان پھسلن زمین بن گیا۔ اور ان کے چلنے پھرنے میں بہت دقت پڑی تھی چنانچہ سترہ رمضانؓ شنبہ ہجری بروز جمعہ فجر کی نماز میں آپ خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود رہے اور آپ نے فراغت کے بعد صفیں درست فرمائیں۔ ایک مختصر خطبہ جہاد دیا۔ آپ نے قریش کو اپنے سامنے آتے دیکھ کر فرمایا۔ "لو مکہ تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال رہے ہیں۔ پھر دعا فرمائی یا اللہ

صحابہ ذکر غیر وقاص ۱: ۱۰۰، بخاری حالات غزوہ بدر ۱: ۱۰۰، ابن ہشام ۱: ۱۰۰، ابن ہشام باب ۱۰۰

یہ قریش ہیں۔ یہ اپنے خرد و غور کے ساتھ آگئے ہیں۔ تیری مخالفت کرتے ہیں تیری رسالت کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ میں تیری مدد کا طالب ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ یا اللہ آج صبح انہیں ہلاک کر دے۔ قریش کے لشکر میں حرکت پیدا ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت تنظیم میں بھی عیاں تھی کہ مسلمان اپنی اہلی تعداد سے زیادہ بلکہ دو گئے نظر آ رہے تھے۔ قریش نے ایک مجبر عمیر بن وہب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر کے گرد گھور اور ان کے دیکھے کہ لشکر کہیں مخفی ملک تو نہیں رکھتا۔ عمیر نے چکر لگا کر دیکھا تو اُسے جنات کا سا جلال نظر آیا۔ اور وہ ہیبت زدہ ہو کر واپس آگیا اور اُس نے کہا کہ مجھے اندیشوں کے کجاووں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں نظر آتی ہیں اور یرت کی سانپوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں۔

یہودیوں میں پہلا مسلمان

عبداللہ بن سلام الحنظل

نبوت کے تیرہ برس بعد جب خدا تعالیٰ کے حکم سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے لئے مدینہ تشریف لے گئے تو مسلمان چند سینکڑوں سے زیادہ نہ تھے۔ اور یہ الہی غلبہ کی ابتداء تھی کہ خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ ہجرت کے معاہدہ مسلمان دن بدن بڑھتے چلے گئے اور بت پرست و مشرک کی تمام کیے بعد دیگرے اسلام میں شامل ہوتے گئے۔ لیکن یہودیوں میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کی زندگی میں موسوی دین کو خیر باد کہا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عرب کے خطہ میں رسول خدا کو منتخب فرما کر جو خصوصیت مکہ کو دی تھی اس کی یہودی شدید غم و غصہ کا اظہار کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہودی وہ لوگ ہیں جو پہلے کسی نبی کا شدت سے انتظار کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ابھی چند روز میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا زمانہ قریب آچکا ہے ہم اُس کی پیروی کریں گے ہم اس کے ساتھ رہ کر دوسروں کو عبادتِ مہ کی طرح قتل کریں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ مدینہ کے کئی لوگ ان کی کیفیات ہی دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ جیسے کہ بیعت عقبی اولیٰ میں انصار کے چند خوش قسمت آدمی سبقت لے گئے۔ کیونکہ ان کا یقین

یہ خبر کافی انتشار کا موجب ہوئی وہ سب عقبہ۔ شیبہ۔ حکیم بن حزام تمام ابوہریرہ کے پاس مشورہ کرنے کیلئے گئے اور جو نبی پیش کی کہ ہم اُن میں رشتہ دار ہیں بھائی بھائی بہنوئی اور اُن کے اور بیٹا باپ پر مذہب نہیں دیتا۔ لیکن ابوہریرہ نے نبی کا قطعہ دیا اور انسانی جملوں سے دوبارہ ان کے سینوں کو عداوت سے بھر دیا۔ اگرچہ خوف و ہراس عمیر بن وہب کی روایت سے ان پر طاری تھا۔ لیکن یہ خوف لڑائی کو نہ تمام سکا۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول خدا نے مصیبت بن عمیر کو سفید رنگ کا پرچم دیا۔ اور حضرت علیؓ کو سیاہ اور اسی طرح حضرت سعد بن معاذ کو بھی سیاہ پرچم عنایت فرمایا۔ عقبہ۔ شیبہ اور ولید آگے بڑھے ان کے مقابل پر حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبید بن جراحؓ تھے۔ حضرت حمزہؓ اور علیؓ نے تو ایک دوسرے داروں میں ہی عقبہ۔ شیبہ کا کام تمام کر کے خاک میں ملا دیا۔ لیکن حضرت عبیدؓ اور ولیدؓ میں کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ جو کاری زخم کا موجب

۱۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۲۔ ابن سعد ۳۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۴۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۵۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۶۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۷۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۸۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۹۔ ابن ہشام ص ۶۶ ۱۰۔ ابن ہشام ص ۶۶

تھا کہ یہی وہ نبی ہے جس کا یہود اکثر و بیشتر ذکر کیا کرتے ہیں۔ یہودی خود غافل تھا آگ میں جلتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ مخالفت ان کا نصب العین ہو گئی اور مدینہ میں رسول خدا کو پریشان کرنے والا گروہ یہودی برسرِ پیکار رہا۔ مثلاً رسول خدا کو جھٹلاتے۔ سوالات کرتے۔ طرح طرح کے شبہات سامنے لاتے اور حق کو باطل سے مشتبہ کرنے کی سعی کرتے۔ لیکن ان میں بعض ایسے نفوس تھے جو اسلام کے سچے عاشق تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور حذیفہ بن یمان وغیرہ۔

مدینہ میں عبد اللہ بن سلام جن کا سابقہ نام حصین بن سلام تھا سب سے پہلے یہودی ہیں جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور نے ان کا نام بدل کر عبد اللہ رکھ دیا۔ کیونکہ رسول خدا جب کوئی مسلمان ہوتا تو اس کا نام وہی رہنے دیتے تھے ہاں اگر مشرک نہ رہو۔ لیکن عبد اللہ بن سلام کا نام اس لئے بدل دیا کہ یہ یہودیوں سے پہلے مسلم تھے اور ان کو خصوصی طور پر اسلامی رنگ دینا ضروری تھا۔ وہ ایک یہودی عالم تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت معروف و جید عالم تھے ان کے دل میں رسول خدا کی آمد کی خبر سن کر ہی یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ موعود نبی آگیا ہے جس کا صدیوں سے انتظار تھا۔ یعنی یہ کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے لیکن اپنی حالت کا اظہار کسی پر نہیں کیا تھا۔ عبد اللہ بن سلام نے اپنی زبانی کچھ واقعات بیان کئے ہیں جنہیں ابن اسحاق نے درج کیا ہے۔ عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول خدا کے متعلق سنا۔ آپ کی صفات آپ کا نام اور آپ کا وہ زمانہ جس کے لئے ہم منتظر تھے۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ لیکن میں نے اس معاملہ کو راز میں رکھا۔ یہاں تک کہ خدا کا رسول مدینہ میں تشریف لے آیا۔

اس وقت رسول خدا کی آمد پر عبد اللہ بن سلام ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر کچھ کام کر رہے تھے۔ اور ان کی پھوپھی خالدہ بنت حارث اس درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ محمد رسول خدا مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر سن کر مارے خوشی کے جذبات پر

ناگونہ رکھتے ہوئے تکبیر پڑھنی شروع کر دی۔ جب ان کی پھوپھی نے باوازن بلند تکبیر سنی تو کہنے لگی اسے عبد اللہ تجھے کیا ہوا؟ اللہ تمہیں ناکام کرے۔ واللہ اگر تم نبی بن عمران کی تشریف آوری کی خبر سنتے تو اس کے کچھ زیادہ نہ کرتے۔ عبد اللہ بن سلام نے اتر آئے اور اپنی پھوپھی سے کہا پھوپھی جان! اللہ کی قسم وہ موسیٰ بن عمران کا بھائی ہے۔ انہی کے دین پر ہے اور اسی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ خالدہ بنت حارث خوش ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ کیا یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہمیں دی جاتی رہی ہو کہ عین قیامت کے قریب بھیجا جائے گا یہ پھر عبد اللہ بن سلام رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام اختیار کر لیا اور بعد اس کے گھر والے بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ شروع شروع میں تو انہوں نے کچھ عرصہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھا لیکن انہیں شوق ہوا کہ اس کی قوم کے لوگ بھی اس نور کی روشنی سے محروم نہ رہیں چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ آپ یہودیوں کے سر پر آورہ لوگوں کو اپنے پاس بلائیں کیونکہ یہودی لوگ جھوٹی باتیں بنانے میں ماہر ہیں۔ اس لئے میرے متعلق بے بنیاد باتیں بنائیں گے۔ آپ کسی حجرے میں ان لوگوں کی نظروں سے چھپا کر میرے متعلق رائے دریافت فرمائیں۔ تاکہ اگر وہ میرے متعلق اچھی رائے کا اظہار کریں تو میرے اسلام لانے کی خبر ہی ان کی ہدایت کا موجب ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے یہودی عمائد کو بلا کر رائے دریافت فرمائی کہ اے حصین بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا۔ وہ ہمارا سردار ہے اور سردار کا بیٹا ہے۔ ہم میں تورات کا ماہر اور عالم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تم بھی مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنے میں حجرے میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام باہر آگئے اور ان سے کہا اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو چیز لے کر آپ آگئے ہیں اسے قبول کرو۔ واللہ تم لوگ خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ کے ایسے رسول ہیں کہ تورات میں آپ کا ذکر آیا ہے۔ آپ کا نام مبارک اور صفات بھی لکھی ہوئی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے

رسول ہیں۔ اور آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ بس کیا تھا۔ یہودی لوگ ان کی عجیب جوتی کرنے لگے اور گالیاں دینی شروع کر دیں۔ طعن و تحقیر کے الفاظ استعمال کئے اور عبداللہ بن سلام اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

پہلا واقعہ زندگی شہید

حضرت خبیث بن عدی۔ سکنہ ہجری

حضرت خبیث بن عدی وہ پہلے شہید ہیں جنہوں نے اپنی شہادت سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔

خبیثؓ اعلیٰ مرتبت کے آدمی تھے ان کی شہادت اس طرح واقع ہوئی کہ جنگ احد کے بعد مسلمانوں کی وقتی ہزیمت نے قریش کو ادراجی دلیہ کر دیا تھا۔ ہر لحظہ مختلف قسم کے فتنے اور اشتعال انگیزیاں شروع ہو گئی تھیں کبھی چھاپے مارے جاتے اور کبھی سفیان بن خالد جیسے سازشی سامنے آکر خدا کے غضب کو لکائنے کے لئے نئی سے نئی اسکیم تیار کرتے۔ لہذا مسلمانوں کے لئے یہ دن بہت خطرناک تھے۔ انہی ایام میں صفر کے مہینے سکنہ ہجری کو واقع رجیع پیش آیا۔ قبیلہ غفل اور قارہ کے لوگ ایک دن رسول کریمؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں اسلام موجود ہے لیکن مزید راہبری اور تربیت کی ضرورت ہے۔ لہذا آپ اپنے رفقاء میں سے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ روانہ کیجئے تاکہ وہ ہم میں دین کی سوچ بوجھ پیدا کریں، قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔ مگر رسول خداؐ نے صحابہ کرام میں سے چھ اشخاص کی پارٹی ان کے ساتھ روانہ فرمادی جن کے نام یہ ہیں:-

۱۔ مرثد بن ابومرثد جو کہ حضرت حمزہؓ کے حلیف تھے۔ (۲) خالد بن بکیر۔ (۳) عامر بن ثابت بن ابوالفتح جن کی موافقہ بنو عمر بن عوف بن مالک کے ساتھ تھی۔ (۴) خبیث بن عدی۔ (۵) زید بن دثنیہ۔ (۶) عبداللہ بن طارق۔

عامر بن ثابت کو اس پارٹی کا امیر کر کے روانہ فرمایا لیکن بدقسمتی سے ایک جال تھا جو لحیان کی انگیخت پر بنا گیا تھا۔ اور قبیلہ غفل اور قارہ کے لوگوں نے بہت سے اونٹ انعام کے طور پر بنو لحیان سے مقرر کر لئے تھے۔

اس لئے خفیہ اطلاع انہوں نے انہیں پہنچادی کہ مسلمان ہمارے ساتھ آرہے ہیں۔ جب یہ لوگ جمع پہنچے تو غفل اور قارہ نے عداری کی اور قبیلہ کو مدد کے لئے پکارنے لگے۔ گو کہ یہ صورت حال کافی پریشان کن تھی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی طبائع میں گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ اور وہ بدستور اپنی سواروں پر سوار رہے اور جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں وہ اتر گئے اور کفار کے مقابلہ پر آ گئے۔ چونکہ کفار کے دوسو نو جوان مقابلے پر تھے۔ سو تو تیر انداز ہی تھے پھر بھلا صحابہ کرامؓ کے پاس کیا چارہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اونچی چٹان پر چڑھ کر دفاع کی بھرپور کوشش کرتے۔ کفار نے آواز دی کہ تم پہاڑی سے نیچے آ جاؤ ہم تمہاری حفاظت کے کھلی ذمہ دار ہیں اور اس طرح دھوکہ دہی سے نیچے اترنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن کفار نے یہ ایک جال بنا تھا۔ لہذا بد عہدی کی اور تین کو شہید کر دیا اور تین کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان میں زید بن دثنیہ، خبیث بن عدی اور عبداللہ بن طارق تھے۔ اگرچہ عبداللہ بن طارق کو قوراستے میں ہی شہید کر دیا۔ لیکن خبیث بن عدی کو جو حیر بن ابوالباب نے خرید لیا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کا قصاص لینا چاہتا تھا۔ جو کہ جنگ بدر میں حضرت خبیث بن عدی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ چنانچہ خبیث بن عدی جو کہ بہت سخی اور خالص نسب تھے بکھوٹ اور آمیزش جن میں نام کو نہ تھی بنی نوفل کی حراست میں اشہر حرم تک رہے۔ اور ان پر اپنے سکن اخلاق اور مومنانہ رویے سے بہت اثرات پیدا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ

جحیر بن ابیاب کی باندی ماریہ ان کے اخلاق سے اتنی متاثر ہوئی کہ بعد میں پہنچ
یہی کہا کرتی تھی کہ "میں نے خبیث سا اچھا قیدی کوئی نہیں دیکھا۔ وہ یہ بھی
کہتی تھی کہ میں نے دورانِ حراست خبیث بن عدی کے ہاتھ میں ایک انگوروں کا
خوشہ دیکھا تھا جو دنیا کے عام انگوروں سے مشابہ نہ تھا۔ ماریہ اسلام لایا جنس
وہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے اندر جھانک کر دیکھا کہ آدمی کے سر کے برابر انگوروں کا
ایک گچھا حضرت خبیث کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ انگور توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔
میں نے دنیا میں ایسے انگور کبھی نہیں دیکھے یہ کیونکہ یہ خدائی رزق تھا۔
ابن اسحاق سے روایت ہے کہ پھر حضرت خبیث کو جیسے کہ جحیر بن ابیاب
کی نیت تھی۔ قتل کرنے کے لئے مقامِ نینعم پر لایا گیا کہ چھانسی پر لٹکا دیں لیکن
چھانسی سے قبل انہوں نے ایک خواہش کا اظہار کیا کہ "مرنے سے پہلے مجھے دو
رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

قریش نے جو شاید قتل کے جشن میں نماز کا نظارہ بھی کرنا چاہتے تھے تو فرمایا
یہ اجازت دے دی کہ نماز ادا کر لی جائے۔

چنانچہ حضرت خبیث نے بہت توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت
نماز ادا کی۔ اور پھر کفار کی طرف متوجہ ہو کر کہتے گئے: "میرا دل تو چاہتا ہے کہ نماز
لمبی ادا کروں اور اپنے پیارے خدا کے ساتھ آخری ملاقات طویل کر دوں۔
لیکن خدا کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ گمان کرو گے کہ میں نے نماز میں حوالیت
محض خوف و ہراس کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ تو میں اور بھی نماز پڑھتا" پھر
حضرت خبیث مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے پڑھتے آگے جھک گئے اور خود شہادت
کے لئے پیش کر دیا۔

وَكُنْتُ أَبَايَ حَبِيبٍ أَقْتُلُ مُسْلِمًا ۖ عَلَيَّ آيَةُ يَشِقُ كَانَ لِلَّهِ مَقَرُّ عِي

وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ دَانَ نِشَاءً ۖ يُبَارِكُ عَلَيَّ أَوْفَالٌ تَلِيُو مَمَرِّع

یعنی جبکہ میں اسلام کی راہ میں اور مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا

ہوں۔ تو مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر قتل ہو کر کروں۔ یہ سب کچھ خدا کے
لئے ہے اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکات
نازل فرمائے گا۔ انشاء اللہ۔

ان آخری الفاظ پر دشمنِ خدا نے آگے بڑھ کر وار کیا اور یہ عاشقِ رسولؐ
خاک پر پڑ گیا۔ ان کی آخری دعا یہ تھی جس کا کفار پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ ایک
بہت تک خوف زدہ رہے انہوں نے کہا: "اے اللہ! ان کفار کو ایک جگہ
اکٹھا کر اور انہیں الگ الگ قتل کر کے ایک کو بھی نہ چھوڑ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ
عادی بن ابوسفیان کہا کرتے تھے کہ خبیث کی بدعا کا خوف میرے باپ پر اتنا تھا
کہ وہ زمین کی طرف جھکا رہتا تھا ۖ

جنت البقیع کا پہلا مدفون

حضرت عثمان بن مظعونؓ

الْأَكْلُ شَيْءٌ مَا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ

عرب کے شاعر بلید کا یہ شعر سن کر یا آواز بلند درست قطعی درست کہنے
والا شخص حضرت عثمان بن مظعونؓ تھا۔ جن کا شمار سابقین میں ہوتا ہے وہ آسمانِ
سلام کے روشن ستاروں میں سے ایک تھے۔ اور ان لوگوں میں سے تھے جو
قبولِ عمر میں اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ بہت نیک عابد اور صوفی منش آدمی
تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ نے بہت فوقیت عطا فرمائی تھی۔ اول تو حبشہ کی طرف
ہجرت کرنے والے گیارہ مردوں میں سے ایک تھے۔ دوسرے حضورؐ پر نورؐ نے
اپنی یہ اعزاز دیا کہ وہ جنگِ بدر کے موقع پر جب پہلی بار جنگ نہیں ہوئی تھی۔

ربیع الاول کے مہینے میں عامل مدینہ منتخب فرما گئے تھے۔ پھر انہیں یہ بھی نصیب حاصل ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو پہلے اسلامی قبرستان میں دفن کئے گئے تھے اور یہ ان کی ذاتی قربانیوں کا دنیوی اجر تھا۔ وہ تاریخ کے اوراق میں زندہ رہیں گے کیونکہ وہ اسلام کے لئے زندہ رہے اور اسلام کے لئے ہی مر گئے۔ ان کی قربانیوں کا ذکر مؤرخین نے بہت عمدہ الفاظ میں کیا ہے۔ مثلاً

ایک دفعہ جب مکہ سے ہجرت کا ارادہ کر کے وہ جانے لگے تو ایک رئیس مکہ نے انہیں پناہ دی۔ کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی دوستی کی بنا پر تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں آج سے تمہیں اہل مکہ اور رؤسائے قریش کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ میں نے عثمانؓ بن مظعون کو پناہ دی ہے۔ اس طرح وہ عرب کے دستور کے مطابق جابر و ظالم لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے اور وہ آزادانہ طور پر ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے مسلمان بھائی بہن نشانہ ستم بنے ہوئے ہیں تو ان کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ آرام سے پھرتے رہیں۔ اور ان کے بھائی اسلام کی وجہ سے جیتی سیلوں پر تختہ مشق بنیں۔ چنانچہ وہ اس رئیس کے پاس گئے اور صاف کہہ دیا کہ میں وہی موت مردوں کا جو میرے بھائی سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ تمہاری پناہ میں واپس کرنا ہوں۔ رئیس نے اعلان کر دیا کہ آج سے پناہ ختم ہو گئی۔

اتفاق سے ایک دن عکاذ کے میلے پر وہ لبید شاعر کے قصیدے سن رہے تھے کہ رؤساء علماء اور فضلاء داد دے رہے تھے کہ لبید نے یہ شعر پڑھا کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے۔ حضرت عثمانؓ نے پیشتر اس کے کوئی عالم و فاضل داد دیتا ہے۔ بے ساختہ آواز سے یکبارہ بالکل درست قطعی درست۔ بے شک خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ چھوٹی عمر کے تھے اور ادیب شاعر بھی نہیں تھے۔ ادھر لبید ایک کہنہ مشق شاعر

اور اسی سالہ بڑھا تھا۔ سٹ پٹا اٹھا اور عثمانؓ شہر سے مخاطب ہوا کہ ادب تم سے اٹھ گیا ہے۔ جو آج ایک اٹھارہ سالہ کچا ذہن اٹھ کر داد دے رہا ہے یہ سوئے ادبی سب کو ناگوار کر رہی۔ اور حضرت عثمانؓ کو انہوں نے ڈانٹا۔ پھر دوسرا شعر لبید کے منہ سے نکلا۔ تو وہ شعر پہلے شعر سے بڑھ کر تھا۔

وَكُلُّ نَفْسٍ لَّا مَحَالَةَ ذَائِلٌ

یعنی ہر نعمت ایک دن زائل ہونے والی ہے۔ مگر عاشق رسولؐ خاموش نہ رہ سکا اور جھٹ بولا۔ ”یہ بالکل غلط ہے جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی۔“ اب وہ شخص جس نے حضرت عثمانؓ کے داد دینے پر برا مانا یا تھا مذمت پر کیسے صبر کر سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور مجلس برخواست کر دی۔ ایک جوشیلے نے اٹھ کر انتہائی جوش و خروش سے حضرت عثمانؓ بن مظعون کو ایسا گھونسا مارا کہ ان کی ایک آنکھ دھڑلے لڑ ہو گئی اور ڈیلا باہر آ گیا۔ اس پر اس رئیس کو جس نے پناہ واپس لی تھی دکھ ہوا۔ لیکن باقی رؤسائے شہر کو اپنی مخالفت پر آمادہ کرنا برا تھا۔ اس لئے وہ حمایت نہ کر سکا۔ البتہ اتنا کہہ گیا۔ کہ میں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ سے نہ بگلو۔ اب دیکھا پناہ میں سے نکلنے کا مزہ“

مگر اسلام کا بہادر سپاہی بولا کہ اگر ایک آنکھ نکل گئی تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم میری دوسری آنکھ بھی اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ اسے خدا کی راہ میں نکلنے کا کب موقع ملتا ہے؟ یہ جان نشاری تھی رسولؐ خدا کے عاشقوں کی کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے اور جان دے کر زندہ ہوتے تھے۔

سیدہ بھری کے اواخر میں رسولؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے لئے مدینہ میں مقبرہ جو بنوایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ موت و حیات انسان کے ساتھ ہے اور جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب پہلا خدا کا گھر بنایا تھا وہاں فانی انسانوں کے لئے بھی آخری آرام گاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اور اس کا نام ”جنت البقیع“ رکھا۔ چنانچہ اس دار فانی میں سب پہلا شخص جو اس دار فانی سے رخصت ہو کر

اپنے خالق حقیقی سے ملنے کے لئے جنت البقیع کی لمبیں اتار آگیا۔ وہ عثمان بن
منظوم تھا جو بہت چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ
آپ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ایک دفعہ رسول خدا کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! میری خواہش ہے کہ تارک الدنیا ہو جاؤں اور
تمام زندگی اسلام کے لئے وقف کر دوں۔ اور بیوی بچوں سے علیحدہ زندگی
اختیار کر کے اپنی زندگی عبادت میں ہی گزار دوں۔ مگر آپ نے اس کی اجازت
قطعی نہ دی۔ کیونکہ آپ اعتدال پسند تھے اور ایسی عبادت کو پسند فرماتے
جو اعتدال سے کی جائے اور اس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی
شامل ہوں۔ آپ نے فرمایا:-

”ہمیں چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ بیوی بچوں کا حق
بیوی بچوں کو دو۔ ہمان کا حق ہمان کو دو اور اپنے نفس کا حق نفس
کو دو۔ یہ سب حقوق خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اور انکی ادائیگی
عبادت میں شامل ہے۔“

حضرت رسول خدا کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے ان کی
قبر کے سر پر ایک پتھر بطور علامت کے نصب کروادیا۔ اور پھر آپ کبھی
کبھی جنت البقیع میں جا کر دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی قبر رسول خدا کے صاحبزادے حضرت
ابراہیم کے پہلو میں ہے۔

غلاموں کی آزادی کا پہلا حکم

غلامی ہمیشہ جنگ کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب دو ملکوں یا
قبیلوں میں جنگ ہوتی ہے تو مفتوح قوم کے بیشتر لوگ مارے جاتے ہیں اور
کچھ بچے ہوئے لوگوں میں سے فاتح قوم قید کر لیتی ہے۔ وہ بچے یا عورتیں یا سپاہی
جو قیدی بنائے جاتے ہیں۔ بحیثیت غلام کے فاتح کی ملکیت ہو جاتے ہیں اور
عرب میں بھی تقریباً یہی دستور رائج تھا کہ مفتوح کو قتل کی بجائے غلام بنالیا
جاتا۔ پھر جو چاہے مالک سلوک کرے۔ ہزار دے یا فروخت کر دے۔ یہ قیدی غلام
کا مقدر تھا۔ غرض عرب میں غلام اور عورت دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہزاروں
غلام پائے جاتے تھے۔ بلکہ امیر کی پہچان ہی غلاموں کی کثرت پر موقوف تھی۔ مگر
رسول خدا نے غلاموں کے ساتھ نرمی اور شفقت کے سلوک کی سختی سے پابندی کی
نہایت سے پہلے ہی خدیجہ الکبریٰؓ نے آپ کے پاس زید بن حارثہ کو بطور تحفہ
پیش کیا تو آپ نے اسے ازراہ شفقت آزاد کر دیا تھا۔ اس سے محنت و
مشقت کیا یعنی تھی۔ بلکہ پدرانہ محبت تھی اور یہاں تک کہ اسے متبغی بنالیا اور
یہ بہت بڑی عظیم مثال تھی کہ اپنے غلاموں کو مالک بیٹے کا سادہ دے۔ گو
بعد میں بذریعہ وحی متبغی کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ تاہم جو اشیاء و قربانی آپ نے
غلاموں کے لئے دکھائی ہے۔ تاریخ اس کی مثال نہیں دے سکتی۔ اور یہی وجہ
ہے کہ شروع میں اسلام زیادہ سے زیادہ غلاموں میں ہی پھیلا اور اسلام میں
انکی پوزیشن مضبوط تر ہو گئی۔

سب سے پہلا حکم سورۃ بلد رکوع ۱۱ خدا تعالیٰ نے جو فرمایا یہ تھا کہ
وَمَا آذْرَاکَ مَا الْعَقَبَةُ ۖ وَفَلَکَ رُقِیۃٌ ۖ وَتَجَبَّ ۖ وَاسْتَفْجٰی ۖ
کہ جوئی کیا ہے (غلام کی) گردن چھڑانا ہے۔ اس مخصوص قرآنی حکم

لے :- محمد مارگوئس ص ۲۸ :- بخاری کتاب الصوم :- ۳۵ :- مشبلی :-

کے نتیجہ میں غلاموں کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسلام کا ایک گز اثر دل پر بٹھالیا۔ بیشک آپ عورتوں اور غلاموں کے لئے رحمۃ اللعالمین تھے۔ ان کے نجات دہندہ تھے۔ ان کے حسن حقیقی ثابت ہوئے کیونکہ ایک تو انہیں آزاد حاصل ہوئی۔ دوسرے مسلمانوں کو ایک قدم اور آگے بڑھ کر آپ نے باہم شادی کا حکم دیدیا۔ اور اس طرح مسادات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ آپ نے قرآن کا یہ حکم سن کر کہ ”اے مسلمانوں! نہ شادی کرو تم مشرک عورتوں سے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور یہ جان لو کہ ایک مسلمان لونڈی ایک مشرک آزاد عورت سے بہتر ہے۔ اور ایک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے۔“ غلاموں کی پوزیشن مستحکم کر دی۔ آزاد مسلمان اور مومنہ لونڈی کی شادی نے ان کی عزت و توقیر اسلامی میں بڑھادی۔ انہی الہی احکامات کا نتیجہ تھا کہ اُسامہ بن زید کو لشکر اسلامی نے اپنے لئے کمانڈر انچیف قبول کر لیا تھا۔ بڑے بڑے امراء و عمر صحابہ کو ایک غلام زادہ کے ماتحت کام کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ یہ آپ کی دور بین نگاہ تھی کہ آپ نے اپنی بار اپنے آزاد کردہ غلام زادہ سے اُسامہ بن زید کو جنگی مہموں پر امیر مقرر کر کے حیل ہستیاں بنادیا۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان کے نمونے سے روشنی حاصل کریں۔ بعض نا سمجھ لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ ”تم لوگوں نے اُسامہؓ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا ہے۔ اور اسکی پہلے تم اس کے باپ زیدؓ کی امارت پر طعن کرتے تھے مگر خدا کی قسم! جس طرح زیدؓ امارت کا حقدار اور اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا۔ اسی طرح اُسامہؓ بھی امارت کا حقدار ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں میں ہے۔“

حضرت اُسامہؓ ابھی بچہ تھے کہ ان کی ناک بہہ رہی تھی۔ آپ نے اُسے صاف چاہا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں صاف کر دیتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ عائشہؓ! تو اُسامہؓ سے محبت کر میں بھی اسکی محبت کرنا ہوں۔

ابو امیر سے روایت ہے کہ رسول خدا فرمایا کرتے تھے۔ ”میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ دنیا کے اموال میں سے اپنے غلام کو برابر کا حصہ دوں بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن میرے ثواب میں کمی آجائے۔“

پس وحی الہی کے مطابق غلاموں کو آزاد کر کے نہ صرف آپ نے غلاموں پر احسانات کئے بلکہ ان کی گردن سے مظالم کا جوا اتار پھینکا۔ بلکہ آقاؤں پر بھی برابر کے انعامات کئے کہ انکی طبائع میں وہ فخر و مغرور جو ملازموں اور غلاموں کی فہرست کی لپائی سے ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور آقا اور غلام کی ذہنیت کو درست کر دیا۔ تکبر اور برائی آقا سے گئی۔ خود داری اور عزت نفس غلام میں پیدا ہوئی۔

ابو مسعودؓ بدوی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول خدا اشریف لائے تو میں اپنے کسی غلام کو مار رہا تھا۔ غصہ کی حالت میں میں نے رسول پاک کی آواز بھی نہ سنی اور مارتا گیا۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنے آقا کو پا کر سخت شرمندہ ہوا اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہارے منہ کو جھلستی۔

خاوند کے حقوق کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ”طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے۔“ ایک دفعہ ایک غلام رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے آقا نے اپنی لونڈی کے ساتھ شادی کر دی تھی۔ مگر وہ اب چاہتا ہے کہ نکاح فسخ کر کے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ آپ یہ بات سن کر سخت غصہ کی حالت میں عمیرؓ پر چڑھ گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ”اے مسلمانوں! یہ کیا بات کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور لونڈی کی شادی کرتے ہو اور خود بخود پھر اپنی مرضی سے ان میں علیحدگی کرنا چاہتے ہو۔ میں لو! کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ طلاق دینے کا حق صرف خاوند کو ہے۔ تم اپنے غلاموں کو مجبور نہیں کر سکتے۔“

پس مختصر یہ کہ غلامی کا طوق کروڑوں کی گردنوں سے اتار پھینکنے والا محبوب

انسان جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے جا رہا تھا تو آخری لمحات میں جبکہ موت کا غرغہ طاری تھا۔ آپ نے اپنی بیٹی کو وصیت نہیں کی۔ اپنی بیوی کو نصیحت نہیں کی۔ عزیزوں کے لئے پیغام نہیں چھوڑا۔ بلکہ جس محبوب شخص کا ذکر آپ کے ہونٹوں پر تھا وہ تھا غلام۔ اور نماز جن کے لئے آخری لمحات میں فرمایا:-

اَلْفَلَاوَةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ لِي

اے مسلمانوں! نماز اور غلام کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔ سبحان اللہ کی جامع نصیحت فرمائی کہ دو لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو یکجا کر دیا اور مسلمانوں کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ سوچ گریہ کے وقت غلام آزاد کیا کرو۔ گھر دراصل یہ سب کچھ غلامی مفقود کرنے کا طریقہ تھا۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک صرف غلامی کی جڑھ پر تیسر رکھنا ہی تھا۔ تاکہ آئندہ غلامی کا وجود ختم ہو جائے۔

حضورؐ نے خود ترسیٹھ غلام آزاد فرمائے تھے جبکہ حضرت عائشہؓ نے ستائیس غلام آزاد کر دیئے تھے۔

ہجرت کے بعد پہلا بچہ

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ

مہاجرین کے لئے عبداللہ ابن زبیرؓ کی پیدائش کا دن اجتماعی خوشی کا دن تھا کیونکہ یہ نہیں مشرکوں نے ایک پریشان کن خبر مشہور کر دی ہوئی تھی۔ کہ ہم نے جادو کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں کوئی نہرینہ اولاد نہ پیدا ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یمنوں کو یہ حکم ناکام کرنے کے لئے ان کی ہر تدبیر خاک میں ملا دی۔ اور پہلے ہی سال حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خدا تعالیٰ نے پہلا بیٹا عطاء فرمایا۔ اس بچہ کی پیدائش پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اور حضرت زبیرؓ بچہ کو اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے بھور کو اپنے منہ سے نرم کر کے اس کا لعاب بچہ کے منہ میں ڈالا۔ اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور یہی لعاب مبارک بچے کی پہلی خوراک تھی۔ جو کرنے آتے ہی دنیا میں حاصل کی تھی۔

حضرت زبیرؓ بن العوام ایک متقی اور جاں نثار کبار صحابہؓ میں سے تھے۔ وہ بہادر و شجاع مسلمان تھے۔ جنگ یرموک میں جب رومی لشکر پاؤں میں بریاں ڈال کر لوہے کی صفیں بن گئے تھے تو یہ حضرت زبیرؓ ہی تھے جو کفار کی آہنی صفیں جیر کر ان کے عقب میں نکل جاتے اور پھر حملہ کرتے اور کشتوں کے پشتے سے ہوئے واپس پلٹتے تھے۔ اس دن اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ حالانکہ اس وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر مشکل دس برس تھی۔ انہیں لوہے پر سوار کر کے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ تاکہ بچہ جاں نثاری اور شجاعت کا مناظرہ دیکھے۔ اور کل ایسی شجاعت کا مظاہرہ خود کر سکے۔ جو حقیقت میں اس

دس سال بچہ نے جو جاں بازی کے مناظر دیکھے تھے اپنے دل و دماغ پر ایسے ثبوت کر لئے کہ مستقبل میں اس شخص جاں بازی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ عقل حیران رہتی ہے۔ تاریخ عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک مقام پر جزوی خلیفہ دکھاتی ہے۔ زبیرؓ بن معاذ یہ جب فوت ہوا تو اہل حجاز میں عراق اور خراسان کے مسلمانوں نے انکی خلافت کی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ حضرت عبداللہؓ نے بنو امیہ کے قابل اعتراض مسلک کو دیکھ کر اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی۔

حضرت عبداللہؓ کی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن تھیں۔ وہ خود ایشاء و قربانی کا مجسمہ تھیں۔ ہجرت کے واقعات میں ہم انہیں بعض اہم مقامات پر ملتے ہیں۔ مثلاً ہجرت کے موقع پر زاد راہ باندھنے کے لئے انہوں نے اپنی کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑہ میں زاد راہ رسولؐ خدا کو باندھ کر دیا تھا۔ اور ایک خود استعمال کیا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کو والدہ محترمہ حضرت عبداللہؓ کو ذات النطاقین کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ ذات النطاقین دو کمر بندوں والی عورت کہلاتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ کی طبیعت کچھ سخت تھی تاہم وہ اسماءؓ کے گداز کی دل و جان سے قدر کرتے تھے۔ لیکن غصہ کے معاملہ میں اپنے مزاج سے مجبور تھے۔ آپ وفا کیش صحابیہ تھیں۔ جب زبیرؓ بن العوام کو جنگ جمل کے بعد ایک خدا نے سجدہ کی حالت میں ہی شہید کر دیا تھا۔ تو اسماء رضی اللہ عنہا کی روح تڑپ اٹھی۔ لیکن وہ اس دلفگار سانحہ کو بھی صبر و رضاء سے برداشت کر گئیں۔ اور اپنے آخری سہارے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ایک عابد و فاشعار شجاع و جوانی تھے۔ وہ اتنی لمبی نماز حرم شریف میں ادا کرتے کہ حرم کے کبوتران کے کندھوں پر آ بیٹھتے تھے۔ دین اسلام سے انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حجاج کی فوجیں مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو انہوں نے جاں جان آفریں کے سپرد کر دینے کا عزم کر لیا۔ حجاج بن یوسف نے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ تو

حضرت عبداللہؓ نے اپنی عظیم ماں سے مشورہ مانگا۔ تو ماں نے مشورہ دیا: کہ حق پر بر تو اپنے اصولوں کو قربان نہ کرو۔ دنیا کے مقابلہ میں دین کا خیال رکھو۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کا بیٹا قتل کر دیا جائے گا اور شہادت ہی انجام ہوگا۔ پھر بھی اپنے بیٹے پر نازاں تھیں وہ بیمار تھیں۔ عرض کیا موت میں ہی راحت ہے ماں نے کہا بیٹا سن لو۔ میں تو اس وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتی۔ جب تک دو خبروں میں سے ایک سن نہ لوں۔ یا تو شہید ہو جائے اور میں اسے عاقبت کے لئے سعادت خیال کروں یا تو کامیاب ہو جائے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ماں کی دعاؤں کے ساتھ باہر جانے ہی والے تھے مینا ماں نے اپنے بیٹے کو آخری بار چھاتی سے لگانے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے تو انہیں اپنی زہر کا احساس ہوا۔ اور ماں کو آہنی زہر پر اعتراض ہوا۔ کہتے لگیں۔ جہاد پر جا رہے ہو تو حفاظت کی کیا ضرورت ہے؟ ماں کی غیرت ایمانی کا یہ مجاہدانہ جلال دیکھ کر بیٹے نے فی الفور زہر اتار دی اور نفرت سے زمین پر پھینک دی۔ اور برہنہ سینہ لے کر میدان میں اتر گئے۔ اور ماں کے آخری الفاظ سارا وقت کانوں میں گونجتے رہے کہ بیٹا موت سے ڈر کر کوئی ایسی بات قبول نہ کرنا جس میں ذلت ہو۔ بخدا! عورت کی تلوار ذلت کے کوڑے کی مار سے بہتر ہے۔ شہادت کے دھنی نے شہادت پائی۔ اور شہید کی آرزو رکھنے والی ماں شہید کی ماں بن گئی۔ شہادت کی خبر پاتے ہی وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں سجدہ رہنے ہو گئی۔ وہ عظیم ماں صدقات سے چور چور جب شہادت کے بعد اپنے بیٹے کو سولی پر چڑھا ہوا پا کر پاس سے گزری تو مڑ کر صبر سے کہنے لگیں کہ۔ "بیٹا میرا شہسوار بیٹا تو کب تک سواری پر رہے گا۔ جب قاتل حجاج سے مٹھ بھڑ ہوئی تو بولیں۔ اے حجاج تو ظالم ہے۔ حجاج نے کہا عبداللہؓ بن زبیرؓ منافق تھا۔ جواب دیا۔ "خدا کی قسم وہ منافق نہ تھا۔ وہ عابد۔ نماز روزے کا پابند اور خدا تعالیٰ کا مقرب تھا۔ حجاج نے کہا تم سھٹیا چکی ہو۔ حضرت اسماءؓ نے کہا "میں نے رسول خدا صلعم

سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ تقیف سے ایک کاذب اور ہلاکت بھرنے والے آئے گا۔ کذاب تو دیکھ چکی ہوں یعنی مختار بن ابی عبید اور ہلاکت بھرنے والے تم ہو۔ شہادت کے روز حضرت عبداللہؓ اپنی ماں کے پاس دعائیں لینے کے لئے حاضر ہوئے تو عرفی کی آنکھیں کھل گئیں کہ ارادہ ہے کہ شہادت کے بعد میری کھال الٹی دیکھنی چاہئے۔ فرمایا! بیٹا جب بکرا ذبح ہو جائے تو اسے کیا کر اس کی کھال سیدھی کھینچنی چاہئے یا الٹی۔ چنانچہ دیر و شجاع بیٹا میدان شہادت میں جا پہنچا۔ مسجد سے باہر نکلے اور شامیوں کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے جس طرف منہ کرتے دشمن کی صف پلٹ دیتے۔ وہ لڑ رہے تھے کہ وہ صف کی جانب سے ایک پتھر ان کے سر پر آگیا۔ جھٹک گیا۔ اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

رَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ قَدَمُ كُلُّوْنَا
وَلَكِنْ عَلَى أَقْدَامِنَا يَقْطُطُ الدَّمُ

یعنی زخموں سے ہمارا خون ایڑیوں پر نہیں رستا بلکہ سامنے اس کے قطرے گرتے ہیں۔ اس کے بعد دشمن نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت پر شامیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو عبداللہؓ نے عمر نے فرمایا۔ اس کی ولادت پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے والے اس کی وفات پر نعرۂ تکبیر کہنے والوں سے بہتر تھے۔

الغرض یہ وہی عبداللہؓ شجرت کے بعد پیدا ہونے والا بیلا پچھ تھا۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب رفیقہ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ اُمّ عبداللہؓ کی کنیت سے مشہور تھیں۔ انہیں ان سے بے حد پیار تھا۔ اور اخلاق حسنہ میں بھی حضرت عائشہؓ کی تربیت کی جھلک نمایاں تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو حضرت عائشہؓ کو قبر میں اتارنے کی سعادت بھی حاصل ہے۔

۱۔ شبلی حقہ دوم:

پہلا مقتول

حضرت رسول خدا کا پہلا دارابی بن خلفہ کا قتل

قَتَلَنِي وَاللَّهِ مُحَمَّدٌ

جنگ اُحد میں شدید زخموں کی وجہ سے آپؐ میں اتنی نقابہت و کمزوری تھی کہ آپؐ کو گھائی پر چڑھنے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ آپؐ چٹان پر خود نہ چڑھ سکتے تھے۔ طلحہ بن عبداللہؓ جن کے لئے ایک دفعہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص زمین پر چلتا ہوا شہید دیکھنا چاہے تو طلحہ بن عبداللہؓ کو دیکھ لے بیٹے نیچے آکر بیٹھ گئے اور آپؐ نے ان کی مدد سے چٹان پر چڑھ کر اپنے آپؐ کو سنبھالا لیکن چوٹی آپؐ گھائی پر چڑھ کر بیٹھے ہی تھے تو ابی بن خلفہ پتہ لگاتا تو وہاں پہنچ گیا۔ ایک دفعہ آپؐ سے وہ مکہ میں ملا تھا۔ اور اس نے آپؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میرے پاس ایک جائے پناہ ہے اور وہ جائے پناہ وہ گھوڑا ہے جسے میں نے ایک فرقہ (چمیانہ) دانہ روزانہ کھلا کر پرورش کیا ہے۔ یعنی اُسے ہر لحاظ سے عمدہ اور اعلیٰ غذا دیکر تنومند بنایا ہے تاکہ میں اس پر سوار ہو کر تمہیں نعوذ باللہ قتل کر سکوں لیکن خدا کے پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ "انشاء اللہ میں ہی تمہیں قتل کروں گا" چنانچہ اُحد کے دن جب جیتی ہوئی جنگ مسلماں ہار گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید زخم بھی آئے تو یہ موزی کا فر پھر تلاش میں نکلا کہ اپنا منصب پورا کرے اور دوزخ کا ایندھن بنے۔ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں آپؐ خدا کی راہ میں گئے ہوئے تھے اور زخموں پر دوا لگا رہے تھے۔ اور بے سکت تھے۔ وہ لنگار اور گستاخی سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے محمد اگر تم بچ گئے تو اللہ مجھے زندہ نہ رکھے" گویا کہ وہ پھر چیلنج کرنے آیا تھا اور اس دن کا وعدہ یاد دلایا تھا۔ جو مکہ میں گھوڑے کی بڑائی بیان کرتے ہوئے اُس نے کیا تھا۔ صحابہ کو امؓ اسے پاکر بہت رنجیدہ اور خفا ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ

اس وقت حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عمارؓ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے خدا کے پیچھے رسولؐ! کیا ہم اس کی طرف رُخ کریں۔ آپؐ نے فرمایا دَعَا دَا سَہْوَ دُو، کیونکہ اس نے چیلج رسولؐ پاک کو کیا تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو اجازت طلب کرنا ضروری تھا۔ ایک دفعہ پہلے آج ہی کے دن میدان جنگ میں ابن قیثمہ بد بخت نے خدا کے رسولؐ پر وار کر کے خوشی کا نعرہ لگایا تھا کہ میں نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار لیا۔ حالانکہ یہ اس کا زعم تھا۔ خدا کا رسولؐ اپنے فدائیان کے درمیان صحیح و سلامت تھا۔ ہر وار جو ابن قیثمہ کرتا تھا۔ خدا کے فرستادہ نبیؐ کی حفاظت کے لئے اس کے فرشتے آگے آجاتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بچانے کے لئے آپؐ کے جاں نثار حضرت طلحہؓ ہر وار اپنے اُپر لیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گیا۔ اور اسی طرح یہ دن ابن قیثمہ کی خوشیوں کو پامال کرنے کا دن تھا۔ دوسری بار بد بخت ابن خلف آگے بڑھا اور قریب تھا کہ خدا کے شیر پر حملہ کر دیتا۔ پیشتر اس کے کہ وہ وار کرتا جب وہ ذرا قریب پہنچا تو رسولؐ خدا نے حادثہ بن جسم سے نیزہ لے لیا۔ اور ایسا زور سے گھما کہ مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر جا گرا اور پھر اُٹھ کر چیخا چلاتا واپس بھاگ گیا۔ عبد الرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ نیزہ رسولؐ اللہؐ نے لیا تو آپؐ اسے ایسی حرکت دی کہ ہم سب لوگ اس طرح اڑ کر بھاگے جیسے کاٹنے والی مکھی اُونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب اُونٹ اسے اپنی حرکت سے اڑاتا ہے۔ پھر آپؐ ابی خلف کی طرف بڑھے اور اس کی گردن پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے پر سے ہٹ کر گر گیا۔ لیکن جو بھاگا تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا وہ پنج کراہل مکر کے پاس تو پہنچ گیا۔ لیکن اس کے جسم پر جو زخم رسولؐ خدا کے وار سے آیا تھا۔ وہ ہلک تو ضرور تھا۔ لیکن کاری نہیں تھا۔ اگرچہ اس کی گردن میں بڑی خراش آئی تھی اور صرف خون رگوں میں رُک کر جم ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے کہا ”قَتَلَنِي دَا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ“ یعنی خدا کی قسم مجھے محمدؐ (صلعم) نے مار ڈالا ہے۔ وہ زندہ بھی یہ تاثر لے چکا تھا کہ ہلاکت اس کا پیچھا کر چکی ہے۔ قریش نے کہا واللہ تو دل چھوڑ بیٹھا ہے۔ ابھی تیرے اندر کافی قوت

ہے۔ لیکن اُس نے کہا محمدؐ (صلعم) نے مکر میں ہی مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کر دیں گا۔ خدا کی قسم اگر آج مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مرجاتا۔ پس خدا کی مشیت اسی میں تھی کہ وہ جا کر قریش کو اپنی شکست کا اعتراف اپنی زبان سے کر کے اپنی بار آور رسولؐ خدا کی جیت پر مہر لگا کر موت کو گلے سے لگاتا۔ چنانچہ جب قریش مکر کے قریب جا رہے تھے تو سرف کے مقام پر اُس نے دم توڑ دیا۔ اور میوند ناک ہو گیا۔ ۱۸

یوں خدا کے شیر کا وار خالی نہ گیا۔ بلکہ ہلک ثابت ہوا۔ اسے اپنے اہل و میل تک جانا نصیب نہ ہوا۔ حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار میں ابی بن خلف کو قاتل کر کے کہتے ہیں :-

”اے ابی بن خلف اپنی بوسیدہ ہڈیاں اٹھائے ہوئے تو رسولؐ خدا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تو ان کی حقیقت سے ناواقف تھا۔ اور دھمکیاں دے رہا تھا۔“

اس طرح آج اُس کی جائے پناہ جائے ہلاکت بن گئی :-

زکوٰۃ

بمربعہ سال ۷۰۰ ماہ - شوال ۶۲۳ھ

زکوٰۃ ذی سے نکلا ہے جس کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ اور یہ عمل بھی پاکیزگی اعمال پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے یہ تیسرا رکن ہے جو ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذَا اَوَّلِ الزَّكَاةِ اور اس کے رسولؐ کو ماننے والو اور ایک اور ذمہ داری نازل ہوتی ہے تاکہ تمہیں غافل نہ ہونے دے اور پاکیزہ رہے۔ اصل میں مسلمانوں کے لئے شروع کے تیرہ سال سخت مشکلات و پریشانیوں

کے تھے۔ مصائب نے ہر طرف سے گھیرا کیا ہوا تھا۔ کیونکہ یہی آزمائش کے سال تھے اس لئے خدا تعالیٰ اپنے مہابروشاگردوں کے ذمے زیادہ بوجھ ڈالنا پسند نہیں فرماتا تھا۔ لیکن جب غلبہ اسلام کی گھڑی شروع ہوئی تو ذمہ داریاں اور شرعی احکامات بتدریج نازل ہوتے شروع ہوئے اور ایک بنیادی رکن زکوٰۃ ذکر مال کے لئے نازل فرمادیا۔ فرمایا:-

وَفِي آيَاتِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔

”یعنی اہل ثروت کے اموال میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے سب کا حق ہے۔“

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا پردہ کس عمدگی سے ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ فرماتا ہے کہ سائل تو میرا بزرگ ہی گیا اور بھیک مانگنے لگا گیا لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پیٹ سے خالی ہے لیکن زبان پر مہر ثبت ہے اور حیا و شرم اسے آئی ہوئی ہے۔ ایسے محروم طبقے کے لئے اہل ثروت کا حق ہے کہ اپنے مال کا حصہ کاٹ کر زکوٰۃ جمع کریں تاکہ ان نادار لوگوں کی جو معاشرہ کا سامنا نہیں کر رہے مدد کی جائے یہ خاموش مدد صرف اور صرف انتظام سے ہی ہو سکتی ہے۔ دوسرے زکوٰۃ کی فرضیت و ادائیگی انسان کے دل سے دیوی محبت کے مرضی کا ازالہ کرنے والی ہے۔ اور دولت مندوں کو نافرمانی سے روکنے والی حقیقت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

”بے شک کبھی انسان حد آدمیت سے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہم جنسوں سے مستغنی پاتا ہے۔“

ایسے انسان کے لئے زکوٰۃ کی حد مقرر فرما کر اعتدال پر لانے کی ایک حکمت بیان فرمادی جس طرح روزہ بھوکے اور غریب کی ناداری کا احساس دلاتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی دولت مندوں کے قلوب میں فقراء اور مساکین کی محبت پیدا کرتی ہے۔ جس کی بناء پر ان کے دلوں سے حسد اور کینہ۔ غیظ اور غضب کی کیفیت نازل

ہو جاتی ہے۔ پھر اگر انسان فاضل دولت کو روک رکھے تو انسان معطل و بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ اس کا کچھ حصہ فقراء پر صرف کرتے تاکہ اس کا مال درست ہو اور یہ عمل انسان کے محاسن اور نعمتوں میں سے ہے۔

اس کے برخلاف دولت مند اگر زکوٰۃ ادا نہ کریں تو فقراء میں معاشی تنگی اور بے چینی و اضطراب کا موجب ہو جائے۔ اور ایک وقت ایسا آجائے کہ فقراء کی نگاہیں حقارت سے اٹھیں اور امراء کا جینا محال کر دیں۔ کبھی چوری کر کے اور کبھی ڈاکہ ڈال کر اور حد تو یہ کہ کبھی قتل تک کی نوبت آجائے گی اور یہ رد عمل ہوگا اس مال کو روکے رکھنے کا جو غریب کا حصہ تھا۔ سو بہتری اسی میں تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت پر اور ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی خلفاء راشدین میں سے ہر خلیفہ اس شرعی رکن پر زور دیتا رہا۔ لیکن حضرت خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکرؓ نے تو جنگ تک روا کر دی لیکن زکوٰۃ کے حکم کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونے دی۔ اس کی اہمیت اس لئے سننے واضح ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:-

”کہ خدا کی قسم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اگر جنگ بھی کرنی پڑی تو دریغ نہیں کروں گا۔“

اصل میں مخالفین زکوٰۃ نے اس بناء پر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان نزدیک بت قرآنی ”خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً“ اے رسول تو ان کے اموال سے ایک حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر کے مخاطب صرف خدا کا رسول تھا۔ جو ان بات پا چکے ہیں۔ اب کوئی دوسرا شخص زکوٰۃ لینے کا حقدار نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مخالفین زکوٰۃ کے اس استدلال کو سختی سے رد فرمایا اور نہایت بیری اور عزم سے ان مشوروں کو بھی رد کر دیا جو مخالفین زکوٰۃ سے نرمی برتنے کے تعلق تھے۔ چنانچہ آپ کے فولادی عزم کے باعث ارکان اسلام میں سے زکوٰۃ اہم رکن کمزور نہ ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

الغرض جس رکن کا مرکزی مقصد ہی اُس کے الفاظ میں پنہاں ہو تو اس کی ادائیگی سے انسان یقیناً روحانی قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ ویسے زکوٰۃ کا اہم ترین فائدہ نظام جماعت کے لئے مال سرمایہ بہم پہنچانا ہے۔ زکوٰۃ مال۔ مال کی مرض اور بخل کو ختم کرتی ہے۔ دوسروں کیساتھ ہمدردی کرنا اور شخصی اغراض کی جگہ جماعتی اغراض کے لئے اپنے اوپر ایتار کرنا۔ زکوٰۃ کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے قرآن مجید نے زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے ذیل کی آٹھ صلاحت بیان فرمائی ہیں:-

- ۱۔ فقیروں کے لئے۔
- ۲۔ مسکینوں کے لئے۔
- ۳۔ زکوٰۃ جمع کرنے والوں کی تنخواہوں کے لئے۔
- ۴۔ نو مسلموں کے لئے۔
- ۵۔ غلاموں کی آزادی کے لئے۔
- ۶۔ ایسے قرضداروں کے لئے جو قرضہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔
- ۷۔ اللہ کے راستے نیک کاموں میں۔ اور
- ۸۔ مسافروں کے لئے۔

المختصر فاضل دولت اور معاشی بدحالی کو ساتھ ساتھ ختم کرنے کا صرف زکوٰۃ ہی تیر بہدف علاج ہے جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور بنیادی ستون ہے۔

پہلی بار نوحہ کی ممانعت

سنہ ہجری

جنگ اُحد میں بظاہر فتح کے بعد شکست کا ایک پہلو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا نہایت مہی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بہت اثر تھا۔ آپ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اور مجاہد کو اُم بھی شہید ہوئے تھے۔ خصوصاً ان شہداء کی جو اسلام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے تھے۔ شہادت کا رنج آپ کی طبیعت پر زیادہ تھا۔ وہ لمحہ آپ کے لئے رُوح فرسا تھا۔ جب آپ نے اختتام جنگ پر اپنی جمیعت کے زخمیوں اور شہداء کو جمع کیا خاص طور پر آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کی نقش کا بُرا حشر تھا۔ ان کی ویش کی بے حرمتی کرتے ہوئے عرب کی رسم کے مطابق مشہ کیا گیا تھا۔ یہ بہیب نظارہ آپ پر بہت گراں گزرا۔ چونکہ آپ صبر و استقلال کی تصویر تھے۔ فرمایا:-

”مجھے آج تک ایسی مصیبت نہیں پہنچی۔ میں اس سے زیادہ غضبناک مقام پر کبھی ٹھہرا نہیں ہوا۔ لیکن ساتھ ہی خدا کے پیار سے رسول کو تسلی و شفای ہوئی اور مزید فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے حمزہؓ کا نام اہل سماء میں لکھا گیا ہے اور حضرت حمزہؓ اللہ اور اس کے رسول کا شعبہ ہے“

شہداء کے کفن و دفن کے لئے آپ نے فرمایا کہ شہداء کے بدن پر جو کپڑے ہیں۔ وہ بدن پر ہی رہنے دیئے جائیں۔ اور شہداء کو غسل بھی نہ دیا جائے۔ نماز جنازہ بھی اس وقت ادا نہ کی جاسکی تھی۔ بغیر غسل اور بغیر نماز جنازہ ایک ہی کفن میں شہداء کو دفن کر دیا گیا۔ البتہ بموجب ارشاد نبویؐ اُماریں اتارتے وقت ان کی بزرگی و بزرگی کو ملحوظ رکھا گیا۔ وہ شہید جو قرآن مجید زیادہ جانتے تھے انہیں اُماریں پہلے اتارا گیا۔ اگرچہ بعد میں چند دنوں کے وقفے سے نماز جنازہ غیب ادا کی گئی۔ اور بڑے

درد و اضطراب سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

میدانِ احد سے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو اونٹنی کی نکیل سعد بن معاذ نے تھامی ہوئی تھی۔ اور لوگ اپنے نبی کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آرہے تھے۔ آپ جب داخل ہوئے تو انصار کے گھروں میں آپ کو رونے چھینے کی آواز سنائی دی۔ آپ نے جب یہ چیخ و پکار سنی تو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔ آنکھیں ڈبڈبایں آئیں۔ اور آپ نے فرمایا "لَیْسَ حَمَزَةٌ فَلَا بُکَايَ لَهٗ"۔ یعنی ہمارے رضائی بھائی حمزہ کے لئے کسی اور عورت نے اس طرح ماتم نہیں کیا۔ رؤساء انصار نے خیال کیا کہ شاید حضور نے ان کی توجہ نوح خوانی کی طرف مبذول کرائی ہے اور اس حسرت کا اظہار فرمایا ہے کہ غریب الوطن حمزہ کی نوح خوانی کا بھی خیال کیا جائے۔ وہ اپنی عورتوں کے پاس گئے اور انہیں حضرت حمزہ کے ماتم کے لئے متوجہ کیا۔ اور کہا "جہاں تم اپنے پیاروں کے غم میں افسو بہا رہی ہو اور عزیزوں کے بچھڑنے پر سر دھن رہی ہو خدا کے رسول کے چماکے شہید ہونے پر نوحہ کرو۔ کیونکہ بحیثیت مہاجر ہونے کے ان کا نوحہ کرنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ عورتیں بوجھل قدم اور غم سے منڈھال دل و دماغ کے ساتھ حضور نبی پاک کے مکان پر پہنچ گئیں اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔

آپ کو اچانک اپنے گھر سے رونے چھینے کی آواز سن کر بے تاب ہوئی تو آپ نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ عرض کیا گیا کہ انصار کی عورتیں حضرت حمزہ کا نوحہ کرتی ہیں۔ تو آپ نے ان کی محبت کی قدر کی اور فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کے غموں کو کم کرے اور انہیں اجر عظیم دے۔ لیکن اسلام میں اس طرح نوحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس دن سے بال نوحہ چیخ و پکار کر دینا پیٹنا لمبے لمبے بین ڈالنا ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔

یہ ممانعت جنگِ احد کے بعد پہلی بار سختی سے کر دی گئی اور صبر کی تلقین لازمی امر قرار دیا گیا۔ یوں تو آنکھوں میں آنسوؤں کا آجانا فطری امر ہے۔ غم سے جذبات مغلوب ہوتا بھی طبعی امر ہے لیکن خدا کے پیار سے رسول نے خدا کی رضا پر راضی رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات پر آپ نے فرمایا۔ "ہر نوحہ کر نیوالی

جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں سعد کی توجہ کرنے والی ماں مستثنیٰ ہے۔ اس چھوٹے سے بچے میں آپ نے جبردار کیا کہ نوحہ کرنے والی عورت ایک تو عورت ہوتی ہے دوسرے یہ بالغا آرائی کرتے کرتے جھوٹ بھی بولتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنا مقام و درجہ بنا بیٹھی ہے۔ تیسرے نوحہ کرنے اور چیخنے اور شور کرنے سے مرنے والے کو سکون میں پہنچتا۔ بلکہ وہ مرنے والے کے لئے بے تابی اور بے حسی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ کیونکہ میت اپنے گروا گرو دے تین دن تک واقف رہتی ہے۔ صرف بول سکتی۔ شور شرابا سن کر بے حسی ہوتی ہے اور یہ شور اس کی بے بسی کو بڑھا دیتا ہے۔ حضور نے حضرت حمزہ کی بہن حضرت صفیہ کو ان کی نقش دیکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ مگر جب حضرت صفیہ نے امر کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کے ٹکڑے کسے ہو گئے ہیں۔ مگر خدا کی راہ میں ایسا ہوا ہے۔ اس کی رضا پر ہم راضی ہیں۔ نہ تو رُودوں گی نہ بین کر دوں گی۔ بلکہ صبر کر دوں گی۔ تب رسول خدا نے اپنی پھوپھی کو حضرت حمزہ کی نقش دیکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

گر یہ دنا ری کے لئے خدا تعالیٰ کا دربار سب بہتر مقام ہے۔ جہاں انسان اپنے لئے سائے سجدہ ریز ہو کر اپنے غم کا اظہار کرتا ہے۔ چونکہ حضور کا اسوہ حسنہ ہے اس لئے مشعلِ راہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عام المومن میں کس طرح آپ نے پے در پے حدتِ ارادت کئے۔ مگر خاموشی و صبر کے ساتھ خدا کی رضا پر راضی رہے۔ اپنے جگر گوشہ حضرت قاسم اور حضرت ابراہیمؑ کو اپنے حقیقی مولیٰ سے ملتے دیکھا۔ اور راضی برضا رہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

پہلا حکم بندش شراب

ربیع الاول سنہ ہجری

عرب کا خطہ بہت آزاد اور غیر مہذب ہونے کے علاوہ تمدنی اور اخلاقی بیماریوں کا مرجع بھی تھا۔ اور بت پرستی۔ شراب نوشی اور قتل و غارت میں تو خاصہ امتیاز حاصل تھا۔ اگرچہ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی کئی بیماریوں کا قلع قمع ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہی کلہ توحید کا نصب العین تھا۔ جو بہت حد تک پورا ہو گیا۔ لیکن شراب نوشی کی جڑیں بدستور اپنا مقام بنائے ہوئے تھیں۔ اور یہ جڑیں اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ کردار کو نگل گئی تھیں۔ اور قومی اخلاق کا ایک حصہ بن چکی تھیں۔ یہاں تک کہ ہر گھر ہر مقام اور ہر سوسائٹی اس وقت مکمل کہلاتی تھی جب شراب نوشی کا خاص اہتمام ہو۔ اب انتہاء یہاں تک ہو چکی تھی کہ خاص فیشن کے لوگوں میں شراب نوشی کے لئے خاص اوقات مقرر تھے۔ جب وہ مجلسیں جا جا کر بد مستیاں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی ہزار رحمتیں نازل ہوں اس وجود پر جسے نبوت سے قبل بھی اپنی چالیں سالہ زندگی میں شراب جیسی پلید چیز کو مس تک نہ کیا۔ اور اس بد عادت سے ہمیشہ مجتنب رہے آپ کی فطرت صحیحہ ہی اس طرف سے قطعی متنفر تھی۔ گو بعض صحابہ بھی ابتداء سے ہی تارک شراب تھے۔ جیسے حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عثمان بن مظعون۔ تاہم باقی صحابہ کرام اسے استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ مذہبی طور پر شراب حرام نہ تھی۔ حالانکہ شراب نوشی کے بد نتائج بھی کئی دفع سامنے آئے تھے۔ جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں حضرت علیؓ کے آونٹ ذبح کر دیئے تھے اور جب حالت کو بگڑتے دیکھ کر رسول خداؐ سمجھانے کے لئے گئے۔ تو حضرت حمزہؓ نے اپنے نشہ میں اپنے محبوبؐ کو بچانا تک نہیں تھا۔ ایسے ہی کئی قباحتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ کیونکہ شراب تو برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ صحابہ کرامؓ عموماً پریشان ہوتے کہ یہ بد اخلاقی

حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے۔ لیکن شرعی رنگ میں کسی کو بھی روکا نہیں جاسکتا۔ وہ حکم امتناعی کے منتظر تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ اور معاذ بن جبلؓ خصوصاً ان بد عادات کی وجہ سے بیچ و تاب کھاتے رہتے تھے۔ مگر کوئی قطعی فیصلہ ذاتی طور پر نہیں کر سکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائی احکام کے منتظر تھے۔ کیونکہ آپ کو بھی اس مکروہ اور ضرر رساں عادت کے متعلق تشویش ضرور تھی۔ لیکن چونکہ اسلام کے احکام بند ریج آتے تھے۔ اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی جانی تھی اور یہی متشاء الہی تھا۔

چنانچہ غزوہ اُحُد کے بعد سنہ ہجری کو خدائی احکامات نازل ہو گئے۔ پہلی جگہ سے تمام میں شراب قطعی حرام کر دی گئی۔ لیکن خرید و فروخت جاری رہی۔ جو کہ شہ ہجری میں قطعی طور پر ممنوع قرار دی گئی۔ اور اس سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے علیؓ کو ان چیزوں کی مخالفت فرمادی۔ یعنی ادا مرد و نواحی کے اعتبار سے قطعی حکم سورہ مائدہ میں اترا۔ نیز آپ نے بھی فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ دَرَسُوهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، الْبَيْتَةِ وَالْخَنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ -

یعنی خدا اور اس کے رسولؐ نے شراب۔ مردہ۔ سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔

اگرچہ سورہ بقرہ میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بیشک شراب میں بعض فوائد ہیں۔ لیکن اسکی نقصانات فوائد پر غالب ہیں اور پھر دوسری بار سورہ تہٰ میں فرمایا تھا کہ اسے مومنو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو نمازیں شامل نہ ہو اگر دیکھیں تمہی طور پر ارشاد باری اس وقت ملا جب حضرت عمرؓ نے زیادہ دعائیں کیں۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمادیا۔ اے مسلمانو! شراب اور خمر ناپاک اور ضرر رساں افعال ہیں جن سے شیطان تمہارے اندر عداوت اور دشمنی پیدا کرتا ہے اور ان کے ذریعہ تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے غافل کرتا

ہے۔ پس تم ان چیزوں سے دور رہو یہ اس قطعی حکم کے بعد پھر کیا تھا۔ صحابہ کرام نے نہایت جوش اور رضامندی کے ساتھ اس انسانی عقل کو سلب کرنے والی عادت سے ایسا اجتناب کیا کہ تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم ایک مکان میں جو ابوطحہ انصاری کا تھا بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ شراب پینے میں محو تھے کہ منادی کی آواز آئی کہ شراب طہا حرام کر دی گئی ہے۔ تو ابوطحہ نے کہا۔ اٹھو اور شراب کے ٹکے زمین پر بہا دو یہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن شراب گلیوں میں بہتی نظر آتی تھی کسی شخص نے تحقیق نہیں کی بلکہ فوراً شراب نوشی ترک کر کے اَمْتًا دَصَدَقْنَا پر عمل کیا۔ آج ہر شخص سبقت لے جانے کے لئے تیار ہے۔ اور صحابہؓ اتنا انتظار بھی نہیں کرتے کہ کون چچ کہتا ہے اور کون جھوٹ بلکہ یہ سوچ کر کہ شراب پھر خریدی جاسکتی ہے۔ اگر منادی غلطی پر مبنی ہے۔ لیکن اگر منادی سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ میں رسول خدا کا حکم ماننے میں کسی سے پیچھے رہ جاؤں۔ گویا ہر صحابی صدیق تھا۔ اور دلیل سے حکم ماننے کا منتظر نہیں تھا۔ بلکہ کلمہ صداقت پر ایمان لے آیا تھا۔ پس آج شہدائے ہجری کو صحابہ کرامؓ نے شراب اپنے حلق میں اندھیلنے کی بجائے پاؤں میں روند ڈالی تھی۔ اور نالوں میں بہا کر اس کی ہستی گم کر دی۔

پس شراب نوشی کی وہ عادت جو عرب کی گھٹی میں تھی اور وہ طفیلی جڑھیں جو اخلاق کو چاٹ رہی تھیں۔ ایک قرآنی آیت سے کلمہ ترک ہو گئیں اور کٹ کر نیت و نالود ہو گئیں رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں سلام ہوں کہ آپ نے اس چیز کی جڑھ پر تبر رکھ دیا جو عقل و دماغ کا بے وقوف بنا دیتی ہے۔ آج ان ہستیوں سے جو کسوٹی پر گھس کر اور کھٹالی میں ڈال کر کندن بن چکی تھیں۔ ایسا معاشرہ تیار ہو چکا تھا جو اندرونی طور پر یکسر بدل گیا ہوا تھا۔

اس روحانی سوسائٹی کا ہر ایک شخص خدا پرست با اصول بن کر سامنے آگیا۔ تو یہ تھا رسول خدا کا روحانی انقلاب جس نے شراب کو طہا بے سے یکسر نکال کر امت کو ایسے راستوں پر ڈال دیا جو قرآن و نماز کے نور سے مفر تھے۔ اور اندر سے

ان کے قلب و ذہن کو بدل کرنے کے گردا گرد پیدا کر دیئے۔ اور یہی نصب العین تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر ہمارے پاس آئے تھے۔ وہ جانے سے پہلے سرخرو تھے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

مدینہ کی پہلی مہاجر عورت

ام المؤمنین حضرت ام سلمیٰ

مدینہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والی عورت حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا تھیں یہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی بیوی اور ابوامیہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا اپنا اصلی نام ہند اور باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عامکہ تھا۔ شروع میں انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہ قریش کے ایک معزز گھرانے کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور کے رضائی بھائی عبداللہ بن عبدالمطلب سے ہوا تھا جو ابوطحہ کی بیوی سے شہور تھے نہایت فاضل اور پرانے صحابی تھے بہت بڑے شہسوار بھی تھے۔ حضورؐ کی بہادری اور شجاعت کے معترف اور ان کی بہت عزت و تعریف کیا کرتے تھے۔ بنو اسد کی سرکوبی کے لئے حضورؐ نے ابوسلمیٰ کو ہم ہجری کو روانہ فرمایا تھا۔ مقام قطن پر جنگ تو نہ لڑی۔ لیکن بنو اسد منتشر ہو گئے۔ لیکن ابوسلمیٰ واپسی پر غیر معمولی مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور وہ زخم جو جنگ اُحد میں ان کو پہنچا تھا خراب ہو گیا۔ اور وہ اس طرح وفات پا گئے کہ حضورؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ نماز جنازہ کے بعد صحابہ کرامؓ نے پوچھا۔ یا رسول خدا! سہ تو نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ہزار بڑے مستحق تھے یہ۔

حضرت ام سلمیٰ اس وقت حاملہ تھیں۔ وہ آغاز نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ

جہشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ جب کفار کی ایذا و سانی حد سے بڑھ گئی اور ان کا اپنا ہی وطن ان پر تنگ ہو گیا۔ تو ایسی بہادر خاتون خدا تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر بے یار و مددگار سورت میں جہشہ نکل گئی تھیں۔ وہاں سے انہوں نے دوسری ہجرت کی اور جہشہ سے مدینہ کی طرف تشریف لے آئیں۔ مدینہ میں آنے والی ہاجر خواتین میں سے وہ پہلی خاتون تھیں۔

اتم سلمیٰ کی عدت کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ایک شاعر نبی کی بیوی بننے کی اہل تھیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ایک قدیم صحابی شکی بیوہ تھیں۔ اور پھر صاحب اولاد بھی تھیں۔ اس لئے حضور کو ان کے پسماندگان کا خاص خیال تھا۔ لیکن حضرت ام سلمیٰ نے فرمایا۔ مجھے چند عذر ہیں۔ میں سخت غیور ہوں۔ صاحب عیال ہوں۔ میرا سن بھی زیادہ ہے۔ میں اولاد کے قابل نہیں رہی۔ لیکن چونکہ رسول خدا کی غرض ہی اور تھی اس لئے آپ نے ان زحمات کو گوارا فرمایا اور وہ بھی رضامند ہو گئیں۔ چنانچہ ان کے رڑے سلمیٰ بننے والے ماں کا دینی بن کر ان کو نبی پاک کی زوجیت میں دے دیا۔ چنانچہ یہ تقریب ہم راہجری شوال کی آخری تاریخوں میں انجام پذیر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچی، گھرے اور چمڑے کا نیکہ جس میں مجھور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت فرمائے۔ اور یہی سامان آپ نے باقی بیویوں کو عنایت فرمایا تھا یہ حضرت ام سلمیٰ بہت غیور اور باحیا اور علم و دانش میں بھی ایک ممتاز مقام کی مالک تھیں۔ صلح حدیبیہ میں حضور کے ساتھ تھیں۔ صلح کے بعد آپ نے حکم فرمایا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں۔ لیکن صحابہ اس قدر شکستہ دل تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ دہرانے پر بھی کوئی آمادہ نہ ہوا۔ کیونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے تمام لوگ قدرتی طور پر رنجیدہ تھے۔ حضرت ام سلمیٰ نے حضور سے عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ

بہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے سر کے بال منڈوائیں، جب صحابہ کو اس نے یہ دیکھا کہ آپ نے احرام توڑ دیا ہے۔ اور اب فیصلے میں تبدیلی کے تمام امکانات ختم ہو گئے ہیں۔ تو صحابہ کو اطمینان کا یہ عالم تھا۔ کہ ہر شخص خود ہی اپنی حجامت بنوانے کی خدمت سرانجام دے رہا تھا۔ حضرت ام سلمیٰ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلے کو حل کر گیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ بیشک انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ عورت ہیں لیکن حضور نبی کریم کا ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا جو مدعا تھا وہ انہوں نے نمونہ اور حسن سلوک سے پورا کر دکھایا۔ آپ کو برکتیہ فکر کے لوگوں کو عملی تعلیم دینی تھی۔ تاکہ شاہ و گدا، امیر و غریب، ادنیٰ و علیٰ ہر حیثیت کے لوگ آپ سے فیضیاب ہوں۔ اور ہم نے دیکھا کہ کاشانہ نبوت میں بیک وقت مختلف الخیال مختلف المزاج و حیثیت کی چند بیویاں تھیں۔ کچھ تو رسلئے عرب کی چشم و چراغ تھیں اور کچھ غریب نادار تھیں۔ صاحب جمال تھیں اور صاحب کمال بھی تھیں۔ تیز مزاج بھی تھیں اور حلیم الطبع بھی تھیں۔ گویا آپ نے تمام تر پہلو حل کر کے اپنی امت کے لئے کامل نمونہ رکھ دیا۔ اور اسی طرح امت کی تعلیم و تربیت کا کام اور بھی آسان ہو گیا۔

حضرت ام سلمیٰ سے کتب احادیث میں بہت سی روایات مروی ہیں اور ان کا درجہ بھی ازواج نبی کریم میں دوسرے نمبر پر ہے اور کل صحابہ کو اطمینان میں بارہویں نمبر پر ہے۔ انھیں پڑھنا بھی جانتی تھیں۔ اور فہم و ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ تقریباً چودہ اسی سال کی ہو کر سب ازواج کے اخیر میں فوت ہوئیں۔ باسٹھ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ جہشہ اور نجاشی کے بیشتر واقعات ہمارے پاس ام سلمیٰ سے ہی مروی ہیں۔ عمر بن سعد کی ناداری اور حضرت جعفرؓ کی پُر مغز گفتگو کا نقشہ ام سلمیٰ نے بہت اعلیٰ رنگ میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے:

پہلا امین الامت

حضرت ابو عبیدہ بن جراح

اِنَّ بِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنًا ۚ اِنْ اٰمِنْتُمْ اٰمِنَّا اٰمِنْتُمْ اَلَا مَلِكُ الْاُمَمِ الْاَبُو عَبِيْدَةَ الْجَرَّاحِ۔
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اسے امت ہمارا امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔ یہ وہ خطاب ہے جو سرور کائنات کی طرف سے حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایسے صحابی کو دیا گیا جس کا اسلام لانیوالوں میں آٹھواں نمبر تھا۔ ان کا اصل نام عامر تھا اور باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ لیکن دادا کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ نام سے زیادہ کنیت مشہور تھی۔ اور سلسلہ نسب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچویں پشت سے جانتا تھا۔ بخت نبوی سے پہلے ان کا شمار اُن چیدہ لوگوں میں کیا جاتا ہے جو شراب و جوا سے پرہیز کرتے تھے اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ شعر و شاعری اور فضول گوئی سے اجتناب کرتے تھے۔ زیرک اور صاحب رائے تھے۔ لوگ عموماً ان کو اپنے معاملات میں مشیر مانتے تھے۔ اسلام کا پیغام سن کر ایک دن کی جہلت مانگی اور دل و عقل دونوں سے بخوبی جائزہ لیکر اسلام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اور حضورؐ نے عشرہ مبشرہ کی خوشخبری عطا فرمائی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو خدا تعالیٰ نے تقریباً تمام غزوات میں شمولیت کا شرف بخشا۔ جنگ بدر جو کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا۔ وہ اس میں بھی شامل تھے۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔ یہ جوشیلہ نوجوان مجاہد خدا کی راہ میں نکلا ہوا انسان خداوند رسول کے دشمنوں سے دوستی پر کیسے رضاء مند ہو سکتا ہے۔ جب میدان کا رازدار میں باپ بیٹے کے سامنے ہوا تو حق و باطل کی جھڑپ شروع ہوئی۔ باپ کفر و الحاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اور بیٹا نعل اسلام کا پاس بان تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نوا کی پیاس بجھانے کے لئے بے تاب تھے۔ باپ جو کفر کی طرف سے

قیمت آزمائی کرنے آیا تھا۔ بیٹے پر جھپٹا مگر بیٹا ہر بار طرح دے جاتا رہا۔ لیکن عبد اللہؓ تھے کہ نہ ٹلتے تھے۔ آخر فتح حق کی ہوتی ہے۔ بتوں کا شیدا باپ توحید کے دلدادہ بیٹے کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی :-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (مجادلہ ۲)

کہ مومن خدا اور اس کی رسول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے خواہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں یہی جنت کے مستحق ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔ پس ابو عبیدہؓ وہ شخص ہیں جن سے خدا تعالیٰ ان کی زندگی میں ہی راضی ہو گیا تھا۔ اور انہیں یہ خوشخبری مل گئی تھی۔

اسی طرح جنگ اُحُد میں بھی انہوں نے حصہ لیا اور بعد شوق لیا شروع شروع میں میدان مسلمانوں کے ہاتھوں لیا۔ لیکن چند نفوس کی غلطی سے جیتی ہوئی جنگ بار میں تبدیل ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضورؐ تک زخمی ہو گئے۔ خود کے دندانے رخسار میں پیوست ہو گئے۔ اور دو دانت بھی شہید ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے خود کے ٹکڑے نکالنے کی اجازت چاہی جو ملتے پر انہوں نے اپنے دانت سے ایک ٹکڑے کو کھینچا خود کا ٹکڑا تو باہر آ گیا۔ لیکن ان کا اپنا دانت اکھڑ گیا۔ اور وہ پشت کے بل جا گرے۔ پھر دوسری بار دوسرا ٹکڑا اسی طرح نکالا پھر ان کا دوسرا دانت بھی اکھڑ گیا۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ میں سے یہ سعادت بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو ہی نصیب ہوئی کہ ان کے ہونٹوں نے زندگی میں رسول خدا کے رخسار مبارک کو دو دفعہ مس کیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ میں بھی ان کے دستخط تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی قلب شکر کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ ہی تھے۔ حضورؐ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے جھنڈا عطا فرمایا تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ نے ایشا و فدائیت کے جذبہ سے نوازا تھا۔ ہمیشہ ان کی خدایات حضورؐ کی خوشنودی کا موجب ہوئیں اگر

آپ نے انعام کے طور پر انہیں امین الامۃ کا لقب عطاء فرمایا ہے تو بیشک آپ نے یہ حق ہر لحاظ سے ادا کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے اس برگزیدہ امین کو خدا نے اتنا نوازا کہ ایک دفعہ انہیں غزوہ ٹلائل میں حضور نے ایسے دستے کا امیر بنا دیا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شریک تھے۔ گویا کہ وہ دونوں رفیق البقی البوعبیدہ کی نگرانی و معاونت میں جہاد کر رہے تھے۔

سنہ ہجری میں نجران سے مسیحیوں کا ایک وفد آیا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضور نبی کریمؐ سے مسیح کی الوہیت اور صداقت کی گفتگو ہوتی رہی۔ واپسی پر انہوں نے درخواست کی کہ کوئی "امیوض" ان کے ساتھ بھجوادیں جس پر نبی کریمؐ نے جواب دیا کہ "ہاں میں تمہارے ساتھ حقیقی امین بھیجوں گا" آپ نے یہ تین بار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ منتظر تھے کہ قرعہ فال کس کے نام پر پڑتا ہے۔ حضور نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "ابو عبیدہؓ اٹھو اور ان کو اہل نجران کے ساتھ روانہ فرمادیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ سب سے پہلے وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ناظم بیت المال کا تمام کام انہوں نے سنبھالا تھا۔ حضور نبی کریمؐ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے دو صحابہ کرامؓ کو خلافت کے لئے انصار و مہاجرین کے سامنے پیش کیا تھا۔ ایک ان میں سے حضرت عمرؓ تھے اور دوسرے حضرت ابو عبیدہؓ تھے۔ اگرچہ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپؐ مہاجرین میں سے سب پر فضیلت رکھتے ہیں اور رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ ایسا کونسا شخص ہے جو آپؐ سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہو۔ یہ کہہ کر ان دونوں نے سب سے پہلے آپؐ کی بیعت کر لی۔ گویا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی پہلی بیعت کا شرف بھی انہیں نصیب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "آج ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کرتا۔ اگر خدا مجھ سے پوچھتا تو میں عرض کرتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔"

حضرت ابو عبیدہؓ وہ پہلا شخص تھا جسے راشن بندی کا اجراء کیا۔ وگرنہ اس سے پہلے راشن بندی کا سلسلہ اسلام میں نہیں تھا۔ غزوہ سیف الحیر میں جب یہودین کے پاس راشن ختم ہونے لگا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے سب کچھ ویریں اکٹھی کر کے راشن بندی کر دی۔ ایک ایک مٹھی کچھور ایک صحابی کو روزانہ ملتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہ ہو گئیں تب صحابہ کرامؓ نہ گٹھلیاں چوس چوس کر پانی سے پیٹ بھرتے تھے۔ یا پھر کسے پتے جھاڑ کر کھا لیتے تھے۔ اسی لئے اس لشکر کا نام حبشہ الخطیڑہ لگایا تھا۔ فاتح شام بھی تھے۔ قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا کر غزوہ احزاب دلی بیگونی پوری کرنے کی سعادت بھی انہیں نصیب ہوئی۔ اور اس موقع پر لوگوں نے انہیں اَلْقَائِدُ الْمُتِمِّمُونَ الطَّائِرُ کا خطاب دیا۔ فاتح شام اور خوش نصیب مدینہ سرزمین شام میں شہادت پائی اور وادی بیان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ وفات سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ "اے مجاہدین اسلام! میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں کہ اگر اسے قبول کر دو گے تو ہمیشہ بہتری میں رہو گے۔ نماز باجماعت پڑھنا اور کھانا روزے رکھنا۔ صدقہ دینا۔ حج اور عمرہ کرنا۔ عاجزی اور انکساری اختیار کرنا۔ اپنے امراء کی بھی خیر خواہی کرنا۔ ان سے نیابت نہ کرنا۔ عورتیں ہمیں غافل نہ کریں۔ اور یاد رکھو اگر ہزار سال بھی کسی شخص کو نصیب ہو تو پھر بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو اس وقت میری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے لئے موت مقرر کر چھوڑی ہے۔ زیرک وہ ہے جو اس کا اطاعت کرے اور اس دن کے لئے تیاری کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ امیر المؤمنین کو میرا سلام پہنچاؤ۔ اور عرض کرنا کہ میرے ذمہ کوئی امانت باقی نہیں۔ یہ کہیں نے اس کی نگہداشت نہیں کی۔ اور ادا کر دی ہے۔ یہ کہ ان کی وفات پر معاذ بن جبلؓ نے کہا تھا۔ اے لوگو! وہ شخص دنیا سے رخصت ہو گیا جس سے زیادہ پاک و صاف دل اور کینہ سے مبرا دل با حیا خیر خواہ میں نے کوئی نہیں دیکھا"۔

پہلی صلوٰۃ الخوف

جنگ کے ذاتی الرقاع - شہزاد بھری

شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبیوں کی امامت عطا ہوئی اس برکت والی رات سے لے کر آخری سالوں تک آپ نے نماز کو اپنی محبوب ترین چیز کی طرح سینے سے لگائے رکھا اور اتنا سنوار کر ادا فرمایا کہ ہر عباد میں آپ نے خدا کو دیکھ لیا۔ اور حقیقی عبادت اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے دن تک آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی غذا رہی۔ سفر و حضر۔ رنج و خوشی اور جنگ و امن ہر ساعت و لمحہ آپ نے نماز کو جعلت قرة عینی فی الصلوٰۃ ہی فرمایا۔

ذات الرقاع پہلی جنگ ہے جس میں رسول خدا نے پہلی بار صلوٰۃ الخوف ادا کی تھی یہ غزوہ بنو نضیر کے بعد رسول کریم چند ایام مدینہ میں ٹھہرے اور بصر قبیلہ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو غلفان کے ساتھ جنگ کے ارادے سے نجد کا رخ کیا۔ ابوذر غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ مقام نخل میں آپ نے ڈیرے ڈال دیے اور جنگ ذات الرقاع کی ابتداء ہوئی۔ اسے ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جھنڈوں کو پوند لگے ہوئے تھے۔ یہاں حضور کو بہت سے قبیلوں کا سامنا تھا جن کی جمیعت بڑی تھی۔ اگرچہ جنگ کی نوبت نہیں آئی پھر بھی ایک دوسرے سے خوف اور اندیشہ اس حد تک تھا کہ رسول پاک نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے نماز ادا کی جس کا طریق کار یہ تھا کہ ”جاہل بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔ اس وقت دوسرا

گروہ آیا اور آخری دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔

مؤرخین نے اپنے اقوال کا الگ الگ ذکر کیا ہے مگر قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نماز خوف میں امام کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک گروہ

کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل پر متعین رہتا ہے۔ امام پہلے گروہ کو رکوع و سجدہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھا دیتا ہے پھر گروہ پیچھے ہٹ کر دشمن کے لئے صف آراء ہو جاتا ہے اور دوسرا گروہ خدا کے لئے صف بنالیتا ہے۔ اور دوسری رکعت مکمل کرتا ہے۔ اس طرح ہر گروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ کر نماز پوری کر لیتا ہے اور ایسے دو رکعت قصر نماز یعنی صلوٰۃ الخوف تمام فوج ادا کر لیتی ہے اور اگر لڑائی پورے زور و شور پر ہو تو ہر سپاہی کو اپنی اپنی جگہ اشارات سے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ سیدل۔ لیٹے ہوئے۔ بیٹھے ہوئے، شت باندھے ہوئے۔ ہر حال میں نماز کی ادائیگی واجب اور فرض ہے۔

چونکہ جنگوں میں عموماً فوجیں توپ، تلوار، تیرو سنان سے ہر طرف طوفان برپا کر رہی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسے میں نماز کا سوچنا مجاہد کی شان کی عظمت و بلندی کا مظاہرہ ہے۔ اسلام کی جنگوں میں سپاہی تو شجاعت و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابل میں ہوتے ہیں۔ لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی ہے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا و زاری اور ذکر الہی میں مصروف ہوتا ہے۔ عموماً جنگوں میں سپہ سالاروں کو سپاہیوں کی قوت و بازو پر نماز ہوتا ہے۔ مگر اسلام کے قائد اعظم کو صرف اور صرف خدا کے ذوالجلال کی قوت پر نماز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان میں فوجیں مرتب کیں۔ لیکن اصلی توکل اور اعتقاد خدا کے ذوالجلال پر ہی تھا۔

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ذات الرقاع جسے غزوہ نجد بھی کہتے ہیں شہزاد بھری کو یہ حکم نازل فرمایا :-

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقِمْ لَهُمُ الصَّلَاةَ... وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ
وَأَسْلِحَتْ لَهُمْ

پہلی نقل مکانی

مِنْ دِيَارِهِمْ لَا قَوْلَ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا -

(سورۃ حشر)

سورہ حشر پوری کی پوری بنو نضیر کے بارے میں ہی اتنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں اور خفیہ سکیموں کا بہترین انتقام لیا۔ اور وہ لوگ جو رسول خدا کو ہر ممکن نقصان دینے پر آمادہ تھے۔ اور شرارت میں دلیر ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں مغلوب کیا اور اپنے پیارے نبیؐ کو غلبہ عطا فرما کر ثابت کر دیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی جگہ سے ان کے پاس پہنچا جہاں کا انہیں خیال ہی نہیں تھا۔ اور ان کے دلوں میں مرعوبیت پیدا کر دی۔ مسلمان اپنے آبائی ملک مکہ سے تو باہر آئے ہی تھے۔ یہاں بھی یہودی قبیلوں اور منافقین نے امن کی زندگی بسر کرنے نہ دی۔ اندر ہی اندر قریش سے مل کر فتنے کھڑے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ رسول خداؐ اپنے چند صحابیوں کو لے کر بنو نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے۔ آپ ایک مکان کے سایہ میں دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے تھے کہ بنو نضیر کے باہم مشورہ سے ایک شخص عمرو بن حجاب بنو نضیر سے ایک بہت بھاری پتھر لے کر مکان کے اوپر چڑھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ پتھر اوپر سے لڑھکا کر آپ کو نقصان پہنچاتا۔ کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہود کے اسی بدارادہ سے مطلع فرمادیا۔ اور آپ جلدی سے وہاں سے اٹھ آئے اور سیدھے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ یہ خفیہ سازش اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دی۔ وگرنہ بنو نضیر واقعہ جمیع اور بڑے معونہ کی طرح دردناک داستان ایک دفعہ پھر دہرانے لگے تھے آپ اس وقت حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس وقت رسول خداؐ نے قبیلہ اوس کے ایک رئیس محمد بن سلمہ کو بلا کر فرمایا کہ تم بنو نضیر سے

کو کہ وہ اپنی شرارتوں میں بڑھ گئے ہیں۔ اور ان کی غداری انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اب ان کا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور انہوں نے ان کو دس دن کی میعاد بھی دی۔ لیکن جب صحابہ کرامؓ پر اس سازش کا انکشاف ہوا۔ تو وہ متفکر ہوئے۔ محمد بن سلمہ کے جانے پر ان لوگوں نے کہلا دیا۔ کہ محمدؐ جو چاہتا ہے کرے۔ ہم مدینہ سے نکلنے کے لئے تیار نہیں۔ آپؐ نے بے ساختہ کہا اللہ اکبر یہود تو جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اور رسول خداؐ سے یہودیوں کیلئے تیاری کر لینے اور ان کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ پر ابی بن مکتوم کو عامل مقرر فرمایا۔ اور آپ بنو نضیر کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئے۔ اور زوڈال دیا۔ آپ نے ان کا چھ رات تک محاصرہ جاری رکھا۔ اور ان کے دروازے کو کہلا بھیجا کہ تمہاری روز روز کی غداریوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم ان کی زندگی بسر کرنے نہ دو گے اور نہ خود امن سے رہو گے۔ لہذا از سر نو معاہدہ کر کے مجھے یقین دلاؤ کہ آئندہ تم بدعہدی اور غداری نہیں کرو گے لیکن بنو نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے ایک آگ سی مگی ہوئی تھی۔ آخر یہودی قلعہ بند رہے اور مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں اترنے کا حوصلہ نہ کیا۔ گو کہ عبداللہ بن ابی سلول نے بنو نضیر کے دروازے کو کہلا بھیجا کہ تم مجھے رہو اور ڈٹے رہو۔ ہم تمہیں بے مدد نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے یہ جب محاصرہ طویل کھینچا تو سرور کائنات نے ارشاد فرمایا کہ وہ درخت جو جنگلی کھجوروں کے پتوں کاٹ دیئے جائیں تاکہ ان درختوں کو کٹنا دیکھ کر بنو نضیر مرعوب ہو جائیں۔ اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیں۔ تاکہ چند معمولی قسم کے درختوں کے نقصان سے جانی نقصان نہ ہو اور فتنہ و فساد کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ یہ تدبیر لاکھ ہوئی۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے منشاء کے مطابق سفید قسم کی کھجور کا درخت کاٹے تو انہوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔ ابن اسحاق سے روایت ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت کاٹے اور ان میں آگ لگانے کا حکم دیا تو اسیر یہودیوں نے پکارنا شروع کیا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم تو فساد سے منع کرتے تھے۔ اور جو فساد کرے اس کی مذمت کرتے تھے۔ اب یہ درختوں کا کاٹنا اور ان میں آگ لگانا یہ کیا ہے؟" لیکن جیسے قرآن مجید میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ صرف بعض درخت اور وہ بھی سفید قسم کے درخت کاٹنے کی اجازت تھی۔ اور باقی درختوں کو محفوظ رکھنے کا حکم تھا۔ یہود نے پندرہ دن کے عمار کے بعد قلعے کے دروازے کھول دیئے اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا ساز و سامان لے کر امن و امان کے ساتھ چلے جانے دیا جائے۔ انہوں نے کہا "کہ خون نہ بہایا جائے۔ شرط یہ ہو کہ وہ اسلحہ زرہ وغیرہ کے سوا اپنے اونٹوں پر جو مال و متاع لا کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ چنانچہ رسول خدا نے یہ بات منظور فرمائی۔ اور یہود کی حالت یہ تھی کہ مکان گر کر دروازوں کی چوکھٹوں تک اونٹوں پر لا دلا کر لے جا رہے تھے۔ اپنا تمام کا تمام سامان اپنے ساتھ کر لیا۔ اور بخیر و عافیت بال بچوں کے ساتھ نقل مکانی کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ پہلے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ یہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر طاری ہوا۔ حالانکہ منافقوں کی شرانگیزی اور درپردہ امداد بہت کافی تھی۔ ابن اسحاق سے عبد اللہ بن ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ یہودیوں نے جب اپنا ساز و مال و متاع لا دیا تو ان کے ساتھ دغیں اور مزامیر بھی تھے۔ ان کے غلام پیچھے پیچھے گاتے اور شور مچاتے جا رہے تھے۔ اور یہ دن جس دن کہ یہود جلا وطن ہوئے سکہ ہجری ماہ ربیع الاول تھا یہ غیر منقولہ جائیداد باغ اور سامان حرب مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو رسول خداؐ نے ہاجرین میں تقسیم فرما دیئے لیکن انصار میں یہ مال تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ سہل بن حنیف ابو دجانہ سماک کے افلاس کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں غایت کر دیا گیا تھا۔ یامین بن عمیرہ اور ابوسعید بن وہب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے بنو نضیر

سے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ وہ شام کی طرف چلے جائیں۔ لیکن ان کے بعض سردار سلام بن ابو الحقیق اور حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع وغیرہ وغیرہ یہود بستی خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور خیبر والوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی کہ انہیں نئے فتنے شروع کر دیئے۔

رسول خداؐ کو وہ منصوبہ جو پتھر پھینکنے کا بنو نضیر کے یہود نے بنایا تھا بت گراں گذرتا تھا۔ آپؐ نے ایک دن یامین بن عمیرہ سے کہا تھا کہ "یا یامین مارے چچیرے بھائی عمر دین حجازش نے مجھ سے کیسا سلوک کیا تھا۔ اور کیا ارادہ تھا۔" اگر خدا تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو بہت قبیح ارادہ تھا۔ انہیں معلوم ہے کہ رسول خداؐ کی اس باپ پر یامین بن عمیرہ نے اجرت پر ایک اونٹ کو تیار کر لیا کہ وہ عمر دین حجازش کو قتل کر آئے۔ اس کی غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ چنانچہ وہ اس آدمی کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

پہلا آسمانی نکاح

اُمّ المؤمنین حفصہ زینب بنت جحش
شہ ہجری

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا بِكَی لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ مَرَأًى مَّقْضُوعًا ۝ (سورۃ احزاب ع)

حقیقت میں اس نکاح کا سبب قرآنی وحی بنتی ہے جسے رسول خدا حضرت حفصہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب بنت جحش رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہوئے خدا تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا: "جب زیدؓ نے زینبؓ سے قطع تعلق کر لیا تو ہم

نے زینبؓ کی شادی تیرے ساتھ کر دی۔ تاکہ مومنوں کے لئے اپنے منہ بوسے بیٹے کی مطلقہ بیوی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی روک نہ رہے۔ بعد اس کے کہ وہ منہ بوسے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کر لیں۔ اور خدائی کا یہ حکم اس طرح ہی پورا ہونا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اُجاگر کیا جس کی ایک قدیم اور بڑی رسم منسوخ ہو چکی۔ عرب کی سرزمین میں یہ رسم راسخ تھی کہ کوئی بھی مطلقہ سے شادی نہیں کرتا تھا۔ اور منہ بوسے بیٹے کی بیوی حرام خیال کی جاتی تھی۔ آپؐ نے اپنا ذاتی نمونہ پیش کر کے امت کو بتا دیا کہ اگر منہ بوسے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کریں تو ان سے شادی کرنے میں کوئی روک نہیں رہتی۔ پس اس شادی کی غرض دیگر مقاصد کے علاوہ عرب کی جاہلانہ رسم کو مٹانا بھی تھا۔

ہجرت کے پانچویں سال شعبان کے مہینے میں یہ شادی مبارک عمل میں آئی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اسمیہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ طبیعت کے لحاظ سے بہت متقی اور پرہیزگار تھیں۔ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ میں نے زینبؓ سے نیک عورت نہیں دیکھی۔ وہ بہت متقی۔ بہت راست گو۔ بہت صلہ رحمی کرنے والی۔ بہت صدقہ و خیرات کرنے والی اور نیک اور تقرب الہی کے اعمال میں نہایت سرگرم تھیں۔ بس اتنی بات تھی کہ ان کی طبیعت ذرا تیز تھی۔ مگر تیزی کے بعد وہ جلد ہی نادم ہو جایا کرتی تھیں۔ صدقہ و خیرات میں تو ان کا مرتبہ تھا کہ کوئی بیوی بھی مقابلہ نہیں کر سکی۔ اپنے جاہ و جلال اور خاندانی بلندی کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت برتر خیال کرتی تھیں۔ یعنی کسی قدر برائی کا احساس انہیں ضرور تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث کے ساتھ کر دی تھی۔ گو وہ پہلے ناپسند کرتی تھیں۔ مگر بعد میں حضورؐ کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے رضا مند ہو گئیں۔ لیکن شادی کے بعد بھی ان کی طبیعت میں سے احساس برتری ختم نہ ہوا۔ مگر وہ خاموش اپنے اس احساس کو دباتی رہیں۔ اور

زیدؓ بن حارث ان کی اس مخفی خلش کو محسوس کرتے تھے۔ اور انہیں اپنی پوزیشن کا احساس شدت سے تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے رسولؐ کو یہ کہہ کر ان کی درشتی مزاج کی شکایت کی اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارث کو طلاق دینے سے منع فرمایا۔ اور اپنی طرف سے سلجھاؤ کی ہر ممکن کوشش بھی کی۔ آپؐ نے منہ بوسے بیٹے کا تقویٰ اختیار کر جس طرح بھی ہو سکے نبھاؤ کی کوشش کر دی۔ فرمایا:۔
اَمْسِكْ عَلَيْنِكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ”حلال چیزوں میں سے طلاق خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔“ چونکہ حضرت زیدؓ اپنے آقاؐ کی نصیحت پر جان و دل قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے اپنے تقویٰ کی بناء پر خاموش ہو گئے۔ لیکن اگر طبائع میں میلان نہ ہو تو مزاجیں کم و بیش ہی ملتی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت زینبؓ کی عمر پینتیس سال تھی۔

آپؐ بہت حد تک غیر جانبدار اور غیر متعلق رہے۔ مگر آپؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو چکی تھی۔ کہ آپؐ کے نکاح میں زینبؓ ضرور آئے گی۔ مبادا کمزور لوگوں کو اعتراض ہو کہ منہ بوسے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ آپؐ خاموش رہے۔ لیکن آخر عدت کے ختم ہونے پر آپؐ نے انہیں زیدؓ کے ہاتھ ہی بیغام بھیجا تو ان کے بھائی احمد بن حنشل نے ان کی طرف سے ولی ہو کر چار سو درہم میں رسولؐ خدا کے ساتھ نکاح کر دیا۔ چونکہ یہ شادی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت زینبؓ اکثر غم سے کہا کرتی تھیں۔ کہ ان کا نکاح آسمان پر خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے ہوا تھا۔ مگر دوسری اہمات المؤمنین کی شادیاں ظاہری رسوم کے مطابق ہوتی تھیں۔ یہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ یہ ایک ایسی شادی تھی جو ایک امتیازی رنگ رکھتی تھی یعنی اس میں منشاء الہی بھی شامل تھا۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں اس شادی کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ تَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ۔

یعنی اسے نبیؐ تو لوگوں سے خائف ہوتا ہے حالانکہ صرف ہم ہی اس بات کے حقدار

ہیں کہ ہم سے ڈرا جائے۔ اس کے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا حضرت زینب سے شادی کرنے سے خائف تھے۔ کہ منافقوں اور کمزور ایمان والوں کے مطالب سے بچیں۔ اور حتی الوسع ٹالتے رہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو اس طرف مائل کیا اور تاکید فرمائی کہ یہ شادی کرنے سے آپ اپنی امت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں گے تا آئندہ قیامت تک لوگ مطلقہ سے شادی کرنے سے گریزاں ہوں اور آپ کا یہ عمل بطور سنت رسول تا قیامت زندہ رہے۔ چنانچہ منافقوں نے بہت شور کیا۔ اور کمزور ایمان والے لوگوں نے جھوٹے بے بنیاد پراسیگندے کئے۔ مگر خدائی طاقت کے سامنے انسانی طاقت بے حقیقت چیز ہے۔ وکان امر اللہ مفعولاً چونکہ اس نکاح سے عرب کی جاہلانہ رسم توڑنا مقصود تھی۔ اسلئے آپ نے بہت بڑے پیمانہ پر دعوت دلیلیں کی۔

حضرت زینب بہت خیر عورت تھی۔ حضرت عائشہؓ ان کے ذاتی تقویٰ اور طہارت کی بہت مداح تھیں۔ یہ وہی خوش نصیب ام المؤمنین ہیں جن کے متعلق رسول خدا نے فرمایا تھا کہ ”تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے وہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچے گی۔“ اس پر سب بیویوں نے اپنے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن حضرت زینبؓ کی وفات پر یہ عقدہ کھلا کہ یہ ہاتھوں کے لمبا ہونے سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والے ہاتھ ہیں ۛ

پہلی عورت کی خدائی بریتے

واقفہ افک اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رحمۃ اللہ علیہا

بنو مطلق کے محاذ پر جاتے وقت قرعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام نکلا۔ حضور نبیؐ پاکؐ کی یہ عادت تھی کہ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے۔ اس دفعہ قرعہ چونکہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا تھا اس لئے وہ جنگ بنو مطلق میں ساتھ تھیں۔ واپسی پر قاندہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے منزل کی۔ اور رات کا کچھ حصہ اس منزل میں گزارا۔ بعد ازاں روانگی کا اعلان فرمایا اور لوگ ردا تہ ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔ واپسی پر ان کے گلے کا ہار جو کہ موتیوں کا تھا ٹوٹ گیا۔ وہ ہار کی تلاش میں واپس وہیں گئیں اور ہار مل گیا۔ لیکن ہار پا کر جب واپس آئیں قاندہ جا چکا تھا۔ اور خادم نے یہ سوچ کر کہ آپؐ کجاوے کے اندر ہی ہودج میں تشریف فرما ہیں (کیونکہ آپؐ بہت ہلکی اور نازک تھیں) کجاوہ کسا اور اونٹ کا سر پوکر کھڑا کر دیا اور چل پڑا۔ اس لئے ذرہ برابر شک نہ ہوا کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :-

”اب جو لشکر گاہ واپس آئی تو یہاں نہ کوئی بلانیا والا تھا نہ جواب دینے والا۔ سب جا چکے تھے۔ میں اپنی چادر لپیٹ کر اسی جگہ بیٹ گئی۔ سوچا کہ جب میری تلاش ہوگی تو میں کوٹ کر آئیں گے۔ پھر خدا کی قسم میں لیٹی ہوئی تھی کہ صفوان بن معطل سلمیٰ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ وہ اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی چیز نہ پڑی ہے۔ وہ آگے آئے اور میرے پاس آکر رُک گئے۔ پردہ عائد ہونے سے پیشتر انہوں نے مجھے دیکھا تھا جب انہوں نے

نے دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھ کر کہا "اے یہ تو رسول خدا کی خاتون ہیں۔ پھر میں اپنی ہی چادر میں لپیٹی رہی۔ انہوں نے پوچھا "آپ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں خدا آپ پر رحم کرے۔" مگر میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر انہوں نے اپنا اونٹ مجھ سے قریب کر کے کہا "اس پر بیٹھ جاؤ" اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ میں بیٹھ گئی انہوں نے اونٹ کا سر پکڑ کر کھڑا کیا اور جلد سے جلد چلے تاکہ لشکر کو پکڑ لیں مگر خدا کی قسم ہم ان لوگوں کو نہ پکڑ سکے اور نہ ہی کسی نے مجھے تلاش کیا۔ اب صبح ہو گئی تھی۔ اور لوگ پہنچ کر ٹھہر چکے تھے۔ اس کے بعد صفوان مجھے لے کر پہنچے۔ پھر جو افک نے کیا وہ معلوم ہے۔ لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اور خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا معاملہ ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ اس عرصہ میں بہت متفکر اور دلیگیر رہیں۔ کیونکہ رسول خدا کی لطف و عنایت جو پہلے تھی اب اس حد تک نہ تھی۔ آپ کا رویہ کچھ بدلا ہوا۔ پاکر حضرت عائشہ کا متفکر ہونا لازمی امر تھا لیکن خدا کا محبوب رسول خدا سے دعا گو بھی ضرور تھا۔ ان کی دعاؤں کا ماحصل یہی ہوتا کہ خدا تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے اصل حالات کو عیاں کر دے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن حباب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا۔ کیونکہ وحی کے نزول میں وقفہ پڑ گیا تھا۔ ہر دو نے یہی مشورہ دیا کہ عائشہ آپ کی بیوی ہیں یا رسول اللہ! یعنی جو خدا نے آپ سے منتخب کی ہیں وہ یقیناً آپ کے اہل ہوں گی۔ اور ہم تو عائشہ کے متعلق سوائے نیکی کے کچھ نہیں جانتے۔ ملازموں نے بھی آپ کی بیوی حضرت عائشہ کے حسن اخلاق کی تعریف کی اور کہیں بھی شک کی گنجائش ظاہر نہیں کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی "مجھے میرے اہل کے بارے میں بہت دکھ دیا گیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا سدباب کر کے اور خدا

کی قسم مجھے تو اپنی بیوی کے متعلق سوائے خیر و نیکی کے کوئی اور علم نہیں ہے۔ اور جس شخص کے متعلق الزام لگاتے ہیں۔ اس میں بھی میں نے خدا کی قسم ہمیشہ خیر ہی دیکھی ہے۔" صحابہ کرام بھی اس فضول تراشی سے نالاں تھے۔ افک کے ملزموں کی گردنیں اڑانے پر آمادہ تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں خود اپنی نظر دلا میں سب سے زیادہ حقیر ہو گئی تھی۔ اور اس لحاظ سے کہ میرے بارے میں کچھ قرآن مجید میں اترے جو سجدوں میں تلاوت کیا جائے۔ بہت کم تر سمجھتی تھی۔ البتہ یہ امید ضرور تھی کہ رسول خدا کوئی چیز خواب میں ضرور دکھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ میرے حق میں ان سب چیزوں کی تکذیب کر دے گا۔

بہت دنوں کے بعد ایک دن رسول کریم ان کے پاس تشریف فرما تھے اور ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی بطور ہمدردی رو رہی تھی کہ حضور نے کلمہ تشہید پڑھا اور خدا کو یاد کیا۔ پھر حضرت عائشہ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ "عائشہ! مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ ضرور تمہاری بریت کرے گا۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ اور اس کی طرف جھکو۔ کیونکہ جب بندہ خدا کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوا جھک جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ رسول خدا کی اس تقریر کے بعد حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے۔" چنانچہ خدا تعالیٰ نے آپ کو برأت کی بشارت عطاء فرمائی۔ اور آپ پر وحی نازل ہوئی اور باوجود سردی کے پسینہ کے قطرے آپ کے چہرہ پر اس طرح بہہ رہے تھے جیسے چاندی کے ٹکڑے موتیوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آپ نے پیشانی سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا۔ عائشہ! خوشخبری سن لو خدا تعالیٰ نے تمہاری بریت صاف ظاہر کر دی ہے۔ حضرت عائشہ کی والدہ بے اختیار ہو کر بولیں۔ عائشہ اٹھو! اور رسول خدا کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ میں

کیوں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میں تو صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس نے میری بریت ظاہر فرمائی ہے۔

حسان بن ثابت بھی اس منافقین کے گروہ کے ایک فرد تھے اور ایسے ہی عبداللہ بن ابی سلول بھی شامل تھے۔ یہ کس قدر خطرناک فتنہ تھا جو منافقین کی طرف سے کھڑا کیا گیا۔ اس میں صرف ایک پاکدامن اور نہایت درجہ متقی اور پرہیزگار عورت کی عصمت پر ہی حملہ کرنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر ان کی غرض یہی تھی کہ بانی اسلام رسول خدا کی عزت کو برباد کریں۔ اور سوسائٹی میں ایک خطرناک بچل پیدا کر دیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پلید پر اپیگنڈے سے الجھا کر ٹھوکر کا موجب بنائیں۔

ولیم مورخین اسلام بھی لکھتا ہے کہ :-

”عائشہؓ کی قبل اور بعد کی زندگی بتاتی ہے کہ وہ اتہام سے

بری تھیں۔“

پس خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ایک عظیم عورت کی بریت منہ ماکر عورتوں کی عظمت قائم کی اور عورتوں کے مدارج بلند کر دیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ :

پہلا مرتد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔

(سورۃ مائدہ آیت ۵۵)

تیرہ سال تک ظلم و ستم کے جو پہاڑ مسلمانوں پر قریش مکہ نے توڑے تھے۔ وہ چشم ملک نے کبھی کہیں نہیں دیکھے ہوں گے۔ لیکن مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ اتنا پکا تھا کہ اردوں کے نیچے بھی وہ ڈل گئے نہیں بلکہ مصائب پر صبر اور استقامت کا وہ نمونہ دکھاتے رہے کہ اُن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف جو کہ بہت ممتاز اور منفرد ہستی تھے نے رسول پاکؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ جب ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن اب ہم مسلمان ہیں تو کمزور و ناتواں ہو گئے ہیں۔ آپؐ ہمیں جنگ کی اجازت دیجئے۔ لیکن آپؐ نے صبر و عفو کا حکم دیا۔ پس خدا تعالیٰ نے آپؐ کو صحابہ بھی صابر و شاکر دیئے تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک برجہی کے تلے بھی آخِذٌ خِذٌ پکارتا تھا۔ پس صحیح روایات سے ہمیں مصائب سے ڈر کر ارتداد کی راہ اختیار کرنے والی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ ہاں البتہ چند بدنصیب شک و شبہات کا شکار ضرور ہوئے تھے اور وہ گنتی میں ایک یا دو تھے۔ پس یہ قلیل نفری بھی ڈر کر نہیں بلکہ شک کی زد میں آکر اسلام سے منحرف ہوئے۔ اور مرتد ہو کر اپنا دین و دنیا کھو بیٹھی۔

یوں تو ارتداد کا سلسلہ ہر نبی کے زمانہ میں واقع ہوتا ہی آیا ہے۔ آپؐ کی مکی زندگی میں کہیں بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ارتداد نے شکل دکھائی ہو۔ البتہ مدنی زندگی میں ایک دو مسلمان اپنے قدموں پر لوٹ گئے تھے۔ اور وہ بھی ڈر کر ہرگز نہیں۔

کیونکہ ہر شخص اسلام میں داخل ہونے سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کا جو حشر ہوتا تھا۔ وہ دیکھ کر ہمت کر کے آگے بڑھتا تھا۔ وہ مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر داخل اسلام ہوتا تھا۔ پس مصیبتیں کسی شخص کو اسلام سے پھیر نہ سکیں ہاں طبیعت کی کمزوری اور بعض اوقات کم ہمتی تھی جس سے ایمان کی چنگاری چمک چمک کر بجھ جاتی تھی۔ اور بالآخر اندھیرے کو قبول کر لیتی تھی۔ اور روشنی کی کرنوں سے دور ہو جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک بد نصیب جو اسلام کے حلقہ میں شامل ہو کر بیزار دین ہو گیا تھا۔ وہ تھا عبداللہ بن جحش لیہ

وہ شخص شروع شروع میں بت پرستی سے بیزار تھا۔ قریش کے ایک مخصوص دن میں اس نے بت پرستی سے تائب ہونے کا عہد بھی کیا تھا۔ قریش ہر سال ایک ایسا دن منایا کرتے تھے جس دن وہ ایک بت کے پاس جمع ہو کر اس کی عزت و تعظیم کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ ایسے ہی ایک عید کے دن پوجا پاٹ کی بجائے چار دوستوں نے خفیہ گفتگو کی تھی کہ "آؤ ہم مل کر عہد کریں کہ ہم سچائی پر قائم رہیں گے اور علم حاصل کریں گے اور لوگوں کی بھلائی کے لئے قربانیاں دیں گے"

یہ چاروں دوست زید بن عمرو۔ ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن جحش اور عثمان بن الحویرث تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ علمائے دین تھے۔

چاروں بت پرستی سے بیزار تھے۔ اور طبعی محسوس کرتے تھے کہ ہماری قوم سچائی اور راستی پر نہیں ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بت بے جان لاشے دستِ انسانی کا شاہکار ہیں۔ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہمیں دینِ ابراہیمی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ وہ خفیہ طریق دین کے متلاشی تھے۔ عبداللہ بن جحش حضور نبیؐ یا ایک کا بھوچھی زاد بھائی تھا۔ وہ سمیع بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا جو عالم دین بھی تھا۔ اس نے ساری عمر علماء سے علومِ کتبہ حاصل کرنے میں صرف کردی تھی۔ اور بہت کچھ حاصل بھی کر لیا تھا۔ لیکن شکوک کے میدان

سے باہر نہ نکل سکا۔ شرح صدر اسے کہیں بھی حاصل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آگیا کہ اس کی متزلزل بصارت کو اسلام کے نور نے روشنی عطاء کی لیکن چونکہ طبیعت میں انقباض زیادہ تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ان کرنوں سے متاثر نہ رہ سکا۔ بلکہ دوبارہ انہیں اندھیروں میں جا گودا جہاں سے وہ آیا تھا۔ عبداللہ بن جحش کی بیوی ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں مسلمانوں کے ساتھ وہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ حبشہ جا کر عبداللہ بن جحش نے پھر نصرا نیت اختیار لی۔ اور اسلام سے الگ ہو گیا اور یہ بد نصیب شخص اسی حالت میں مر گیا۔ وہ شخص جب کبھی رسول کریمؐ اور صحابہ کرام کے پاس سے گزرنا تو یہی بتا ہوا گزرتا کہ ہم نے تو آنکھیں کھول دی ہیں اور تم ابھی چندھیائے ہوئے ہو۔ یعنی ہم نے تو عینائی حاصل کر لی ہے۔ اور تم ابھی ٹٹول رہے ہو۔

عبداللہ بن جحش کی وفات کے بعد رسول اکرمؐ نے ام حبیبہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں نوازتے ہوئے ام المؤمنین بنا دیا۔ رسول خداؐ نے ام حبیبہؓ کے متعلق نجاشی والی حبشہ کے پاس عمر بن امیہ ضمیری کو روانہ کیا کہ پیغام روانہ کیا تھا۔ تو نجاشی نے یہ پیغام انہیں پہنچا دیا۔ جو انہوں نے قبول کر لیا۔ اور اس طرح آپؐ کا نکاح ام حبیبہؓ کے ساتھ نجاشی نے چاہو تو ہم حق مہر پر پڑھایا اور خود اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ام حبیبہؓ کے اہل خالد بن سمیدہ تھے۔

پہلا منافق

عبداللہ بن ابی سہل - رئیس المنافقین

عبداللہ بن ابی سہل منافقوں کا سرغنہ تھا اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سہل نہ صرف منافق تھا بلکہ واقع افک کا بھی مجرم تھا۔ اور یہ الفاظ والذی توئی کبیرۃ اسی کے لئے ہیں جب رسول خدا مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی سہل دہان کے باشندوں کا سردار تھا۔ وہ قوم کا اعلیٰ ترین آدمی قرار دیا جاتا تھا۔ اس کی قوم کے دو آدمی بھی اس کی برتری کے متعلق اختلاف رائے رکھنے کے مجاز نہیں تھے۔ اگرچہ اوس و خزرج کے قبیلے ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ لیکن صرف یہی ایک شخص تھا جو دونوں کو ہم آہنگ کر چکا تھا۔ انہیں دونوں میں خدا تعالیٰ نے مدینہ میں اسلام کا ظہور کیا۔ جبکہ اس کی قوم نے ابی سہل کے لئے تاج تیار کر لیا تھا۔ تاکہ پہنا کر اسے حاکم بنائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت رسول خدا کی آمد اور اسلام کے غلبے سے لوگوں کے دل لازماً ابی سہل سے پھر گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں اس کے دل پر ایک کینہ کا جذبہ اجاگر ہونا ضروری تھا۔ وہ خیال کرنے پر مجبور ہو گیا کہ حکومت مجھ سے اسلام نے چھین لی ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ اسلام کے سوا چارہ نہیں تو خود بھی وہ چاروں چار اسلام میں داخل ہو گیا۔ لیکن نفاق د کینہ پر جبار رہا۔ اور دل سے کافر رہی رہا۔ چند ایک منافقین جو مشہور تھے ان کا ہر میدان میں ساتھ دیتا رہا۔ اور اس طرح منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی۔ مثلاً حاطب بن امیہ جس کا بیٹا یزید بن حاطب مسلمان ہوا۔ مسجد ضرار کا بانی ابو جہلیہ بن الازعر۔ حنظل بن ہارث اوس بن قبیلہ جس نے رسول خدا سے جنگ خندق کے دن کہا تھا کہ ہمارے گھر

محمود عربیوں ہیں، ہمیں جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے کہ گھروں میں جاؤں۔ جنگ احزاب میں اس کے متعلق قرآن میں اشارہ ہے، اِنَّا بِيَوْمِنَا لَنَكُونَنَّ. عبداللہ بن ابی سہل ہی وہ شخص ہے کہ جو بنی نضیر کو تھوٹے مشورے کرتا تھا۔ بنو نضیر کے محاصرہ میں انہیں خفیہ خبریں دیتا۔ اور پھسلاتا کہ تم رہو۔ یہی وہ لوگ تھے جو انہیں کہتے تھے کہ اگر تم نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تم سے ساتھ مل کر نکل پڑیں گے۔ اگر کوئی تم سے جنگ کرے گا۔ تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک دن رسول خدا مجھے اپنے ساتھ لے کر سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ راستے میں آپ کا گزر عبداللہ بن ابی سہل کے پاس سے ہوا۔ اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے مناسب خیال نہ فرمایا کہ یونہی بغیر ملے چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے اسے اور سلام کیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اللہ تعالیٰ جانب دعوت دی اور پرہیزگاری کی تلقین کی۔ ابی سہل چپ رہا اور کوئی بات نہ کی۔ رسول خدا نے جب تمام بات ختم کر لی تو بولا۔ جناب! آپ کی باتوں سے بہتر کوئی بات نہیں اگرچہ قطعی سچی ہیں۔ لیکن اپنے گھر بیٹھے جو شخص ان کو مٹنے کے لئے آئے اس سے بیان کیجئے۔ جو آپ کے پاس نہ آئے اسے باتوں سے تکلیف نہ دیجئے اور اس کی مجلس میں ایسی باتیں نہ کیجئے جسے ناپسند کرتا ہو۔ رسول کو کم کھڑے ہو گئے اور سعد بن عبادہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر پریشانی اور غم کے آثار تھے اور باتوں کی علامتیں موجود تھیں جو ابی سہل نے کہی تھیں۔ سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر دیکھ رہا ہوں۔ گویا آپ ایسی باتیں سماعت فرمائی ہیں جو آپ کو ناپسند تھیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور وہ ساری باتیں سنیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! عبداللہ بن ابی سہل سے نرمی

فرمائیے۔ واللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لایا جب ہم نے اس کے لئے تاج تیار کر لیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ اس کی حکومت آپ نے چھین لی ہے یہ

منافقت کی حد اس مقام تک بڑھ گئی کہ اس نے کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ لیکن ایسے موقع پر جہاں بھی اُس نے آنا مجرد ہوتے دیکھی وہ سامنے آ جاتا اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اکر جاتا۔ مثلاً جنگِ اُحد میں رسول خدا کو اُس نے مشورہ دیا کہ آپ مدینہ میں ہی ٹھہریں۔ یہی مناسب ہے باہر نکل کر حملہ نہ کیجئے۔ لیکن وہ مسلمان جو جنگِ بدر میں حصہ نہ لے سکے تھے مگر تھے کہ یا رسول اللہ! باہر نکل کر ہمیں دشمنوں سے جنگ کرنے کا موقع عنایت فرمائیے۔ تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ ہم میں کسی قسم کی بُردی یا کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار لشکر کی معیت میں جمعہ کے روز نماز سے فارغ ہو کر غنیم پر حملہ آور ہونے کے لئے مدینہ سے نکل پڑے لیکن رئیس المناقبین جب مقام شوط پر پہنچا تو اڑ گیا کہ رسول خدا نے میری بات نہیں مانی اور ان کی مان کر دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی ہے۔ لہذا ایک ثلث آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہتے ہوئے کہ لوگو! میں نہیں سمجھ سکتا کہ اپنے آپ کو موت کا لقمہ کیوں بنایا جا رہا ہے، واپس ہو گیا۔ عبد اللہ بن ابی سلول کے لئے ذاتی اور قومی شرف حاصل ہونے کی بناء پر ایک جگہ مسجد میں مقرر تھی جہاں وہ بے روک ٹوک کھڑے ہو کر نماز جمعہ ادا کرتا تھا۔ جمعہ کے بعد جب رسول خدا امیر پر خطبہ کے لئے بیٹھتے تو بحیثیت ایک رئیس کے کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب ہوتا۔ "اے لوگو! یہ اللہ کے رسول تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ نے ان کی برکت سے تمہیں عزت و حرمت دی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ آپ کی اعانت و نصرت کر کے تقویت پہنچاؤ۔ آپ کے احکام سنو اور فرمانبرداری پر کار بند ہو۔ لیکن جنگِ اُحد کے بعد منافقت کر کے واپس آ گیا۔ جب وہ کھڑا ہونے لگا تو مسلمانوں

کے کپڑے پکڑ لئے اور مزاحمت کی کہ دشمن خدا بیٹھ جا۔ تو اس قابل نہیں کہ کچھ جب باہر کو دھاوا چلا نکلتا جا رہا تھا تو ایک انصاری نے وجہ پوچھی جس کا نے جواب دیا۔ کہ میں ان کا معاملہ مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ انصاری ڈانٹ کر کہا۔ تیرا اُمرا ہو۔ واپس جا اور رسول خدا سے معافی مانگ۔ دعا سے غرت کی درخواست کر۔ بد نصیب ابی سلول نے کہا۔ "خدا کی قسم تجھے ضرورت ہے کہ ان سے استغفار کی درخواست کروں۔"

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو مطلق پر شعبان سنہ ہجری ۲ دسمبر ۶۲۷ء میں لشکر کشی کی تو وہاں انصار و ہاجرین میں کنوئیں کے پانی پر جھگڑا چل پڑا۔ یہاں تک کہ تلواریں نکل آئیں۔ عبد اللہ نے موقع غنیمت جھٹ کہا کہ اے انصاریہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج تمہیں یہ دیکھنا پڑا۔ میں تمہیں پہلے ہی سمجھاتا تھا کہ تم ان ہاجرین کو اپنے سر نہ چڑھاؤ۔ اگر وہ نہیں۔ تجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے معزز انسان یعنی وہ کبخت خود مدینہ کے سب سے ذلیل انسان یعنی نعوذ باللہ محمد رسول خدا! اس سے نکال دے گا۔ اور یہ فتنہ کبھی سر نہ اٹھائے گا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو انصار و ہاجرین اس کے رویہ سے سمجھ گئے کہ اس نے ان کے جوش کا جائز فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ وہ سنبھلے اور تلواریں میاؤں میں واپس لائیں۔ مگر زید بن ارقم نے مجری کی اور جا کر صورتِ حال سے رسول خدا کو آگاہ دی کہ عبد اللہ نے اس طرح کہا ہے۔ رسول خدا نے عبد اللہ بن ابی سلول اس کے دستوں کو بلایا اور فرمایا کیا بات ہوئی۔ جس پر اس نے اصل قصہ سے بالکل انکار کر دیا۔ یعنی خدا کی قسم زید نے جو بیان دیا ہے۔ وہ میں نے نہیں کہا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی بات ہوئی ہے۔ لیکن بات سچی تھی یعنی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس کے بیٹے کے پاس جا پہنچی۔ وہ ایک غلصہ نوجوان رہے سنتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اور رسول خدا کی خدمت میں اسی وقت حاضر ہوا

اور کہتے لگا۔ یا رسول اللہ! آج میرے باپ نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس بھی یہ رپورٹ پہنچی ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس جرم کی سزا سوائے قتل کے کیا ہو سکتی ہے؟ آپ میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیں مگر میں یا رسول اللہ! یہ درخواست کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ میرے باپ کے قتل کا حکم نافذ فرمائیں تو کسی اور کو نہ دیں بلکہ مجھے حکم دیں۔ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں۔ اور اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ کیونکہ اگر کسی اور مسلمان کو آپ نے حکم فرمایا۔ تو ممکن ہے کہ شیطان مجھے ورغلائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور آپ جو شش میں اس پہ حملہ کر دوں۔ اس لئے کسی اور کو حکم دینے کی بجائے مجھے دیکھ کر میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر ڈالوں۔ رسول خدا نے فرمایا ہمارا الیائشہ عفو و حلم سے ہی پیش آتے رہے۔ جب وہ مرا تو اس احسان کے کوئی ارادہ نہیں ہم اسے کوئی سزا دینا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے باپ کے ساتھ عافیت میں کہ اس نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضگی نرمی و ملاحظت کا ہی سلوک کریں گے۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول ہمارے کے باوجود آپ نے اپنا فیض مبارک اسے پہنا کر دفن کیا۔ کیونکہ آپ تو ابرہہ اٹھا اور اس کا دل جل رہا تھا۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ جب لشکر مدینہ کی ہمت تھی جو دشت و چمن پر برابر و یکساں برستا ہے۔ طرف لوٹا تو پیشتر اس کے کہ عبد اللہ بن سلول مدینہ میں داخل ہو۔ اس کا بیٹا عبد اللہ بن عبد اللہ سواری پر سے اترا اور باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے نکال لی۔ باپ سے کہا "تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے کہ مدینہ کا معزز ترین انسان میں ہوں اور مدینہ کا ذلیل ترین انسان (فخوذ یا لہذا محمد رسول خدا ہیں۔ خدا کی قسم اس وقت تک تو مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک تو میرے سامنے اقرار نہ کرے کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان میں ہوں اور محمد رسول خدا مدینہ کا معزز ترین انسان ہے۔ ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اڑا دوں گا۔

عبد اللہ نے جب یہ نظارہ دیکھا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا اس کے سامنے تلوار لے کر کھڑا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں مدینہ کا ذلیل ترین انسان اور محمد رسول

معزز ترین انسان ہیں تو اس کا دل لرز گیا۔ کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میرا بیٹا میرا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ تمام دوستوں کے سامنے جن کے سامنے اپنی بڑائی کے نیت گایا کرتا تھا۔ اقرار کیا کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان میں ہوں اور محمد رسول اللہ مدینہ کے معزز ترین انسان ہیں۔ اور پھر عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول نے اپنے منافق باپ کو حدود مدینہ میں داخل ہونے دیا۔

خدا تعالیٰ کے پاک نبیؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایسا تھا ویسا تھا۔ باپ کا قاتل ہے اور میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور آپ جو شش میں اس پہ حملہ کر دوں۔ اس لئے کسی اور کو حکم دینے کی بجائے مجھے دیکھ کر میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر ڈالوں۔ رسول خدا نے فرمایا ہمارا الیائشہ عفو و حلم سے ہی پیش آتے رہے۔ جب وہ مرا تو اس احسان کے کوئی ارادہ نہیں ہم اسے کوئی سزا دینا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے باپ کے ساتھ عافیت میں کہ اس نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضگی نرمی و ملاحظت کا ہی سلوک کریں گے۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول ہمارے کے باوجود آپ نے اپنا فیض مبارک اسے پہنا کر دفن کیا۔ کیونکہ آپ تو ابرہہ اٹھا اور اس کا دل جل رہا تھا۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ جب لشکر مدینہ کی ہمت تھی جو دشت و چمن پر برابر و یکساں برستا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ -

پہلی عجمی تدبیر اور معجزات

خندق کا کھودنا۔ شہنہ ہجر

اسلام دشمن قبائل ایک متحدہ تدبیر کے ماتحت اپنی تمام طاقتوں کو جمع کر کے اسلام کی بیخ کنی کا مکمل ارادہ کر کے نکلے اور اسلام کو ملیا میٹ کرنے کی سر دھڑ کی بازی لگانے والے پندرہ ہزار نفوس اپنے گھروں سے نکل چکے تھے۔ بعض مؤرخین نے ان سر پھروں کا اندازہ دس ہزار سے چوبیس ہزار بھی لگایا ہے۔ یعنی مدینے جیسے معمولی قصبے کے خلاف سارا عرب چڑھائی کے لئے نکل چکا تھا۔ اگرچہ بد کی جنگ میں ائمۃ الکفر ہلاک ہو گئے تھے۔ اور جرہیں کٹ گئی تھیں اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں ایسی جلی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی آہ کی لڑائی میں ناکامی بھی بھانہ سکی۔ ان کے سردار خاک میں کیا ملے۔ کہ خاک شعلے ہی انگلتی رہی۔ حتیٰ کہ حملوں کے سلسلے برابر چھ سال تک مستقل چلتے رہے۔ اب کے اخیر فدوی مطابق شوال شہد ہجری کو قریش اور غطفان قبائل بنو سلیم اور بنو اسد اور یمود وغیرہ تمام اتحاد کی کڑی میں منسلک ہو کر ایوسفیان کی سرکردگی میں مسلمانوں کی مٹی بھر جمیت کو منتشر کرنے کے لئے چڑھ آئے۔ اس وقت مسلمانوں کے مرد جوان لوڑھے۔ بچے سب ملا کر تین ہزار سے زائد نہ تھے۔ جب خدا تعالیٰ کے رسول صلا کو علم ہو گیا کہ وہ ارادہ جنگ لے کر نکل رہے ہیں تو آپ نے تمام صحابہ کرام کو بلا کر مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ تو حضرت سلمان فارسی نے جو فارسی عجمی طریقہ جنگ سے واقف تھے، عرض کی کہ یا رسول اللہ! ”جب شہر بے حفاظت ہو اور سیاہی تھوڑے ہوں۔ تو ایسے موقع پر ہم سے ملک میں خندق کھود دیتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے بیٹھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ یعنی محصور

ہو جاتے ہیں۔ آپ کو مختلف آراء کے مقابلہ میں حضرت سلمان فارسی کی رائے دینی اور نفع بخش معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور حکم دیا کہ مدینہ میں خندق کھودنے کا انتظام کر لیا جائے۔

مدینے کے ایک طرف ٹیلے تھے۔ دوسری طرف ایسے محلے تھے جن کے مکان ایک دوسرے سے پیوست تھے اور تیسری طرف یہودی بنو قریظہ تھے یہ قبیلہ مسلمانوں سے اتحاد کر چکا تھا۔ سودہ طرف اس طرح محفوظ تھی۔ اب باقی چوتھی طرف جو غیر محفوظ تھی وہ سرحد شمالی تھی۔ جہاں سے ہجوم کر کے دشمن مدینہ پر حملہ کر ہو سکتا تھا۔ آپ نے نشان دہی کی اور اپنی نگرانی میں تقسیم کار کے اصول کے مطابق دس دس ہاتھ بننے پندرہ فٹ کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور صحابہ کرام کے سپرد کر دیا۔ کام زور شور سے جاری ہو گیا۔

رسول اکرم خیر البشر اس وقت کہاں تھے؟ آپ کھڑے کہیں حکم نہیں دے رہے تھے بلکہ صحابہ کرام کے دوش بدوش مزدوروں کے ایک مزدور تھے۔ ہارندوں کی شگفتگی طبع کی خاطر آپ مندرجہ ذیل اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاغْفِرْ لَنَا نَصَارَ دَا لِمُهَا جِدَّة

یعنی۔ اے خدا! اصل زندگی تو پس آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو اپنے فضل سے ایسے سامان کر کہ انصار و مہاجرین کو آخری زندگی میں بخشش اور عطا و نصیب ہو جائے۔

فَحَنُّ الَّذِي بَايَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيَْنَا أَبَدًا

یعنی۔ ہم وہ ہیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے کہ ہم ہمیشہ جب تک کہ ہماری جان میں جان ہے خدا تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے۔

یہ صحابہ کرامؓ کا اپنے محبوب کے لئے جواب تھا۔ اور اس طرح یہ عجیب تدبیر سرانجام پاتی رہی۔ آقاؐ مولیٰ اپنے صحابہ کے ساتھ ساتھ مزدوری کرتے رہے۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خداؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ بھی جنگِ احزاب میں مٹی ڈھو رہے تھے۔ اور آپؐ کے گورے گورے پیٹ پر ٹی پٹری ہوئی تھی۔ اور آپؐ یہ فرماتے جا رہے تھے کہ: "اے الٰہی اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی اور نہ ہم صدمہ دیتے اور نہ ہم نمازیں پڑھتے۔ پس ہمیں اپنی جناب سے قسلی عطا فرما۔ کہ اگر جنگ پیش آجائے تو ہمارے پاؤں کو ثبات نصیب ہو۔ وہ دشمن کے مقابلہ پر بالکل نہ ڈگکائیں۔ بھوک اور فاقہ کشتی کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ آجاتا۔ اور رسول خداؐ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر پھرتے تھے۔ مسلمانوں کو اجر و ثواب کی ترغیب دینے کے لئے آپؐ بنفس نفیس ان کے ساتھ شامل ہوتے اور حد درجہ مشقت و مستقل مزاجی سے کام لیا۔ لیکن منافقین نے تساہل و تاخیر سے کام لیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی سے روایت ہے کہ میں خندق کے گوشے میں کدائی کر رہا تھا۔ کہ ایک پتھر ایسا آگیا۔ جو کسی طرح بھی توڑنا ممکن نہ تھا۔ حضور نبی کریمؐ کو خبر دی گئی اور آپؐ کدال اپنے گدال اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے پتھر پر ماری کہ اس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ آپؐ نے اللہ اکبر فرمایا۔ پھر دوبارہ آپؐ نے کدال ماری اور دوبارہ روشنی نمودار ہوئی۔ پھر فرمایا اللہ اکبر سہ بارہ بھی روشنی کے نمودار ہونے پر آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے پوچھا۔ یا رسول خداؐ یہ روشنی کیسی تھی؟ آپؐ نے فرمایا سلمان! تم نے اسے دیکھ لیا؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: "میرے خدا نے مجھے نزقیات کا نقشہ دکھایا تھا۔ پہلی دفعہ میں نے مملکتِ یمن کے محلات دیکھے جن کی کنجیاں مجھے دی گئی تھیں۔ دوسری دفعہ میں نے مدائن کے سفید محلات دیکھے ہیں۔ اور مملکتِ فارس کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں۔ تیسری دفعہ کی روشنی سے خدا تعالیٰ نے مجھ پر صُنعا کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ پس تم خدا کے وعدوں پر یقین رکھو۔"

خدا تعالیٰ مددگار ہے۔ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
 حضور نبی کریمؐ کے یہ نظارے عالم کشف سے تعلق رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ
 نے اپنے رسولؐ کو اس تنگی کے وقت میں آئندہ فتوحات اور فرائضوں کے مناظر
 دکھائے صحابہ کرامؓ کے عزم و حوصلے بلند کئے اور اپنے وقت پر مسلمانوں کو موعودہ
 نہیں عطا کر کے اُن کے ایمان کو تازہ کیا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ
 شیگوئیاں اور معجزات حرف بحرف پورے ہوئے۔

آخر چھ دن کی طویل محنت سے یہ خندق پوری ہو گئی تھے ابھی یہ کام مکمل ہی ہوا تھا کہ دشمن مدینہ پر چڑھ آیا۔ لیکن جب آگے بڑھا تو خندق کو اپنے راستے میں پا کر مد پریشان ہوا۔ وہ نئی تدبیر دیکھ کر گھبرا گئے اور بے ساختہ بولے۔ "یہ تو کوئی لی تدبیر ہے جو نہ پہلے کبھی دیکھی نہ سنی تھی۔"

یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلح کے مغربی گوشے تک آئی اور غالباً
میں اسے بڑھایا گیا۔ اس کی کل لمبائی ساڑھے تین میل اور چوڑائی گہرائی کا
مجموع اندازہ نہیں ہے۔ بہر حال اتنی چوڑی اور گہری ضرورت تھی کہ دشمن کے گھوڑے
دکھاندر نہیں آسکتے تھے۔ اور پیدل بھی اسے عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خندق
حفاظت کے لئے جابجا پہرہ کا خاص انتظام تھا۔ جب کفار کے چند سرکردہ
میں گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑھے تو خندق پر آکر رک گئے۔ اور متعجب ہو کر کہنے
لگے خدا کی قسم یہ تو دہ تذبذب و ترکیب ہے۔ جو عرب نہیں کر سکتے۔ یقیناً یہ
عجمی تدبیر ہے یہ مسلمان فارسی کی یہ عجیب تدبیر بیشک بہت کامیاب رہی۔ اہل علم
میان ہے کہ مسلمان فارسی کے لئے صحابہ کرام یعنی مہاجرین کہتے تھے سَلْمَانُ مَنَا
انصار کہتے تھے سَلْمَانُ مَنَا۔ لیکن خدا کا رسولؐ فرماتا تھا سَلْمَانُ مَنَا
اَلْاَبْنِیَّتِ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت اور ہمارے فرد ہیں :

یوم خندق کا پہلا شہید

حضرت سعد بن معاذؓ بنو نضیر

حضرت سعد بن معاذؓ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ اور بہت بہادر اور تیز مزاج انسان تھے۔ جتنی پُر عزم و پُر دُور شخصیت تھی۔ اتنی ہی جسمانی دُور دُور میں طبع بھی۔ جب انہیں کعب کی عہد شکنی پر تفتیش کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے نہایت عمدگی سے تفتیش کے تمام مراحل طے کئے تھے۔ اور جب بھی جس موقع پر بھی انہیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے احسن طور پر سرانجام دی۔ کعب بن اسد بنو قریظہ کی طرف عہد دہیمان کرنے کے لئے مختار کل تھا۔ اور وہ رسول پاکؐ سے اپنی قوم کے متعلق عہد و میثاق کر چکا تھا۔ لیکن جب جیتی بن اخطب نے اکسانے کی کوشش کی تو شروع میں تو کعب بن اسد ڈنار لایا اور کیا کہیں تو رسول خداؐ سے عہد کر چکا ہے۔ اور ان میں میں نے سوائے وفائے عہد اور صداقت کے کچھ نہیں پایا۔ لازم یہی ہے کہ میں اپنے معاہدہ کو پورا کروں۔ لیکن جیتی بن اخطب کے اکسانے پر اُس نے عہد توڑ دیا تو رسول خداؐ نے سعد بن معاذؓ کو مقرر کیا۔

کئی عظیم نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔“

بنو قریظہ کے محاصرہ میں سعد بن معاذؓ نے کتنا بہادرانہ فیصلہ دیا کہ حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا۔ ”لقد حکمت بحکم اللہ“ ہوا اس طرح کہ بنو قریظہ کا یہ مردہ کئے ہوئے جب رسول پاکؐ کو یکپیش دن تقریباً ہو گئے۔ تو ابوبابہ کے مشورہ پر لوگ نیچے اتر آئے جس پر وہ لوگ بہت خوش بھی تھے۔ رسول خداؐ نے انہیں سے ایک بزرگ قابلِ تعلیم کو حکم بنا دیا۔ اور وہ تھے حضرت سعد بن معاذؓ بنو قریظہ کو ان کے حکم بننے پر بہت اونچی امیدیں تھیں۔ اور جب وہ حضرت رسولؐ کے پاس سواری پر سوار تشریف لارہے تھے۔ تو راستہ میں اپنے حلیفوں کے معاملہ میں اچھا فیصلہ کرنے پر اکسانا شروع کر دیا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے خدا تعالیٰ سے مانا لیا تھی کہ خدا تعالیٰ انہیں اس وقت تک زندہ رکھے کہ بنو قریظہ کے انتقام کی آگ لگھڑی ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائیمہ کی پرواہ میں کریں گے۔ اور وہ فیصلہ دیا کہ خدا کے فرستادہ نے فرمایا۔ کہ سعدؓ جو فیصلہ دیا ہے۔ آسمانوں سے آیا ہوا ہے۔ پس سعدؓ حق و انصاف کے رستے میں استقامت کرتے تھے کہ جمعیت اور جھگڑا داری کا احساس تک ان کے دل سے محو ہو جاتا تھا۔

آپ خندق کی لڑائی کے پہلے شہید تھے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بنو حارثہ کے قلعے میں سعد بن معاذؓ کی والدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ میں نے ان سے کہا! سعدؓ کی ماں! میرا دل چاہتا ہے کہ کاش سعدؓ کی زہ پوری پوری ہوتی۔ کیونکہ سعدؓ نے معاذؓ کے یوم خندق میں ایسی زہ پہنی ہوئی تھی۔ جو چھوٹی تھی اور کمبختی ان کا لاتھ زہ سے باہر تھا۔ سعد بن معاذؓ کی والدہ بولیں! کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ تیرا اس خالی جگر پر لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کلانی میں زخم آیا اور ایک تیرا اوسامہ جیشی کا زہ زہ سے خالی واسے حصے پر لگا۔ ان کی رگ اکل کٹ

گئی تیر مارنے والے نے کہا: "یہ لو تیر بنی ابن القرم ہوں" حضرت سعدؓ نے کہا: "خدا تیرا چہرہ جہنم میں عرق آلود کرے اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اگر قریش سے مزید جنگ ہونے والی ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ۔ کیونکہ مجھے یہی پسند ہے کہ ان سے جہاد کروں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیرے رسولؐ کو اذیت دی۔ انہیں جھٹایا اور وطن سے نکال دیا اور اگر جنگ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو مجھے شہادت عطا کر دو۔" مگر نہ اس وقت تک موت نہ دے جب تک بنو قریظہ سے انتقام سے خود کو ٹھنڈا نہ کر لوں۔ چنانچہ بہت علاج معالجہ کیا۔ لیکن زخم مندمل ہو ہو کر پھر کھل جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری خود فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہلاکت کے مطابق مسجد کے صحن میں انہیں ایک خیمہ میں رکھا گیا۔ یہ خیمہ ایک مسلمان رفیدہ نامی کا تھا۔ جو نرسنگ اور تیمارداری میں مہارت رکھتی تھی۔ اور مسجد کے صحن میں عموماً بیماروں کا علاج کرتی تھی۔

معاذ بن رفاء سے روایت ہے کہ جب رات کے وسط میں حضرت سعد بن معاذؓ کی روح پیدا کر گئی تو عین اس وقت جبرائیل علیہ السلام استبراق کا عمامہ پہنے حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ سے پوچھنے لگے: "محمد! یہ کس کی میت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرض ہل گیا ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سنبھالتے ہوئے تیزی سے سعدؓ کی طرف دوڑے۔ وہاں دیکھا کہ وہ جلا جاتی ہو چکے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ عظیم و شہیم تھے۔ لیکن ان کا جنازہ اتنا ہلکا تھا۔ کہ منافقین کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ان کو اٹھانے والے تمہارے علاوہ اور ہستیاں بھی تھیں۔ اس ذات پاک کی قسم جسکی تفسد قدرت میں میری جان ہے کہ سعدؓ کی روح سے ملائکہ نے بشارت حاصل کی اور عرض محفوظ ہوا۔

"اهتز عرش الرحمن علی فوت سعد"

حضور پر نورؐ نے فرمایا۔ قبر بھیجتی ہے۔ اگر اسکی کوئی نجات پا سکتا تو سعدؓ ہوتے۔

حضرت سعدؓ کی وفات پر ان کی ماں مورہی تھی اور کہہ رہی تھیں کہ۔ وہ ایک قوت نافذہ اور تلوار کی دھار تھا۔ وہ مجسم سیادت و قیادت اور مجدد شرف جو ہر وقت تیار سوار تھا۔ اس کے ذریعہ دشمنوں کا راستہ بند تھا۔ وہ دشمنوں کے سر کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا۔ "ہر نوہ کرنے والی عورت جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں! سعدؓ کی ماں نوہ کرنے والیوں سے مستثنیٰ ہے۔"

پہلا دشمن خدا شاعر

کعبہ بن اشرف کا قتل۔ جملہ شہداء ہجری

کعبہ بن اشرف وہ بد نصیب شاعر تھا۔ جو خدا اور اسکی محبوب رسولؐ کا بدترین دشمن تھا۔ وہ چلتا پڑتا اور ہوشیار آدمی بنوٹے کی شاخ بنی نہال سے تھا۔ اور اس کی ماں بنی نصیر میں سے تھی۔ وہ گوند ہٹا یہودی تھا لیکن یہودی النسل نہیں تھا۔ بلکہ عرب تھا۔ اور عرب کے یہودی اس کو اپنا سردار خیال کرتے تھے۔ جب اس نے بدر کی فتح و کامرانی کی خبر نہ بدین حارث اور عبداللہ بن رواحہ سے سنی تو بے تاب ہو گیا۔ اور چیخ کر کہنے لگا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم لوگ سچ کہتے ہو۔ کہ محمدؐ صلعمؐ ان مکہ کے متونوں کو قتل کر دیا۔ مکہ کی اتنی نامور ہستیاں خاک میں مل جائیں وہ جڑھیں تھیں۔ وہ مرتبہ والے اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ بخدا اگر حقیقت میں محمدؐ صلعمؐ انے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو "روئے زمین کی نسبت شکم زمین بہتر ہے" جب اس دشمن خدا شاعر کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر جو اس کے کانوں نے سنی ہے قطعی سچی اور حقیقت پر مبنی ہے۔ تو اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ یقین کر کے کوئی بدترین اسکیم سوچا۔ وہ دھبہ اور شکیل ہونے

کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اور ایک نہایت دولتمند عالم تھا چنانچہ وہ مکہ کی طرف بھاگا۔ اور عبدالمطلب بن ابی دوامہ کے گھر آوا۔ اور رسول خدا کے خلاف اشعار سناسنا کر لوگوں کو ابھارنے لگا۔ اس نے خفیہ چالوں اور مخفی ساز باز سے اسلام اور بانی اسلام کی مخالفت تیز کر دی۔ مرثیہ خوانی میں اندھا ہو گیا۔ اور مقتولین قریش پر بے تحاشہ مرثیے کہے۔ اپنی چرب زبانی اور سؤ گوئی سے مکہ کو شعلہ بار کر دیا۔ حضرت حسان بن ثابت نے جواباً کچھ اشعار کہے۔ حضرت میمونہ بنت عبد اللہ نے بھی کعب کے جواب میں بہت اشعار کہے۔ لیکن وہ حد سے بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی ہومیلیوں کے متعلق عاشقانہ اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ اور ان کی دلازاری کی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی کوفت ہوئی۔ آپ نے فرمایا مَن لِّیَ بَابِیْ اِلَیْهِ شَرٌّ یُّعْنِیْ دُکْبَیْ بن اشرف کی خبر لینے کی کون جانی بھرتا ہے، بنی عبدالمطلب والے محمد بن سہل نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کی خاطر تیار ہوں۔ میں اُسے قتل کر ڈالتا ہوں۔ رسول پاک نے فرمایا۔ اگر تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو ایسا ہی کر دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ اَلْفِتْنَةُ اَمْسَدُ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے۔ محمد بن سہل نے ایک حد تک اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ پہلے تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔

رسول خدا نے وجہ تسمیہ دریافت فرمائی۔ تو محمد بن سہل نے جواباً عرض کی۔ یا رسول اللہ میں نے ایک بات تو آپ سے عرض کر دی لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میں اپنا عمدہ پورا کر سکوں گا یا نہیں۔ فرمایا تیرے ذمہ تو صرف کوشش ہے۔ اس کی اجازت چاہی کہ اپنی منصوبہ بندی میں خلاف حقیقت باتیں کہوں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ کیونکہ اَلْحَدِّیْبُ حَدُّ عِلْمٍ کے مطابق کچھ خلاف حقیقت باتیں فتنے کو مٹانے کے لئے جائز ہیں۔ چنانچہ محمد بن سہل نے ایک منصوبہ انصار کے ساتھ مشترک تیار کیا۔ جس میں سلکان بن سلام، عباد بن بشیر بن دقش الحارث بن ادس

درابوعبس بن جبریا بن جبریا متفق الرائے شامل ہو گئے۔ سلکان بن سلام جن کی کنیت ابونائلہ بھی تھی وہ کعب بن اشرف کے رضائی بھائی بھی تھے۔ یہ سلکان ۱۰ ماں گئے اور تقریباً گھنٹہ دو گھنٹہ وہاں کعب کے ساتھ محو گفتگو رہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اشعار سناتے رہے۔ پھر آنے کی وجہ بیان کی کہ اے ابن اشرف! یہ شخص محمد معلم ہم پر مصیبت بن کر چھا گیا ہے۔ عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ ایک ہی کمان سے تیرا جل رہا ہے۔ ہماری راہیں منقطع ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے بال بچے برباد ہو گئے ہیں۔ اور جانوروں پر آہنی ہے۔ غرض ہم خود اور ہمارے بال بچے آفت میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ غلہ کی سخت قلت ہو گئی ہے۔ کعب بن اشرف بال بچے حد خوش ہوا۔ اور اپنی بد فطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ہوئی نہ وہی بات جو میں تمہیں پہلے کہتا تھا۔ اور اس کا یہی نتیجہ ہونے والا تھا۔ کچھ غلہ وغیرہ خریدا چاہتے ہو تو کیا تم اپنے بچے ہمارے پاس رہن رکھو گے؟ ابونائلہ نے کہا۔ میرے دوست تیرے ہاتھ ہم اپنے ہتھیار رہن رکھیں گے۔ جن سے غلہ کی قیمت پوری ہو سکے گی۔ چنانچہ جب فیصلہ مکمل ہو گیا تو ابونائلہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تمام ہتھیار سمیت رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ضروری ہدایات اور دعائیں لے کر روانہ ہوئے۔ حضور ان کے ساتھ بقیع الفرقہ تک تشریف کے لئے اور بیت اشرف تک تشریف لائے۔ چاندنی رات تھی۔ حضور تو واپس لوٹ گئے۔ لیکن وہ لوگ کعب کی گڑھی تک جا پہنچے۔ ابونائلہ کی آواز پر محافل میں سے نکل کر وہ بھاگا۔ اگرچہ اس کی نویلی دلہن اُسے روکتی رہی۔ کہ تمہارا اے ابن اشرف باہر نکلتا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ جنگی آدمی ایسے وقت نیچے نہیں اتر کرتے اور مجھے ان کی آواز میں شرارت معلوم ہوتی ہے۔ کعب اپنی جوانمردی پر اترتا تھا۔ باہر آگیا اور باتیں کرتے کرتے شعب الجوز تک پہنچ گئے۔ وہ ہتھیاروں سے بھی مطمئن تھا۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ غلے کے عوض میں ہتھیار رکھنے کے لئے لایا ہوگا۔ کچھ دور چلتے کے بعد ابونائلہ نے اس کے بال پکڑ لئے اور کہا دشمن خدا کو مارو۔ ان سب نے

اس پر ضربیں لگائیں۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے تلواریں ایک دوسرے پر پڑنے لگیں۔ اور کارگر نہ ہوئیں۔ ابوناٹہ نے اپنی چھری نکالی اور پوری قوت استعمال کرتے ہوئے پیٹ میں گھونپ دی۔ دشمن خدا نے ایسی چیخ ماری کہ اطراف کی گڑھیوں میں سے کوئی گڑھی ایسی نہ رہی جس پر آگ دشمن نہ ہو گئی ہو اس کشمکش میں الحارث بن ادس بن معاض بھی زخمی ہو گئے۔ اور خون بہنے سے کمزور ہو گئے۔ تمام ساتھی انہیں اٹھا کر رات کے آخری حصہ میں رسول پاک کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے۔ تمام نے سلام عرض کیا تو آپ باہر تشریف لائے۔ دشمن خدا شاعر کی موت کی خبر آپ کو سنائی۔ آپ نے الحارث بن ادس کے زخموں پر لعاب دہن لگا دیا۔ صبح جب ہوئی تو تو معلوم ہوا کہ یہود کعب بن اشرف کی موت کی وجہ سے بہت خوفزدہ تھے۔ حسان بن ثابت نے کہا:-

”اے ابن اشرف! تو نے جسک مقابلہ کیا۔ اس جماعت کی جزاء خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے۔۔۔۔۔ اور تلواروں نے تمہیں موت کا پیالہ پلا دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا۔ جو تلواریں نیام سے باہر نکالی ہوئی تھیں وہ ہماری بھیلیوں پر آئیں پھر ہاتھوں کے سپہا سے کعب پر چڑھ گئیں۔ اور اس کا خاتمہ کر گئیں!“
یہودیوں نے بعد میں مانا کہ کعب بن اشرف مستحقِ سزا تھا۔

پہلی اسیر زوجہ مظہر

حضرت جویریہ بنتے عمارتے بنے ابو فرارہ بنی

اسیر رئیس زادی جویریہ پہلی خاتون ہیں جنہیں جنگ کے نتیجے میں اسیری نصیب ہوئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اہمات المؤمنین کی صف میں مقام عطا فرمایا۔ آپ رسول خدا کے حرم میں داخل ہو کر آزاد و عظیم مقام کی وارث بن گئیں۔

عورتیں جو جنگ میں قید ہو کر آتی تھیں۔ اس کے لئے بھی اسلام نے ایک مکمل بااخلاق ضابطہ ہمیں دیا ہے۔ وہ عورتیں جو بطور قیدی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتی ہیں۔ جن کے مرد انہیں قیدیہ دے کر جلد چھڑانے کے لئے نہ پہنچ جائیں۔ یا جو قید کے بعد مکاتیب کے طریق پر آزاد کئے جانے کا مطالبہ نہ کریں مسلمان مردوں کا رشتہ نکاح ان سے قائم ہو سکتا ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام نے تعددِ زوجہ کی استثنائی اجازت دے کر مردوں، عورتوں دونوں کے اخلاق کی حفاظت کی ہے۔ اور جنگ کے نتیجے میں جنگی قیدیوں سے نکاح کی اجازت دے کر انسانیت پر عظیم احسان کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح افراد اور سوسائٹی میں اخلاقی بُرائی پیدا نہیں ہوتی۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو جنگ میں پکڑا ہی کیوں جاتا ہے؟ کہ مسلمانوں کو استثنائی اجازت دینی پڑے۔ تو واضح رہے کہ پہلے زمانہ میں عورتیں بکثرت جنگ میں شامل ہوتی تھیں۔ بعض اوقات عملی حصہ بھی لیا کرتی تھیں۔ سپاہیوں کو جوش دلانا۔ اور مرہم پٹی کرنا اور تیر چلانے کا کام تو جنگِ احد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے جنگجو عورت کو میدانِ جنگ میں قید کرنا ہی لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہر جنگ میں رسول اللہ کے وقت میں کفار کی عورتیں قید ہو کر آتی تھیں۔ اور

صحابہ کرامؓ کی سپردگی میں دے دی جاتی تھیں اور وہ اسلام کے حکم کی رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بشرطیکہ ان کے لواحقین فدیہ لے کر چھڑانے کے لئے نہ آئیں۔ اسی طرح قبیلہ بنو مطلق میں ان کے سردار کی بیٹی برہ بھی قید ہو کر آئیں۔ جو پہلے ہی بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر منافع بن صفوان غزوہ مریض میں مارے گئے تھے۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو برہ ایک صحابی انصاری جو کہ ثابت بن قیس کہلاتے تھے ان کی سپردگی میں دے دی گئی۔ چونکہ لونڈی اور غلام کچھ رقم دیگر آزاد ہو سکتے تھے۔ اور اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق برہ مکاتیب بن گئیں۔ لیکن ان کو شرط کے مطابق نوادقیہ سونا ادا کرنا تھا۔ اور یہ رستم ان کی استطاعت سے باہر تھی۔ اس لئے برہ فیصے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ سے کتابت کے سلسلہ میں کچھ مدد حاصل کرے۔ برہ رسول پاکؐ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یا رسول خدا! میں حارث بن ضرا کی بیٹی ہوں۔ جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے آپ سے معفی نہیں۔ میں ثابت بن قیس کے حصے میں پڑی ہوں میں نے انہیں مکاتیب پر راضی کر لیا ہے۔ اب آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں کہ مدد حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا جاوے تو پسند کر لی۔ جویریہؓ نے پوچھا کہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے کتابت ادا کروں اور تم سے رشتہ ازدواج قائم کر لوں؟ جویریہؓ نے جواب دیا۔ جی ہاں یا رسول اللہ میں قطعی راضی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے کر لیا یہ

حضرت جویریہؓ کی شادی کے متعلق ایک یہ بھی روایت ہے کہ ان کے والد حارث اپنی صاحبزادی کو چھڑانے کے لئے خود حضورؐ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے تو آپ کی فیض صحبت کی برکت سے مسلمان ہو گئے اور پھر انہی طرف سے پیغام ملنے پر انہوں نے خود اپنی مرضی و رضاء سے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کر دی تھی۔ اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ حارث ابن ابی ضرا نے خود نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرض کی تھی کہ یا رسول خدا! میں قوم کا سردار ہوں۔ میری صاحبزادی اس طرح قید میں نہیں رکھی جاسکتی۔ آپ نے فرمایا جویریہؓ سے پوچھا جائے۔ اگر وہ آزاد ہو کر واپس جانا چاہتی ہے تو ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ہمارے پاس رہنا چاہتی ہے تو ہمارے پاس بٹھریں۔ حضرت جویریہؓ سے پوچھا گیا۔ تو اسکی مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا جس پر آپ نے آزاد فرما کر ان کے ساتھ شادی فرمائی یہ

حضرت جویریہؓ کا پہلا نام برہ تھا۔ آپ نے بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ بدلنے میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ برہ کے معنی نیکی کے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کبھی برہ گھر پر نہ ہوں تو یہ کہا جائے کہ برہ گھر پر نہیں ہے یعنی نیکی اور برکت گھر سے چلی گئی ہے۔ گو کہ برہ کے جانے سے نیکی کا جانا لفظی معنوں میں مراد ہے۔ لیکن اسکی تپہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکی و تقویٰ کے لفظوں سے بھی پیار تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ اس رشتہ کو استوار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنو مطلق کے لوگ بہت جلد اسلام کی تعلیم سے متاثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ خبر تمام لوگوں میں پھیل گئی کہ رسول کریمؐ نے جویریہؓ بنت حارث کو اپنے رشتہ زوجیت میں منسلک کر لیا ہے لوگوں نے کہا یہ تو رسول خداؐ کے رشتہ دار ہیں۔ پھر جو کسی کو بلا بطور تحفہ پیش کر دیا گیا۔ ان کے اسیران جنگ کو آزاد کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ شان نبویؐ کے خلاف ہے کہ نبی کے سسرال کو اپنے ہاتھ میں قیدی رکھا جائے۔ میری نظر میں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنی قوم کے لئے اتنی باعث برکت ہوئی جتنی کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے تھیں۔

حضرت جویریہؓ بہت حسین و جمیل تھیں۔ جو انہیں دیکھتا اس کے دل پر قابض ہوتی

تھیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں خوبصورت اور خوب سیرت دونوں اوصاف عطا کئے ہوئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مزید نواز لیا اور انہیں اتم المؤمنین بھی بنادیا۔ وہ پینتھ برس کی عمر میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن کر دی گئیں۔

پہلی صلح

صلح حدیبیہ - شہرہ ہجری ۶

لَتَذَخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ
مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَمِّرِينَ لَا تَخَافُونَ وَلَا تَعْلَمُونَ
مَالَكُمْ تَعْلَمُوا فَبَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ نَتَحَاتِرُ نَبَا
(سورۃ فتح ۲۴)

تقریباً تیس برس کی جنگوں کے بعد صلح حدیبیہ پہلی صلح ہے جو شہرہ ہجری کو مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ نبوت کے بعد تیرہ سال تک تو یکطرفہ جنگ جاری رہی جو ایک سرد جنگ تھی۔ آپ اور صحابہ کرام ظلم سمیت رہے۔ کیونکہ ایک اچھے شہری تھے۔ لیکن چودہ برس بعد ہی خاموش جنگیں خون ریزیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور ہجرت کے بعد باقاعدہ میدان کارزار میں ہوئیں۔ گو کہ ہر دو جنگوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ اور وہ تھا اسلام اور بانی اسلام کی بیخ کنی۔ اگرچہ شہرہ ہجری سے پہلے تک کی ہر جنگ دفاعی تھی۔ ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر تلوار لٹکتی تھی۔ جنگ بدر جو شہرہ ہجری میں ہوئی جس کا انجام کفار کے لئے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنے اختتام کو پہنچ کر ختم نہیں ہوتی بلکہ دوسری جنگ احد کا پیش خیمہ تھی۔ جنگ بدر میں فرشتے کی نسبت تین اور دس کی تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے تین سو غریب اور بے وطنی کے مارے ہوئے سپاہیوں کی پشت

تھے۔ اور خونی ارادوں کو لئے ہوئے مکہ کے جگر گوشے "يَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ" کا منظر میدان میں دیکھ کر آئندہ کے لئے دھکی دے گئے تھے۔ کیونکہ عرب میں رواج ہی یہ تھا کہ شکست خوردہ فوج آئندہ لڑائی کے وعدے دے جاتی تھی۔ یہ جنگیں صدیاں جاری رہیں یا چالیس سال تک مستقل جاری رہتی تھیں۔ وقفہ درمیان میں ضرور ہوتا تھا۔ کچھ اسی قسم کی جنگیں قریش مکہ نے رسول خدا سے لڑیں۔ اور ہر بار موعود لڑائی تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آگیا کہ انہیں رسول خدا سے صلح کے سوا چارہ نہ ملا تھا۔ اور یہ دن اسلام کی فتح کے قریب کا دن تھا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک خواب کی بناء پر فردی شہرہ میں پنڈرہ سو زائرین ساتھ لے کر مکہ کی طرف بغرض طواف کعبہ سفر کیا۔ بیس سو ار آپ کے قافلہ کے آگے تھے۔ تاکہ اگر دشمن مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہے تو مسلمانوں و وقت پر اطلاع مل جائے۔ اگرچہ کفار مکہ کا یہ مذہب تھا کہ طواف کعبہ میں کسی کے لئے روک نہیں ڈالی جاسکتی۔ اور آپ نے صاف صاف الفاظ میں اعلان بھی کر دیا تھا کہ آپ صرف اسلام کا ایک رکن ادا کرنے کے لئے آ رہے ہیں اور قربانیاں آپ کے ساتھ تھیں لیکن مکہ والوں نے مکہ کو ایک قلعہ بنا لیا اور خود جیتوں کی کھالیں بن لیں۔ اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر قمعیں کھاتے ہوئے نکل پڑے کہ وہ آپ فوج کے فریقہ کے لئے بھی نکلنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ فوج کا ہر اہل دستہ مسلمانوں کے سامنے آکھڑا ہوا۔ لیکن چونکہ خدا کا رسول لڑنے کی نیت سے ہی نہیں گیا تھا۔ اس لئے آپ نے ایک راہبر کی سرکردگی میں دوسرا رستہ اختیار کر لیا۔ جو جنگل کے یچوں بیچ تھا۔ مقام حدیبیہ پہنچ کر ادھنی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور رگ کٹی۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ دوسری ادھنی سے لیں۔ یہ ٹھک گئی ہے تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا مشاء یہی معلوم ہوتا ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر ذریعے ڈال کر قریش مکہ سے اجازت طلب کرنی چاہی تاکہ اجازت لے کر طواف کریں۔ انہوں نے بدیل نامی سردار سفیر بنا کر بات چیت کرنے

کے لئے بھیجا۔ جسے آپ نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ کہ ہم لڑائی کی غرض سے ہرگز نہیں آئے۔ ہاں آپ لوگ لڑائی ٹھونس رہے ہیں۔ پھر دوسری بار ابوسفیان کا داما و عردہ آیا جو بہت بدتمیزی سے بولا۔ ”یہ اُباشوں کا گروہ آپ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ مکہ والے انہیں کسی صورت میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ والوں کے پاس بھیجا۔ کہ جا کر گفت و شنید کریں۔ کیونکہ مکہ میں ان کی بڑی وسیع رشتہ داری تھی۔ وہاں گفتگو کے دوران کچھ شریلوگوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس پر رسول خدا کو بہت تکلیف ہوئی اور آپ نے فرمایا۔ اگر یہ خبر درست ہے تو ہم بزورِ مکہ میں داخل ہوں گے۔ اور صحابہ کرامؓ عہد کریں۔ توفیق کر کے لوٹیں گے یا پھر ایک ایک میدانِ جنگ میں مارے جائیں گے۔ یہ عہد ایک بیعت کی شکل میں لیا گیا۔ جسے بیعتِ فونان کہتے ہیں۔ چنانچہ پندرہ سو کے پندرہ سوزائیں نے دیوانہ وار یہ عہد کر لیا کہ شام سے پہلے پہلے مکہ فتح کر لیں گے یا پھر میدانِ جنگ میں شہادت کا جام پئیں گے بہر صورت اپنے سفیر کا بدلہ ضرور لیں گے۔ لیکن مسلمان بیعت سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ حضرت عثمانؓ واپس آ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ مکہ والے اس سال تو عمرہ کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اگلے سال اجازت دینے کو تیار ہیں۔ اور ایک شخص سہیل معاہدہ صلح نامہ لکھنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ آپ نے اور سہیل نے معاہدہ کی شرائط طے کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے فوراً ٹوکا۔ اور کہا کہ اللہ کو تو ہم جانتے ہیں یہ الرحمن الرحیم کیا ہوئے؟ آپ ہمارے مذہب کا بھی احترام کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ صلح مکہ والوں اور محمد رسول اللہ کے درمیان ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کس چیز کا تھا؟ آپ نے پھر فرمایا ٹھیک ہے۔ محمد بن عبد اللہ تحریر کرو۔ چنانچہ یہ معاہدہ محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان چند شرائط پر طے ہوا۔

(۱) جنگ و سن سال تک نہیں لڑی جائے گی۔
 (۲) جو شخص محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ملنا چاہے تو مل سکتا ہے اور جو مکہ والوں سے ملنا چاہے تو وہ بھی مل سکتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا جس کی عمر چھوٹی ہے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا ملے گا تو اسے اس کے باپ یا متولی کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔
 (۳) اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمان واپس لوٹ جائیں اور اگلے سال شہرِ بصری تین دن تک یہاں ٹھہریں اور طواف پورا کریں۔ اس عرصہ میں قریش باہر شہر سے پہاڑی پر چلے جائیں گے۔
 (۴) لیکن مدینہ والے جب مکہ میں داخل ہوں تو بغیر ہتھیار کے جوہر مسافر اپنے پاس رکھتا ہے۔ یعنی نیام میں ڈالی ہوئی تلوار۔
 الفرض صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے جس جذبہ کا مظاہرہ فرمایا وہ قابلِ صدِ آفرین ہے کہ آپؐ نے بظاہر کڑی اور سخت شرائطِ محض کے لئے قبول فرمائیں۔ نمائندہ کفار کے مطالبہ پر بسم اللہ کے ساتھ ”رحمن“ اور ”رحیم“ کے الفاظ نہ لکھے۔ محمد رسول اللہؐ سے رسول خداؐ کا لفظ مٹا کر عبد اللہ لکھا گیا۔ کفار کی گستاخیاں اور طعنے برداشت کئے۔ اور معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے جب پابِ رنجِ ابو جندلؓ باپ کے مظالم سے تنگ آکر میدانِ حدیبیہ میں پہنچے تو سہیل نے صلح کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کے بیٹے کو بموجب معاہدہ ہمیں واپس کر کے جاؤ۔ چنانچہ ابو جندلؓ کو ظالم اور جابر باپ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ کیوں ہوا؟
 صرف اور صرف اس صلح جو طبیعت کی خاطر جو خدا نے اپنے نبیؐ کے ضمیر میں رکھی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے خون جوش مار رہے تھے۔ ان کی تلواریں بیتاب تھیں۔ معاہدہ میں سے حضرت علیؓ رسول اللہؐ کا لفظ مٹانے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے اختیار پوچھتے تھے کہ اگر اللہ کے وعدے سچے ہیں تو یہاں جھگڑا

کہ صلح کیوں کی جاتی ہے۔

الغرض اس صلح سے آپ کے صحابہ غم سے نڈھال تھے۔ کہ نہ تو حج کر سکے۔ نہ ظاہری غیرت و حشمت قائم رکھ سکے۔ کیونکہ آپ کو خدا تعالیٰ نے دوست دشمن سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کو خدا تعالیٰ کی خوشخبری معلوم تھی کہ:۔
”عنقریب اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترا کر امن و امان سے ”انشاء اللہ“ داخل ہوں گے۔
..... اور یہ دن فتح قریب کا دن ہوگا“

بادشاہوں کے نام پہلا خط

قیصر روم ہرقل کے نام۔ اور خرمہ بصرہ

آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک عظیم مبلغ تھے۔ اس لئے آپ کی زندگی کا ہر دن اور ہر رات آپ کا اٹھنا بیٹھنا اور سونا جانا سب تبلیغ ہی تھا۔ آپ مجسم پیام الہی تھے۔ اس لئے یہ پیام لے کر گدا سے شاہ تک پہنچے۔ ایک زمانہ تو جنگوں میں گزرا۔ جن میں سے کچھ تو دفاعی تھیں اور کچھ امن و آشتی قائم کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن جس دم ذرا سکون ہوا۔ تو آپ نے سب سے پہلا کام بادشاہوں کے نام بذریعہ خطوط اپنا پیغام پہنچایا۔ وہ پیغام جو آپ لے کر اٹھے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سنانے کے لئے آپ نے طائف کا سفر کیا تھا اور جواب میں پتھر نصیب ہوئے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سن کر آپ کے پیارے آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ بیشک وہی پیغام جسے آپ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ اور غار ثور سے گود میں تین دن پیہا دی تھی۔ وہی پیغام آج خاص و عام سے آگے بڑھنا بڑھتا بادشاہوں کے دربار میں جا پہنچا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا

خط آپ نے ذوالحجہ سترہ ہجری دحبہ کلبی کے ہاتھ قیصر روم کے نام روانہ فرمایا تھا۔ دحبہ کلبی بصرہ کے گورنر حارث بن ابی ثمر کے پاس گئے اور ان کی واسطی سے قیصر روم ہرقل کو ملے۔ وہ ان دنوں شام کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ دحبہ کلبی جب دربار میں گئے تو دربار کے افسروں نے کہا کہ آداب دربار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سجدہ ضروری ہے۔ مگر مسلمان سفیر نے یہ کہا کہ ”مسلمان انسان کو سجدہ نہیں کرتے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنا خط پیش کیا جو ترجمان نے پڑھ کر سنایا۔ خط سننے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی عرب کا قافلہ آیا ہوا ہے تو میرے دربار میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے کچھ ساتھی دربار میں حاضر ہوئے۔ تو ہرقل نے حکم دیا کہ ابوسفیان سے جو کچھ میں پوچھوں گا اس کا صحیح صحیح جواب دے۔ اگر کچھ جھوٹ بولے تو اس کے ساتھی فوراً تردید کریں۔ سوال:۔ ہرقل نے پوچھا یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا شخص جس کا یہ خط ہے۔ کیا تم اس کو جانتے ہو۔ کہ اس کا خاندان کیا ہے؟

جواب:۔ ابوسفیان نے جواب دیا۔ ”وہ اچھے خاندان میں سے ہے اور میرا رشتہ دار ہے اور بچا زاد بھائی ہے۔“

سوال:۔ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟
ابوسفیان کا جواب نفی میں پا کر اس نے پوچھا کیا تم دعویٰ سے پہلے اس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے۔ یا اس کے باپ دادا بادشاہ تھے؟

جواب:۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا بلکہ اس کو امین و صدیق کہا جاتا تھا۔ اور اس کے والدین بادشاہوں میں سے نہیں تھے۔

سوال:۔ ہرقل نے پھر سوال کیا بڑے بڑے خاں اور قوت والے لوگ اسکی جماعت میں داخل ہوتے ہیں یا غریب و مسکین لوگ؟ وہ بڑھتے

ہیں یا کھٹتے ؟

جواب ہے :- ابوسفیان نے کہا کہ غریب اور مسکین اور نوجوان لوگ شامل ہوتے ہیں اور وہ بڑھتے ہی جلتے ہیں۔

سوال ہے :- اس پر ہر قل شاہ روم نے پوچھا کہ کوئی لوگ مرتد بھی ہوتے ہیں ؟
جواب ہے :- ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنے پاؤں پر پھرا ہو۔ اور نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی اپنا عہد توڑا ہے۔

سوال ہے :- ہر قل نے پوچھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان لڑائی کا کیا حشر ہوا ؟
جواب ہے :- ابوسفیان نے جواب دیا کہ بحد اور اُحد کے نتائج تو دُور کی مانند رہے۔ جو کبھی اُد پر جاتا ہے اور کبھی چپے اور وہ فوراً جوش میں اس نے اپنی قوم کے بدترین انتقام مثلاً کا ذکر بھی کر ڈالا۔

سوال ہے :- ہر قل نے پھر پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں حکم کیا دیتا ہے ؟
جواب ہے :- ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اسکی پرستش کرو۔

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ہمارے باپ دادا جن کو پوجا کرتے تھے۔ وہ ان کی پوجا سے روکتا ہے۔ اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ خدا کی عبادت کریں۔ اور سچ بولا کریں اور گمراہی سے کاموں سے بچا کریں۔ اور ہمیں یہ بھی کہتا ہے کہ ہم مروت اور دفا سے عہد سے کام لیا کریں اور امانتوں کو ادا کریں۔

شاہ روم نے ان تمام سوالات اور جوابات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپ صادق نبی ہیں فقیر نے کہا کہ انبیاء ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں اور جو شخص عام زندگی میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر جھوٹ بولنے کی قطعی نا ممکن ہے اور یہ کہ اسکی باپ دادا بادشاہ نہیں تھے اسلئے وہ کسی ملک کو واپس لینے کیلئے بھی موقع نہیں دھونڈتا۔ پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ صادق نبی ہے کیونکہ انبیاء ہمیشہ مصائب میں وقت بسر کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں :

آپ کا مصدق پہلا بادشاہ

نجاشی والے حبشہ

بادشاہوں میں نجاشی والے حبشہ وہ بادشاہ ہے جس نے پیغمبر اسلام اور توحید کی تصدیق پر ہر شبت گمردی جس طرح آپ روح کی ارتقائی منزل میں طے کر کے غار حرا سے باہر تشریف لائے۔ تو ورقہ بن نوفل بنی نوع انسان میں سے پہلا شخص تھا جس نے آپ کی پیغمبری کی تصدیق کی تھی۔ بعینہ بنہ نبوی کو نبوت کے ٹھیک پانچ سال بعد نجاشی حبشہ کا وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے بھرے دربار میں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یہ تصدیق کر دی اور کہا کہ ”خدا کی قسم بے شک یہ چیز کلام جو رسول اللہ پر نازل ہوا، اور وہ چیز جو عیسیٰ علیہ السلام لائے ایک ہی طاق کی ٹکلی ہوئی روشنی ہے۔“

جب مسلمان ہجرا جن کی زندگیاں ہجرت حبشہ کے بعد امن سے گزرنے لگیں اور وہ قریباً ایک سو ہو گئے۔ تو یہ خبر کفار مکہ کے لئے خوش کن نہ تھی۔ ان کے غضب کی آگ ایسی بھڑکی کہ شعلے حبشہ تک جا پہنچے۔ انہوں نے دو ممتاز مستقل مزاج ہستیاں وفد کی صورت میں حبشہ روانہ کیں۔ جن میں سے ایک عمرو بن عاص جو کہ بہت فہم تھا۔ اور ایک عبد اللہ بن ربیع جنہوں نے شاہ حبشہ کو گرا نقد ر تحائف پیش کئے۔ تاکہ بادشاہ کا دل جیت لیں اور اپنی مراد پوری کروالیں۔

حضرت اہم سلمیٰ ائم المؤمنین سے روایت ہے کہ جب ہم حبشہ میں اترے تو وہاں ہمیں نجاشی کا سا بہترین بیڑوسی مل گیا۔ دین میں امن نصیب ہوا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچاتا اور نہ ہم کوئی بُری بات سُنتے تھے۔ کہ اہل مکہ نے نجاشی کے پاس مکہ کے سامان میں سے نایاب چیزیں بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اس کے ذرائع میں سے کسی ذریعہ کو ہمیں چھوڑا جس کے لئے ہدیہ

نہ بھیجا ہو۔ تاکہ نجاشی سے استدعا کریں کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ بیشتر اس کے کہ مسلمانوں سے گفتگو کی جائے۔ یہ اسکیم بنا کر عمرو بن عاص دربار میں حاضر ہوا۔ اور کہا بادشاہ سلامت ہمارے چند لوگوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے۔ اور ایک نیا دین نکالا ہے جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے۔ اور ملک میں فساد ڈال رہا ہے جن میں سے چند لوگ یہاں آ گئے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ انہیں آپ ہمارے ساتھ بھجوا دیں۔ حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن ربیعہ کو اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے۔ اس کے ذریعوں نے بھی کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ لوگ کہتے تو سچ ہیں۔ ان کی قوم شرافت کے لحاظ سے ان پر برتری رکھتی ہے۔ چاہیے تو یہی کہ مسلمانوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے وطن واپس لے جائیں۔ لیکن نجاشی نے مسلمانوں سے گفتگو کرنے کو ترجیح دی۔ اور کہا کہ اگر قریش کے سفیر جو کچھ کہتے ہیں سچا ہوا تو میں مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دوں گا۔ وگرنہ جب انہوں نے میرا پڑوس اختیار کیا ہے اور میری سرزمین میں بطور ہمان آئے ہیں تو ان کی حفاظت کر دوں گا۔ اور ان کے پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دوں گا۔ چنانچہ نجاشی نے مسلمان مہاجرین کو بلا بھیجا۔ اور ان سے دو باتیں دریافت کیں:-

اولے:- نیا دین کون سا لائے ہو؟

دوئم:- میرے دین اور اس دین میں کیا تضاد ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب نے نمائندگی کے فرائض سر انجام دیئے اور گفتگو

کا آغاز یوں کیا:-

”اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بت پرست تھے۔ مردار خور تھے۔ قلعہ رچی کرتے تھے۔ ظلم و تشدد ہمارا شیوہ تھا۔ کمزور غریب کا حق دبا لینا ہمارا ایمان تھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ خدا تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رحم دل شخص نبی بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور مدق و

امانت پر نہ صرف ہم بلکہ اہل مکہ بھی تصدیقی ہر لگاتے ہیں۔ اس نے ہمیں توحید سکھائی۔ راست گفتاری امانت و صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہم میں سے ہر بُرائی کو جوڑے نکال پھینکنے کے لئے ہمیں عبادت کی طرف متوجہ کیا..... ہم نے اس کی اتباع کی تو اس قوم نے ہمیں فدا دین سمجھ کر عذاب دیئے۔ ہماری زندگی ہم پر تنگ کر دی۔ دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے۔ تو ہم آپ کے ملک کی جانب نکل آئے ہم نے آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی۔ یہ تعاقب کر کے آپ کے دربار تک آپہنچے تاکہ یہاں سے نکلوا کر انتقام کی بھٹی میں جھونک دیں۔ پس اسے بادشاہ اہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے ماتحت ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ ام سلمیٰ فرماتی ہیں کہ نجاشی نے کلام اللہ پڑھنے کو کہا۔ تو حضرت جعفر نے کھیمعہ سورۃ مریم کی تلاوت کی۔ واللہ پھر تو نجاشی رو پڑا اور اس کی داڑھی تربتر ہو گئی۔ جب اس کے علماء نے یہ کلام سنا تو وہ بھی روئے یہاں تک کہ صحیفے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: بیشک یہ چیز اور وہ چیز جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے ایک ہی طاق کی نکلی ہوئی روشنی ہے۔ تم دونوں چلے جاؤ۔ واللہ میں انہیں تمہارے حوالے کرگز نہیں کروں گا اور نہ ایسا ارادہ کیا جائے گا۔

اس نے تحائف واپس کرتے ہوئے کہا کہ ”مجھے ابھی کی خواہش نہیں کہ سونے کا ایک پیاز مل جائے۔ تم بے خوف رہو جو تمہیں برا بھلا کہے گا اس کا بدلہ لیا جائے گا۔“

اگلے روز عمرو بن عاص پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا اور عرض کی کہ اے بادشاہ! آپ کو علم ہے کہ یہ لوگ آپ کے مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہمارے عقیدہ کے مطابق مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے مگر اس کا رسول اور مقرب ہے۔ اور اس کے کلام سے عالم ہستی میں آیا

ہے جو اُس کے مریم پر ڈالا۔ نجاشی نے زمین پر سے تنکا اٹھایا اور کہا۔ واللہ جو تم نے کہا میں مسیح کو اس تنکے کے برابر بھی اس سے بڑا نہیں سمجھتا۔ امیر قریش کا وفد تو خائب و خاسر ہو کر چلا گیا۔ لیکن پادری حضرات سخت برہم ہوئے۔ نجاشی نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ کہا۔ ”قریش کے سفیروں کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم جب اللہ نے مجھے میری حکومت واپس دی۔ تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی۔ کہ میں کوئی رشوت لوں۔ خدا کے میرے بارے میں وہ نہیں کیا جو لوگ چاہتے ہیں۔ پھر کیوں میں وہ کروں جو لوگ کہتے ہیں۔ اور خدا کے بارے میں بے سوچے سمجھے لوگوں کی بات مان لوں۔“ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نجاشی وہ خوش نصیب بادشاہ تھا کہ جب اُس نے انتقال کیا تو اُس کی قبر پر نور نظر آیا کہ تا تھا یہ جب نجاشی فوت ہوا تو رسول خداؐ نے نماز جنازہ غائب ادا فرمائی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت عطا کی کہ ایک بار اُس نے حضور نبی کریمؐ کا عقد مبارک حضرت امّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان کے ساتھ چار سو دینار مہر پر پڑھا۔ اور مہر کی یہ رقم خود ادا فرمادی۔ نجاشی امّ حبیبہؓ کے پاس نکاح کا پیغام لے کر بنفس نفیس خود گیا تھا۔ اور بطور منظور عقد کیا تھا۔ محمد بن علیؑ نے فرمایا کہ عبدالملک بن مروان نے عورتوں کے لئے یہ چار صد دینار مہر کی حد بندی فرمانے کا یہی سبب بتایا ہے۔ امّ حبیبہؓ کا وکیل اس وقت حضرت خالد بن سعید بن عامر تھا۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جسے یہ سعادت حاصل ہے کہ ایک نبی کا نکاح پڑھے اور اس کا مہر اپنے پاس سے ادا کر دے۔ سبحان اللہ!

لے :- ابی ہشام ص ۳۳۳ باب ۵۳ ۵ :- ابی ہشام

پہلا حج — حجۃ الوداع

۲۶ ذیقعد۔ سلمہ ہجرہ

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَرَالِ رِبِّكَ فَاَرْنَبْ

کے ارشاد پر قربان ہونے والے میرے آقا محمد رسول خدا صبح شام یاد خداوندی میں گزارتے۔ آپ رات کو مکمل نہ سوتے نہ جاگتے۔ کچھ نوافل ادا کرتے اور کچھ تقاضائے فطرت کے مطابق آرام فرما لیتے۔ اور پھر عبادت الہی میں مشغول ہو جاتے۔ سر بسجود رہتے۔ اتنا رکوع و قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے دن رات میں انتالیس نوافل دستیں ادا فرمانے والے وجود کو جب حج کی جائزت ملی تو پہلا حج ہی حجۃ الوداع ہو گیا۔ اگرچہ عمرہ کی سعادت آپ کو چار دن ہجرت کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن حج یہی پہلا اور یہی آخری تھا۔ خدا تعالیٰ کا منشاء پاتے ہی آپ نے دس ہجری ۲۶ ذیقعد کو اعلان فرمادیا۔ یہ ایک ایسی خوش کن اور روح پرور خبر تھی جو ہوا کی سی تیزی سے چار سو پھیل گئی۔ سارا عرب آج اپنے محسن کی قیادت میں حج کے لئے امنڈ آیا تھا۔ آپ کی تمام ازدواجی مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اگرچہ عام حالات میں یا جنگ کے دوران جس بی بی کے نام کا قرعہ نکلتا آپ ان کو اپنی محبت میں لے جاتے تھے۔ لیکن اسی سعید و بابرکت موقع پر آپ کی تمام شریک حیات آپ کے شریک تھیں۔ آپ نے غسل فرمایا اور چادر تہمند باندھی۔ نماز ظہر ادا فرما کر مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اور چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ کے مقام پر بے بھر اقامت فرمائی۔ احرام باندھنے سے پہلے آپ نے دوبارہ غسل فرمایا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپ کو عطر لگایا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ فرماتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ پورے نو دن امیر کا دل اپنے ہزاروں قدوسیوں کے ساتھ سفر طے کرتے رہا۔ اور مژدہ الحجہ کو آپ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں جگہ جگہ منازل میں اور لوافل فرماتے جہاں آجکل ان جگہوں پر مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ آج خاندان بنو ہاشم کے لوگ استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ جنہوں نے دس سال قبل آپ کے قتل کی شرائط لگائی تھیں۔ کعبہ پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا:-

”اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔“

مقام ابراہیم پر دو گانہ ادا کیا۔ صفا اور مروہ پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے چڑھے۔

سعی و طواف کے بعد آپ نے احرام اتارنے کا حکم دیا جن کے پاس قربانی کے اونٹ تھے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات آٹھ ذوالحجہ کو آپ نے منیٰ میں قیام فرمایا۔ اگلے روز صبح کو صبح کی نماز پڑھ کر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ عرفات پر نہرہ کے میدان میں ایک کبل کے خیمہ میں دوپہر ڈھلنے تک آپ تشریف فرما رہے تھے۔ اپنی اذنتی قصو پر سوار ہو کر آپ نے خطبہ عطا فرمایا۔ فرمایا:-

”جاہلیت کے تمام فرسودہ مراسم آج میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔“

آج پہلا دن ہے کہ اسلام اپنے جاہد جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور اپنے خطبہ میں سب سے پہلے تبراس امتیازی مراتب پر آپ نے رکھی۔ حد بندی اور تفرقہ توڑ دیئے۔ فرمایا:-

”لوگو! میں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی

فصلیت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا

بھائی ہے۔ اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔“

دوسرے نمبر پر عرب سرزمین کی یہ ریت چلی آرہی تھی۔ کہ جب تک خاندانی رقابت اور انتقام کی آگ خون ریزی کی بارش سے ٹھنڈی نہ ہوتی وہ چین سے نہ بیٹھتے۔ مگر آج بحسن انسانیت نے فخر و مقدم اور تکبر کو سرنگوں کر دیا۔ فرمایا:-

”جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں یہ

اپنے گھر سے اپنے خاندان سے اور اپنے ہی قبیلہ سے نمونہ پیش فرما کر جاہلیت کے تمام سود بھی مٹا کر دیئے۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندان سے عباس بن عبد المطلب کا سود باطل قرار دیا۔“

ایک اور رخصت جو عرب پر مستطقی دہ عورتوں کی تجارت تھی عورتیں جائیداد منقولہ تھیں۔ چڑھاؤ سے پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ مگر آپ نے ان رسومات کی بیخ کنی فرما کر قدر دانی کا تاج عورت کے سر پر پہنایا اور فرمایا:-

عورتوں کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔ کہ

”تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جی طرح یہ دن اس ہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔“

”میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ۔“

پھر چند اصولی احکام کا اعلان فرما کر آپ نے فرمایا:-

”تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ کو ام نے عرض کی۔ ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔

اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار

فرمایا۔ اے خدا تو گواہ رہنا۔“ کہ

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ نے ظہر اور عصر کی ایک ساتھ نماز ادا فرمائی اور پھر

موقف کے مقام پر تشریف لے گئے۔ جہاں قبلہ رو ہو کر دُعا میں مصروف ہوئے۔ مغرب سے پہلے سرکارِ دو عالم ہزاروں کی قیادت فرماتے ہوئے دہلی سے چلے اور لوگوں کے ہجوم میں ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ آپ ہاتھ کے اشارے سے فرماتے جاتے تھے کہ آہستہ چلو آہستہ چلو لوگوں کے ساتھ۔

مزدلفہ کے مقام پر مغرب و عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے آرام فرمایا۔ اور تہجد کی نماز کے لئے بیدار نہیں ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ:-

”یہی ایک شب ہے جس میں آپ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی“ نماز فجر کے بعد سوچ نکھنے سے پہلے آپ نے یہاں سے کوچ فرمایا۔ اور جبرہ کے مقام پر تشریف لے گئے۔ حضرت فضل بن عباس سے کنکریاں چٹنے کو فرمایا اور کنکریاں پھینکیں۔

لوگ دائیں بائیں آپ سے حج کے مسائل پوچھتے تھے اور آپ فرماتے تھے کہ حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔ آج دسویں ذوالحجہ اور سیچ کا دن تھا۔ تیس سال نو ماہ نبوت کے فرائض سے باحسن سبکدوش ہونے والا وجودِ خدا تعالیٰ کے حضور شکرانہ ادا کر رہا تھا کہ آپکے دائیں۔ آپکے بائیں۔ آگے اور آپ کے پیچھے انسانوں کا ایک جنگل تھا۔ کبھی یہی وجود اس سرزمین میں تنہا تھا۔ اور آج زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور صوفشاں تھا۔ اور دینِ فطرت کی تکمیل کا مزہ کائنات کے ذرے ذرے کی زبان پر جاری تھا۔ آپ نے مکرر تاکید فرمائی کہ تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری ابر و تاقیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اہل اس شہر میں محترم ہے۔

خلقِ خدا کے لئے دیکھی دل رکھنے والے محسن نے پھر دہرایا کہ:-
”میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔
تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اور تم سے تمہارے اعمال

کی باز پرس کرے گا۔“

غلاموں، عورتوں، سود اور انتظام کے متعلق وصیتیں فرمانے کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور قربانی فرمائی۔ آپ کے ساتھ تنوٰ اذنت قربانی کے تھے۔ جن میں سے کچھ حضرت علیؓ نے قربان کئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کا گوشت پوست جو کچھ ہے سب خیرات کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ نقاب کی مزدوری بھی اس کی ادائیگی جائے۔ اللہ سے دی جائے۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے پہلے اپنے بال منڈوائے اور اپنے دست مبارک سے کچھ بال حضرت ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی کو عطا کئے اور کچھ باقی صحابہ کرام کو تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپ آب زمزم کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت عباسؓ نے ڈول میں آب زمزم نکال کر پیش کیا۔ آپ نے قبلہ رخ ہو کر پانی پیا اور منیٰ واپس تشریف لے گئے۔

۱۲ ذوالحجہ کو آپ نے منیٰ میں بھی ایک خطبہ دیا۔ تیرہ تاریخ کو اپنے آخری طواف کیا۔ وہیں حج کی نماز ادا فرمائی اور پھر قافلہ بخیر و عافیت مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں غم کے مقام پر آپ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا جو بہت اثر انگیز اور اہم تھا۔ آپ نے فرمایا:-

حمد و ثناء کے بعد اے لوگو میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ اور خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔

اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ آخری جملہ کو آپ نے تین بار دہرایا۔ لے

حجۃ الوداع کے بعد حضور بہت کم مدت اس دنیا میں رہے ہیں۔ تقریباً

ایسا ہی روز تکمیل دین کے اعلان کے بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ إِنَّكَ

حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

ش

4

20

4252

1063

1625

325

65

کتابت در علم دینی که از طرف کتب خانہ اسلامیہ
 مکتبہ فیضیہ کراچی منسوخ و منقح شد
 کتب خانہ فیضیہ
 کراچی

نام کتاب تخلیق اللہ
 نام مصنف حفیظہ الرحمٰن
 تاریخ طبع جولائی ۱۹۸۲ء
 تعداد اشاعت ایک ہزار
 کتابت .. محمد ارشد خوشنویس
 پرنٹر محمد حسن لاہور آرٹ پریس ۱۵، انارکلی لاہور
 الناشر حفیظہ الرحمٰن بلاک ۵۱/۸۲ گلشن اقبال کراچی

قیمت :- ۱۰ روپے

